بھٹو خاندان

(شہادتوں کا سفر)

مرتضیٰ انجم

جملہ حقوق محفوظ ہیں

کتاب	⇦	بھٹو خاندان شہادتوں کا سفر
مصنف	⇦	مرتضیٰ انجم
اشاعت	⇦	2008ء
مطبع	⇦	علی فرید پرنٹرز لاہور
برائے		
دار الشعور		37۔ مزنگ روڈ، بک سٹریٹ، لاہور
قیمت	⇦	-/300 روپے

اہتمام: محمد عباس شاد

E-mail: m_d7868@yahoo.com
Ph: 042-7239138,8460196

Marfat.com

انتساب

جناب جہانگیر بدر کی بے نظیر بھٹو شہید کے ساتھ
تیس سالہ رفاقت اور عقیدت کے نام

Marfat.com

فہرست مضامین

نمبر شمار	فہرست مضامین	صفحہ نمبر
1	حرف اول	6
2	بھٹو خاندان کی تاریخ	8
3	ذوالفقار علی بھٹو کی ابتدائی زندگی	15
4	وزارت خارجہ کا زمانہ	26
5	پاکستان پیپلز پارٹی کا کنونشن	32
6	انتخابات سقوط ڈھاکہ اور بھٹو حکومت	37
7	جناب بھٹو کے نمایاں کارنامے	41
8	جناب بھٹو کا ایک تاریخی خطاب	44
9	جناب بھٹو کے خلاف بین الاقوامی سازشیں	53
10	اندرونی سازشیں	63
11	ایک متنازعہ مقدمہ	66
12	بیگم نصرت بھٹو	79
13	میر مرتضیٰ بھٹو کی شخصیت	83
14	الذوالفقار کا قیام اور سرگرمیاں	85
15	شاہنواز بھٹو کا قتل	96
16	میر مرتضیٰ بھٹو کی پاکستان واپسی	104
17	میر مرتضیٰ بھٹو کا قتل	119
18	بے نظیر بھٹو کے حالات زندگی پر ایک نظر	123
19	بے نظیر بھٹو مارشل لاء کے بعد	129
20	بے نظیر کی شہید بھٹو سے آخری ملاقات	139

Marfat.com

21	بے نظیر بھٹو کی سیاسی جدوجہد جناب بھٹو کے بعد	145
22	بے نظیر بھٹو کی حکومت 1988ء تا 1990ء	158
23	بے نظیر بھٹو کا قوم سے تاریخی خطاب	161
24	بے نظیر حکومت کے خلاف سازشیں	170
25	بے نظیر فوج تعلقات	177
26	بے نظیر بھٹو کی سینٹ میں ناکامی	184
27	وزارت عظمیٰ کی برطرفی سے پہلے	185
28	بے نظیر بھٹو دور کی نمایاں خدمات	198
29	بے نظیر بھٹو حکومت کی برطرفی کے بعد	214
30	بے نظیر بھٹو کا دوسرا دور اقتدار 1993ء	218
31	بے نظیر بھٹو اور مسئلہ کشمیر	242
32	ترقی اور خوشحالی کے لئے اقدامات	247
33	بے نظیر بھٹو کی جلاوطنی	252
34	بے نظیر بھٹو کی وطن واپسی	259
35	انتخابی مہم کا آغاز	273
36	بے نظیر بھٹو کا آخری دورہ پشاور	275
37	بے نظیر بھٹو کی شہادت	278
38	بے نظیر بھٹو کی نئی اور آخری کتاب	285
	قاتل کون؟	288
39	بھٹو اور نہرو خاندان میں مماثلت	292
40	بے نظیر بھٹو کے اعزازات	294
41	بے نظیر بھٹو کی وصیت	298
42	سکاٹ لینڈ یارڈ کی رپورٹ	301

Marfat.com

حرف اول

27 دسمبر 2007ء پاکستان کی سیاسی تاریخ کا سیاہ ترین دن ۔۔۔ یہ دن عرصہ دراز تک پاکستان کی سیاسی تاریخ پر اپنی سیاہی بکھیرتا رہے گا۔ راولپنڈی کے لیاقت باغ میں 1951ء میں پاکستان کے پہلے وزیراعظم لیاقت علی خان کو بھرے جلسے میں گولی مار کر شہید کر دیا گیا۔ اسی شہر راولپنڈی میں ایک منتخب وزیراعظم کو ایک ڈکٹیٹر نے اپنی ہوس اقتدار کا نشانہ بنایا تھا، آج ایک مرتبہ پھر پاکستان کی ایک سابق وزیراعظم کو بے دردی سے شہید کر دیا گیا ہے۔ تحقیقات پہلے بھی ہوئی تھی لیکن نتیجہ کیا نکلا، لیاقت علی خان کے قاتلوں کو آج تک بے نقاب نہیں کیا جا سکا۔ تحقیقات اب بھی ہو رہی ہیں لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا ہے معاملات پیچیدہ ہوتے جا رہے ہیں۔ سازش کرنے والوں نے سب کچھ منصوبہ بندی سے کیا ان کو تحفظ دینے والے بھی متحرک رہے اور اس کا نتیجہ سکاٹ لینڈ یارڈ کی رپورٹ کی صورت میں سامنے آیا جسے پاکستان پیپلز پارٹی نے تسلیم نہیں کیا۔

بھٹو خاندان نے قربانیوں کی ایک تاریخ رقم کی ہے جناب ذوالفقار علی بھٹو نے پاکستان کو ایٹمی قوت بنانے کا خواب ایوب دور میں ہی دیکھنا شروع کر دیا تھا تاہم اس پر عمل درآمد ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے دور حکومت میں اس وقت کیا جب 1974ء میں بھارت نے ایٹمی دھماکہ کر کے طاقت کا توازن اپنے حق میں کر لیا جس پر ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے جناب بھٹو نے بھارت کی بالادستی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور پاکستان کو ایٹمی قوت بنانے کے منصوبے پر عمل پیرا ہو گئے۔ امریکہ جو پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے سخت خلاف تھا، نے جناب بھٹو کو دھمکی دی کہ وہ انہیں عبرتناک سزا دے گا۔ امریکہ کو اپنی دھمکی پر عمل کرنے کا اس وقت موقع مل گیا جب 1977ء میں پاکستان میں انتخابات منعقد ہوئے۔ شکست خوردہ قوتوں نے امریکہ کے ایماء پر جناب بھٹو کے خلاف تحریک شروع کر دی جس کے نتیجے میں ملک پر جنرل ضیاء الحق کی آمریت

Marfat.com

مسلط ہوگئی۔ جنرل ضیاء الحق نے امریکی حکم پر جناب بھٹو کو سولی پر چڑھا کر اپنی آمریت کو مضبوط کیا۔ صرف یہی نہیں جنرل ضیاء الحق نے بھٹو شہید کی بیوی، بچوں اور پارٹی کارکنوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا اور آخر کار وہ جناب بھٹو کے چھوٹے بیٹے شاہنواز کو اپنی ہوس اقتدار کا نشانہ بنانے میں کامیاب ہو گیا تاہم مرتضیٰ بھٹو فوجی حکومت کے دستِ ہٹلری سے محفوظ رہے لیکن آخر وہ بھی محترمہ بے نظیر بھٹو کے دور حکومت میں ضیاء باقیات کی سازش کا شکار ہو گئے۔ ضیاء کے اپنے عبرتناک انجام کو پہنچنے کے بعد بیس سال گزرنے کے باوجود بھی ضیاء باقیات نے بھٹو خاندان کا پیچھا نہ چھوڑا اور 27 دسمبر 2007ء کو محترمہ بے نظیر بھٹو کو لیاقت باغ راولپنڈی میں شہید کر دیا گیا۔

محترمہ بے نظیر بھٹو کی شخصیت مختلف جہتوں میں بٹی ہوئی تھی، وہ بڑے بڑے سیاسی جلسے کر کے ہر کسی کو اپنا ہمنوا بنانے اور ہر کس و ناکس کے دل میں اتر جانے کا ہنر جانتی تھیں۔ ان کی مقبولیت جس قدر ملک کے اندر تھی اس سے کہیں زیادہ عالمی سطح پر ان کی پہچان تھی۔ وہ نہ صرف بطور سیاستدان اور وزیر اعظم کی شناخت رکھتی تھیں بلکہ وہ بطور ماہر تعلیم، لیکچرار بھی یونیورسٹیوں اور بین الاقوامی تعلیمی اداروں میں اپنی بصیرت اور قابلیت کا لوہا منوا چکی تھیں۔ آج وہ دنیا میں موجود نہیں ہیں عالمی سطح پر اور ملک کے اندر بھی ان کی کمی محسوس کی جا رہی ہے۔ خاص طور پر جب فروری 2008ء کے انتخابات کے بعد ق لیگ کو عوام مکمل طور پر مسترد کر چکے ہیں، بے نظیر بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی اسمبلی میں اکثریت حاصل کر چکی ہے اور مسلم لیگ ن بھی واضح کامیابی حاصل کر چکی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ ن متحد ہو کر ملک کو درپیش مسائل کے حل کے لئے صدر سے مل کر کوئی حکمت عملی اختیار کرتے ہیں یا ایک نئی محاذ آرائی کی بنیاد رکھتے ہیں تاہم ملک کو درپیش اندرونی اور بیرونی خطرات سے نمٹنے کے لئے وسیع تر قومی اتحاد کی اشد ضرورت ہے۔

مرتضیٰ انجم

لاہور

Marfat.com

بھٹو خاندان کی تاریخ

پاکستان کے صوبہ سندھ کے ضلع لاڑکانہ کی آبادی قدیم مہاجر قبائل پر مشتمل ہے جو غیر ملکی فاتحین کے ساتھ آ کر یہاں پر آباد ہوتے رہے۔ ضلع لاڑکانہ کی وجہ شہرت واہمیت بھٹو خاندان ہی ہے۔ شہر لاڑکانہ اٹھارھویں صدی کے آغاز میں کلہوڑہ خاندان نے اپنے زمانہ اقتدار میں بسایا تھا۔ ایک روایت کے مطابق شاہ علی محمد کلہوڑ کو جس کا نام چانڈ تھا یہاں کے باسیوں نے یہاں نہر کھودنے پر لاڑکہ کے نام سے پکارنا شروع کر دیا۔ اسی نسبت سے اس شہر کا نام لاڑکن یا لاڑک پڑ گیا اور بعد میں جب سندھ پر برطانیہ نے راج قائم کیا تو 1901ء میں اس شہر کا نام لاڑکانہ رکھ کر اسے ضلع کا درجہ دے دیا۔

تقریباً چار سو سال پہلے بھارت کے ریگستانی علاقے جیسلمیر جو اس وقت بھارتی سرحدی ریاست راجستھان میں شامل ہے، بھٹو خاندان کا تعلق یہاں کے رہنے والے راجپوت مہاجروں سے ہے۔ اس خاندان کا ایک شخص سہتو خان بھٹو سولہویں صدی کے وسط میں پانی کی قلت ہو جانے کے باعث ہجرت کر کے دریائے سندھ کے کنارے پہنچا اور یہاں پہنچ کر اس نے ایک گاؤں آباد کیا جس کا نام بھٹو رکھا گیا۔ 17 ویں صدی عیسوی میں جب مغل حکمرانوں نے برصغیر کو فتح کیا تو علاقے کی زیادہ تر آبادی ان کے حسن سلوک کی وجہ سے مسلمان ہو گئی۔ بھٹو خاندان بھی اسی دور میں مشرف بہ اسلام ہوا اور جلد ہی انہیں اپنے علاقے کی سطح پر عزت واحترام کی نظر سے دیکھا جانے لگا۔

18 ویں صدی کے آغاز میں بھٹو خاندان کا کلہوڑا اور تالپور خاندان کے ساتھ سیاسی معاملات پر اختلاف شروع ہو گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مغل سلطنت زوال پذیر تھی اور دارالحکومت سے دور دراز کے علاقوں میں بغاوتیں سر اٹھا رہی تھیں اور اس سلسلے میں باغیوں کو انگریزوں کی

Marfat.com

پشت پناہی حاصل تھی۔ ملک کے مختلف حصوں میں شورشیں روزمرہ کا معمول بن چکی تھیں۔ چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے والی بھی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بغاوت کا علم بلند کرتے اور امور ریاست اپنے ہاتھوں میں لے لیتے۔ مغلوں کو ان دور دراز علاقوں میں پیدا ہونے والی شورشوں کو دبانے میں کافی مشکلات کا سامنا تھا یہی وہ موقع تھا جب سہتو خان نے مغل حکمرانوں کی کمزوری کو بھانپ کر دریائے سندھ کے ساحلی علاقوں میں اپنے قبیلے کو مضبوط کرنا شروع کر دیا۔ سہتو خان کے پوتے پیر بخش خان بھٹو نے انگریزوں کے ساتھ دوستانہ مراسم رکھے اور سیاسی فوائد حاصل کیے۔ پیر بخش خان بھٹو کے صاحبزادے ڈوڈو خان کو جو ذوالفقار علی بھٹو کے پڑدادا تھے سندھ میں خصوصی عزت حاصل تھی انہوں نے اردگرد کے خاندانوں کے ساتھ سخت لڑائیوں کے نتیجے میں اپنے خاندان کے لئے زمین حاصل کر لی۔ ڈوڈو خان کے بیٹے اللہ بخش بھٹو نے اپنی حکمت عملی سے جیکب آباد کے قبیلہ بروہی اور گڑہی کھادر کے قبیلہ جمالی کو زیر کر کے اپنے خاندان کے لئے وسیع رقبہ اراضی حاصل کیا۔

در ثمین نقوی اپنی کتاب میں لکھتی ہیں:

> ''ڈوڈا خان شہید بھٹو کے پڑدادا تھے اور اس علاقہ میں فی الواقع نواب سمجھے جاتے تھے۔ وہ پالکی میں سفر کرتے تھے جس کے ساتھ اسے اٹھانے والے چاکروں کا ایک قافلہ بھی چلا کرتا تھا۔ یہ سواری ان دنوں صرف حکمران تالپور خاندان باقی سے خالق روحانی پیر پگارا کے لئے مخصوص تھی۔ ڈوڈا خان کی کوششوں نے بھٹو خاندان کو سندھ کے معزز خاندانوں میں شامل کر دیا اور معززین کا یہ درجہ اس خاندان کے پاس آج تک ہے۔''
>
> (دختر پاکستان بے نظیر بھٹو)

ذوالفقار علی بھٹو پر الزامات کوئی نئی بات نہیں تھی، بھٹو خاندان پر الزامات کا سلسلہ اسی وقت شروع ہو گیا تھا جب پیر بخش خان کے پوتے اور خدا بخش بھٹو کے بیٹے غلام مرتضیٰ بھٹو کے زمانے میں انگریزوں کے ساتھ تعلقات میں سرمہری آ گئی اور انہیں مختلف مقدمات میں الجھا دیا گیا۔ مرتضیٰ بھٹو کے والد خدا بخش بھٹو اس صورت حال سے زیادہ پریشان ہو گئے انہوں نے

Marfat.com

اپنے بیٹے کو مشورہ دیا کہ اب اس علاقے میں رہنا ان کے مفاد میں نہیں اس لئے وہ یہ گھر چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں، جب حالات ٹھیک ہوں تو واپس آجائیں۔ مرتضیٰ بھٹو اپنے والد کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے افغانستان چلے گئے۔ ان کی غیر حاضری میں ان کے خلاف مقدمہ چلا کر انہیں مجرم قرار دے دیا گیا۔ ان کی زمینوں اور دیگر جائیداد کو بحق سرکار ضبط کر لیا گیا۔ اسی پر بس نہیں مرتضیٰ بھٹو کے روپوش ہو جانے کے بعد انگریزوں کے پروردہ جرائم پیشہ افراد نے خدا بخش بھٹو کو قتل کر دیا۔

آخر کار مرتضیٰ بھٹو والئی افغانستان کی مدد سے واپس وطن آئے اور کسی طرح کمشنر تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ کمشنر کی مداخلت سے از سر نو تحقیقات کے بعد انہیں بے گناہ قرار دیتے ہوئے تمام مقدمات سے بری کر دیا گیا۔

غلام مرتضیٰ بھٹو بے پناہ سیاسی تدبر کے مالک تھے۔ سندھ کے وڈیرے اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ مرتضیٰ بھٹو میں ایک بڑا سیاست دان بننے کی تمام خصوصیات موجود ہیں۔ اس لئے مخالفین نے ان کے خلاف ایک سازش تیار کی اور وہ صرف اکتیس سال کی عمر میں سازش کا شکار ہوئے اور زہر دے کر ہلاک کر دیئے گئے۔ اس وقت غلام مرتضیٰ بھٹو کے بیٹے شاہ نواز اور علی گوہر خان ابھی عمر میں بہت چھوٹے تھے، خاندان کے ایک بزرگ الٰہی بخش خان بھٹو نے ان کی سرپرستی کا بیڑا اٹھایا سازشوں کا سلسلہ ابھی جاری تھا اور وہ بھی زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہ سکے اور پر اسرار طور پر فوت ہو گئے۔

ذوالفقار علی بھٹو کے والد شاہنواز بھٹو ضلع لاڑکانہ میں اپنے گاؤں گڑھی خدا بخش میں 3 مارچ 1888ء کو پیدا ہوئے جب ان کے والد غلام مرتضیٰ بھٹو کو جلاوطنی اختیار کرنا پڑی تو شاہنواز بھٹو اور ان کے بھائی علی گوہر کی پرورش ان کے چچا رسول بخش خان بھٹو کی نگرانی میں ہوئی۔ شاہنواز بھٹو کو مدرسۃ الاسلام لاڑکانہ اور اس کے بعد سینٹ پیٹرک ہائی سکول کراچی میں تعلیم دلائی گئی۔ غلام مرتضیٰ بھٹو کی قبل از وقت موت کی وجہ سے شاہنواز بھٹو کو کراچی میں چھ سال کی تعلیم کے بعد واپس آنا پڑا تا کہ وہ اپنی زمینوں کے کاروبار کو سنبھال سکیں جس کے بعد وہ کبھی تعلیم حاصل نہ کر سکے تاہم انہوں نے انگریزی زبان اس حد تک سیکھ لی کہ بڑی روانی کے

Marfat.com

ساتھ گفتگو کر سکتے تھے۔

شاہ نواز بھٹو جو غلام مرتضیٰ بھٹو کی موت تک قدرے جوان ہو چکے تھے، نے اپنے خاندان اور الٰہی بخش خان بھٹو کے پسماندگان کی سرپرستی کا ذمہ لیا۔ انہوں نے اپنی زمینوں کے کاروبار کو مناسب طور پر سنبھالنے کے بعد نوجوانی ہی میں عملی سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا اور مستقل مزاجی کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے اہم حیثیت اختیار کر لی۔ شاہ نواز بھٹو نے غیر ضروری طور پر سیاسی دشمنیوں میں الجھنے کے بجائے اردگرد کے جاگیردار خاندانوں سے اچھے تعلقات استوار کر لئے۔ اس کے ساتھ ہی لاڑکانہ کے اردگرد کے علاقوں میں بھی اپنا اثر رسوخ قائم کرنا شروع کر دیا۔ 1919ء میں جب وائسرائے کی امپیریل کونسل کا ایک نمائندہ جو سندھ سے تعلق رکھتا تھا فوت ہو گیا تو شاہنواز بھٹو اس کی جگہ بلا مقابلہ منتخب ہو گئے۔ اگلے سال وہ لاڑکانہ ڈسٹرکٹ بورڈ کے انتخابات میں بھی بلا مقابلہ منتخب ہوئے۔ وہ علاقے کے لوگوں کے مسائل کو بڑے غور سے سنتے اور ہر ممکن دوسروں کی مدد کرتے، اس طرح اندرون سندھ ان کی شہرت میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔

شاہ نواز بھٹو کا ہندوستان کی سیاست پر بڑا گہرا اثر تھا۔ ان کے قائداعظم کے ساتھ ذاتی مراسم تھے۔ برصغیر میں جب تحریک پاکستان کا آغاز ہوا تو سر شاہنواز نے قائداعظم کی قیادت میں سندھ میں مسلم لیگ کی تنظیمی ذمہ داری سنبھال لی۔ وہ ماہر تعلیم مشہور رہنما مولانا محمد علی جوہر کے بھی قریبی دوست تھے بلکہ جب مولانا محمد علی جوہر عالم نزاع میں تھے تو انہوں نے اپنے دوستوں میں سے صرف شاہنواز بھٹو ہی کو اپنے پاس بٹھایا تھا۔

> شاہنواز بھٹو اور ان کے بھائی واحد بخش بھٹو صوبائی اسمبلی کے ممبر بھی رہے۔ وہ برطانوی سامراج کے خلاف مسلح جدوجہد کرنے والوں کا ساتھ دینے کے بجائے انگریز کے ساتھ تعاون کر کے مسلمانوں کے لئے حقوق حاصل کرنے کی پالیسی پر گامزن رہے۔ وہ کانگریس کے بھی خلاف تھے۔ سر شاہنواز کو صوبہ بمبئی کی وزارت کی پیش کش ہوئی لیکن انہوں نے ہندوؤں اور انگریزوں کی قیادت میں وزارت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کا

Marfat.com

اصرار تھا کہ جب تک سندھ کو بمبئی سے الگ نہیں کیا جاتا وہ حکومت سے کسی قسم کا تعاون نہیں کر سکتے۔ ان کے اس مطالبہ نے انہیں برصغیر کی تاریخ میں ہمیشہ کے لئے قائم رہنے والی حیثیت دلائی کیوں کہ شاہ نواز بھٹو نے سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کے لئے دس سال جدوجہد کی۔ ان کے مطالبہ کی بنیاد اس امر پر تھی کہ سندھ تاریخی طور پر ایک علیحدہ اکائی ہے جس کی اپنی الگ ثقافت، الگ زبان اور الگ لسانیت ہے ان کا خیال تھا کہ سندھ کو بمبئی سے الگ کرنا ایک حادثاتی واقعہ تھا جو انتظامیہ کو ایک خاص انداز میں چلانے کے لئے رونما ہوا تھا۔ ان کا دوسرا استدلال یہ تھا کہ سندھ کی زیادہ تر آبادی مسلمان ہے اور بمبئی کی عملداری میں سندھ ان صوبوں کے مقابلے میں کسی گنتی میں نہیں رہتا، جن میں ہندو اکثریت تھی جبکہ اس عملداری میں موجود دیگر ریاستیں سنور جاتی تھیں۔ (دختر مشرق بےنظیر بھٹو)

آخر کار دسمبر 1933ء میں برطانوی حکومت نے شاہ نواز بھٹو کی کبھی نہ تھکنے والی جدوجہد کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور ایک گول میز کانفرنس میں گورنر نے انہیں یقین دلایا کہ سندھ بہت جلد الگ صوبہ بن جائے گا، جس کے بعد گورنر کے اصرار پر انہوں نے وزارت قبول کر لی اور وہ فاتح کی حیثیت سے واپس لاڑکانہ لوٹے جہاں ان کا عظیم الشان استقبال کیا گیا، یہ استقبال نوعمر ذوالفقار علی بھٹو کو چھت پر لے جا کر دکھایا گیا۔ صرف دو سال کے بعد سندھ ایک الگ صوبہ بن گیا۔ تقسیم برصغیر کے وقت سندھ مسلم اکثریت کے صوبے کی حیثیت سے پاکستان میں شامل ہو گیا۔

1937ء میں حکومت نے فیصلہ کیا کہ سندھ کی قانون ساز مجلس کا انتخاب بھی عمل میں لایا جائے گا جس کے نتیجے میں سندھ کے جاگیرداروں کی انتخابی مہم چل پڑی اور دو بڑے گروپ میدان میں آ گئے جو عوام میں اپنا اثر رسوخ رکھتے تھے۔ شاہنواز بھٹو کی قیادت میں سندھ یونائیٹڈ پارٹی اور ہدایت اللہ کی قیادت میں سندھ مسلم پارٹی قائم کی گئی۔ شاہنواز بھٹو کو حاجی عبداللہ ہارون اور جی ایم سید جیسے رہنماؤں کی حمایت حاصل تھی جبکہ ایوب کھوڑو، قاضی فضل اللہ اور امیر لاہوری

Marfat.com

حاجی ہدایت اللہ کی حمایت کر رہے تھے۔دونوں سیاسی جماعتوں میں نظریاتی طور پر کوئی بڑا اختلاف نہیں تھا بلکہ دونوں رقابت اور جاگیردارانہ اطاعت کی بنیاد پر قائم کی گئی تھیں۔اس لئے یہ بات حیران کن نہیں تھی کہ مختلف گروپ کبھی ایک طرف اور کبھی دوسری طرف سرگرمیوں میں مصروف ہو جاتے۔سیاسی سرگرمیاں بڑے زور وشور سے جاری تھیں، مقابلہ بڑا سخت تھا تاہم شاہنواز بھٹو کو بمبئی سے سندھ کو علیحدہ کرانے کا اعزاز بھی حاصل تھا جس کی بنیاد پر انہیں پورا یقین تھا کہ وہ انتخابات میں فتح حاصل کر لیں گے۔وہ بے فکر ہو کر لاڑکانہ سے باہر اپنے دوسرے کاموں میں مصروف رہے اور جب وہ انتخابات سے صرف چند روز پہلے لاڑکانہ لوٹے تو فضا ان کے خلاف ہو چکی تھی حتیٰ کہ ان کے اپنے قریبی عزیز بھی مخالف گروپ کا ساتھ دے رہے تھے وہ کراہت امیز بے وفائیوں کو دیکھ کر بددل ہو کر عین انتخابات کے روز لاڑکانہ چھوڑ کر کراچی روانہ ہو گئے۔اس انتخاب میں وہ خود شکست کھا گئے لیکن ان کی سندھ یونائیٹڈ پارٹی نے اسمبلی میں کافی سیٹیں حاصل کر لیں۔

49 سال کی عمر میں شاہنواز نے سیاست چھوڑ کر پبلک سروس کمشن میں شمولیت اختیار کر لی۔یہ ذوالفقار علی بھٹو صاحب کے بچپن کا زمانہ تھا وہ اس بات کو کبھی نہیں بھولے کہ ان کے والد کن اذیت ناک لمحات سے گزرنا پڑا تھا دشمن انہیں طنز کا نشانہ بنانے سے کبھی نہیں چوکتے تھے۔یہ الگ بات ہے کہ ایک عرصہ کے بعد ذوالفقار علی بھٹو نے 1970ء کے انتخابات میں ایوب کھوڑو کو اسی حلقے میں بڑی ہزیمت انگیز شکست سے دوچار کر کے اپنے والد کی شکست کا بدلہ چکا دیا تھا۔

انتخابات میں شکست سے پیدا ہونے والی صورت حال اور لوگوں کی بے وفائیاں کئی برس تک شاہنواز کے ذہن پر چھائی رہیں۔بھٹو شہید نے ایک مرتبہ کہا تھا:

> ”میرے والد چونکہ گورنر سندھ کے مشیر تھے اس لئے انتخابی مہم کے دوران ہم اس رہائش گاہ میں رہتے تھے جو وزیر اعلیٰ کے لئے مخصوص ہوتی تھی۔یہ گھر اکثر مہمانوں سے بھرا رہتا تھا کیوں کہ لوگ ہر وقت یہاں آتے جاتے تھے ۔مجھے یاد ہے کہ اس روز جب میں گھر پہنچا تو گھر کی ہر چیز اجڑی اجڑی سی پڑی

Marfat.com

تھی اور میں نے اپنے ملازم سے پوچھا کہ بات کیا ہے، کیا ہو گیا ہے تو اس نے کہا تھا جناب سر صاحب کو الیکشن میں شکست ہو گئی ہے۔" (دختر مشرق بے نظیر بھٹو)

1947ء میں سر شاہنواز جونا گڑھ چلے گئے، یہ گجرات کے ساحل پر واقع شہزادوں کی ریاست تھی پھر اسی سال 8 نومبر کو اپنے خاندان سمیت وہاں سے پاکستان واپس آ گئے اور اس کے دس برس بعد 19 نومبر 1957ء کو جب ان کے صاحب زادے ذوالفقار علی بھٹو اقوام متحدہ میں پاکستان کی نمائندگی کر رہے تھے، انتقال کر گئے۔

شاہ نواز بھٹو اشتعال کا سامنا کرتے ہوئے گہرے صبر کا مظاہرہ کیا کرتے تھے وہ اپنے دشمنوں کے ساتھ جارحانہ الفاظ میں گفتگو کرنے سے اجتناب کرتے اور اس وقت بھی انتقام لینے کی بات نہ کرتے جب انہیں پتہ چل جاتا کہ ان کے فلاں فلاں دشمنوں نے انہیں نقصان پہنچایا ہے۔

(دختر پاکستان بے نظیر بھٹو)

سر شاہ نواز کا ایک بیٹا سکندر جو پہلی بیوی سے تھا سات سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔ شاہ نواز نے ایک ہندو عورت لکھی بائی جس نے اسلام قبول کر لیا اور اس کا اسلامی نام خورشید رکھا گیا تھا سے 1925ء میں شادی کی۔ ایک لمبے عرصے تک بھٹو خاندان کے افراد نے شاہنواز اور خورشید بیگم کے رشتے کو قبول نہیں کیا۔ ذوالفقار علی بھٹو اگرچہ اس وقت بچپن کی عمر سے گزر رہے تھے لیکن وہ اپنی والدہ کے ساتھ خاندان کی طرف سے روا رکھے جانے والے سلوک کی چبھن کو محسوس کرتے تھے اور عمر بھر محسوس کرتے رہے۔ دراصل خورشید بیگم ایک غریب خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور ان کا حسب نسب بھٹو خاندان کے شایان شان نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بھٹو صاحب غریبوں کے مسائل حل کرنے اور ان میں خوشحالی لانے کی جدوجہد میں سب سے بڑھ کر کام کرتے رہے۔

☆☆☆

Marfat.com

ذوالفقار علی بھٹو کی ابتدائی زندگی

ذوالفقار علی بھٹو 5 جنوری 1927ء کو المرتضٰی لاڑکانہ میں پیدا ہوئے۔ ان کی پیدائش کا جشن المرتضٰی لاڑکانہ میں اسی روایتی انداز میں منایا گیا جس طرح بڑے بڑے سندھی خاندانوں کے گھروں میں بیٹے پیدا ہونے پر منایا جاتا ہے۔ کئی روز تک نوڈیرو، گڑھی خدا بخش، سکھر، جیکب آباد، گوٹھ اور میر پور سے آئے عزیز واقارب کے لئے المرتضٰی کے دروازے کھلے رہے۔ وہ سر شاہنواز بھٹو کے تیسرے بیٹے تھے۔ خورشید بیگم کے بطن سے منا اور بے نظیر بھی پیدا ہوئے۔ ذوالفقار علی بھٹو کو اپنی بہن بے نظیر سے بے انتہا محبت تھی لیکن وہ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھنے سے پہلے صرف 14 سال کی عمر میں انتقال کر گئی۔ انہوں نے اپنی بہن سے محبت کی یاد کو تازہ رکھنے کے لئے اپنی ایک بیٹی کا نام بے نظیر رکھا جو دو مرتبہ پاکستان کی وزیراعظم رہ چکی ہیں۔ اسی طرح سر شاہنواز نے ذوالفقار علی بھٹو کے بڑے بیٹے کا نام اپنے دادا کے نام پر میر مرتضٰی بھٹو رکھا اور ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے چھوٹے بیٹے کا نام اپنے والد کے نام پر شاہنواز بھٹو رکھا۔

ذوالفقار علی بھٹو کا بچپن اپنی والدہ کے ساتھ لاڑکانہ میں گزرا۔ چار سال کی عمر میں انہیں ایک مقامی مسجد میں قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیج دیا گیا۔ بھٹو صاحب کی ابتدائی تعلیم ایک دیہاتی سکول میں ہوئی۔ سر شاہنواز کی خواہش تھی کہ ذوالفقار علی بھٹو کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھیں اور ان کی تعلیم کی طرف خود توجہ دیں لیکن ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہنے سے باقاعدہ تعلیم کا آغاز نہ ہو سکا۔ بھٹو صاحب نے پہلے کانونٹ سکول میں تعلیم حاصل کی پھر کراچی کے بشپ ہائی سکول میں لڑکیوں کے سیکشن میں داخل ہوئے۔ جب ان کے والد کو سندھ کے انتخابات میں شکست ہو گئی تو ان کا خاندان بمبئی منتقل ہو گیا اور بھٹو صاحب کو کیتھیڈرل ہائی سکول میں داخل کروا دیا گیا۔ اس سکول میں امراء کے بچے تعلیم حاصل کرتے تھے اور ان میں زیادہ تر انگریز، ہندو، پارسی اور اینگلو انڈین زیر تعلیم تھے۔

Marfat.com

ذوالفقار علی بھٹو نے سکول کے زمانے میں ہی عالمی واقعات میں دلچسپی لینا شروع کر دی تھی۔ انہیں عالمی حالات پر اس قدر دسترس حاصل تھی کہ سکول کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد انہوں نے ایک مباحثے میں حصہ لیتے ہوئے اپنے تقریر میں برطانوی حکومت کے اس فیصلے پر شدید نقطہ چینی کی جس کے مطابق سر فیروز خان نون کو اقوام متحدہ اور سان فرانسسکو کے پلیزی سیشن میں بھارت کا نمائندہ بنا کر بھیجا گیا تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو کا خیال تھا کہ ہندوستان کی آزادی کی تحریک کے دوران بھارت کی نمائندگی یا تو قائداعظم کر سکتے تھے یا پھر پنڈت نہرو۔

بھٹو جس زمانے میں سینئر کیمبرج کا امتحان دے رہے تھے انہیں خبر ملی کہ ان کی چھوٹی بہن بے نظیر کا جو اس وقت پونا میں تعلیم حاصل کر رہی تھیں اچانک انتقال ہو گیا ہے۔ اس وقت ان کے والد سندھ کے کسی نواحی علاقے میں ذمہ داریوں میں مصروف تھے چنانچہ انہیں اپنی والدہ کو ساتھ لے کر پونا جانا پڑا۔ ذوالفقار علی بھٹو کو اپنی اس بہن سے بڑی محبت تھی اور اس کی موت پر وہ جذباتی طور پر بڑے متاثر ہوئے۔

مسٹر بھٹو کے والد شاہنواز نے خاص طور پر مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی تربیت سیاسی بنیادوں پر کی تھی۔ ان کی عمر ابھی صرف تیرہ سال ہی تھی اور ابھی وہ سکول کے طالب علم تھے کہ ان کی شادی سردار احمد خان کی بیٹی شیریں امیر بیگم کے ساتھ کر دی گئی۔ شیریں امیر بیگم مسٹر بھٹو سے دس سال بڑی تھیں۔ سردار احمد خان کی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی چنانچہ ان کی تمام زمینیں ان کی بیٹیوں میں ہی تقسیم ہوئیں۔ ذوالفقار علی بھٹو کے گاؤں کا نام گڑھی خدا بخش تھا لیکن انہوں نے بیوی کو ورثہ میں ملنے والی زمین کی دیکھ بھال کی خاطر نوڈیرو میں رہائش اختیار کر لی۔

بھٹو صاحب کی عمر اگرچہ بہت کم تھی مگر وہ تحریک پاکستان کے اثرات کو قبول کئے بغیر نہ رہ سکے۔ وہ اپنے ہم جماعتوں کے ساتھ پاکستان اور قائداعظم کے بارے میں بحث مباحثہ کرتے۔ انہوں نے 1945ء میں قائداعظم کو جو تاریخی خط لکھا اس کا متن اس طرح ہے:

''میں سکول کا ایک طالب علم ہوں لہٰذا مسلمانوں کی جدوجہد آزادی میں کوئی اہم کردار ادا نہیں کر سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ مسلمان ہندوؤں سے ایک علیحدہ قوم ہیں۔ ہندو ہمارے دین کے دشمن ہیں لہٰذا ہمارا

Marfat.com

مستقبل بھی الگ ہونا چاہیے۔آپ ہمارے واحد رہنما ہیں اور ہم آپ کا بے حد احترام کرتے ہیں۔ڈاکٹر خان صاحب اور شیخ عبداللہ لاکھ کانگرس کی حمایت کریں مگر ان جیسے لاکھوں لیڈر بھی مسلمانان ہند کو جدوجہد آزادی سے باز نہیں رکھ سکتے اور پاکستان ہمارا مستقبل ہے جو بن کر رہے گا۔ابھی میں طالب علم ہوں اور کچھ کرنے سے قاصر ہوں، لیکن وہ دن ضرور آئے گا جس دن میں پاکستان کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دوں گا۔"

1946ء میں جب تحریک پاکستان اپنے عروج پر تھی تو مسٹر بھٹو نے قائداعظم کو تجویز دی کہ الفنسٹن کالج جو ہندو اکثریت کا ادارہ تھا میں مظاہرہ کیا جائے۔قائداعظم نے اس تجویز کو پسند فرمایا اور طلباء کو اس مظاہرے کی اجازت دے دی۔طلباء نے اس مظاہرے میں کامیابی حاصل کر لی۔اس طرح مسٹر بھٹو پہلی مرتبہ سیاسی منظر پر عملی طور پر دکھائی دیئے۔

پیلو مودی جو بمبئی کے کیتھیڈرل ہائی سکول میں مسٹر بھٹو کے ساتھ زیر تعلیم تھے اپنی مشہور کتاب "ذلفی مائی فرینڈ" میں لکھتے ہیں:

"ذلفی جناح کا ایک مکمل پیروکار تھا،وہ دو قومی نظریئے کا عظیم ایڈووکیٹ تھا اور سچے دل سے یہ محسوس کرتا تھا کہ مسلمانوں کے حقوق اس وقت تک نہیں مل سکتے جب تک کہ پاکستان وجود میں نہ آجائے۔"

اسی زمانے میں ذوالفقار علی بھٹو کے والد بھی مطالبہ پاکستان کی حمایت کر رہے تھے۔سندھ کو بمبئی سے الگ صوبہ قرار دیئے جانے کی جدوجہد کا مقصد بھی سندھ کے مسلمانوں کو ہندو اکثریت کے استحصال سے نجات دلانا تھا اور ان کی کامیابی تشکیل پاکستان میں مددگار ثابت ہوئی تھی۔چنانچہ اس سلسلے میں شاہنواز کے گھر میں بحث مباحثے ہوتے رہتے تھے جنہیں نوعمر ذوالفقار علی بھٹو بڑے انہاک سے سنتا رہتا اور دل ہی دل میں اپنے والد کے نقطہ نظر کا حمایتی بن چکا تھا۔

1947ء میں اپنی ابتدائی تعلیم مکمل کرنے اور قیام پاکستان کی نوید سننے کے چند روز بعد بھٹو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے امریکہ چلے گئے۔شاہ نواز بھٹو اور ان کے خاندان کی متفقہ

Marfat.com

رائے تھی کہ ذوالفقار علی بھٹو خاندان بھر میں سب سے زیادہ ذہین ہیں اور یہ حقیقت بھی تھی۔وہ امریکہ میں واحد پاکستانی طالب علم تھے جو سیاسی اور سماجی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔بھٹو Tankapalpha کے ممبر ہونے کے ساتھ ساتھ یونیورسٹی کلچر کمیٹی میں بھی ان کی ایک نشست تھی۔وہ سٹوڈنٹس U.N.O کے بھی سرگرم رکن تھے۔

مسٹر ذوالفقار علی بھٹو جنوری 1949ء میں برکلے یونیورسٹی میں منتقل ہو گئے یہ کیلیفورنیا یونیورسٹی کا ہی ایک کمپلیکس تھا۔اس وقت تک بھٹو سیاست، اصول قانون، فلسفہ اور بین الاقوامی قانون کا وسیع مطالعہ کر چکے تھے۔افلاطون، ارسطو، ہابز، لاک، جے ایس مل، میکاوَلی، ٹائن بی، نہرو اور لاسکی کوئی بھی ان کی دسترس سے باہر نہ تھا۔وہ پڑھنے اور سیکھنے کے مراحل بڑی تیزی کے ساتھ طے کرتے چلے جا رہے تھے۔انہوں نے برکلے یونیورسٹی میں زندگی کا پہلا انتخاب سٹوڈنٹ کونسل باڈی کی ایک نشست کے لئے لڑا۔

1950 میں برکلے یونیورسٹی سے سیاسیات میں آنرز کی ڈگری لینے کے بعد مسٹر بھٹو نے آکسفورڈ یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا اور کرائسٹ چرچ کالج میں فلسفہ قانون کی تعلیم حاصل کی۔قانون فلسفہ کی تعلیم حاصل کرنے والوں کے لئے لازم تھا کہ وہ رومی قانون کا بھی امتحان پاس کریں چنانچہ مسٹر بھٹو نے اس مقصد کے لئے لاطینی زبان کی تعلیم بھی حاصل کی۔آکسفورڈ سے انہوں نے ایم اے آنرز کی ڈگری حاصل کی۔1952ء میں بیرسٹرایٹ لاء کی ڈگری بھی اعزازی نمبروں کے ساتھ حاصل کر کے وطن واپس لوٹ آئے۔اور 1953ء میں بار کونسل کے رکن بن گئے۔

مسٹر بھٹو جب اپنی تعلیم مکمل کر چکے تو انہیں ساؤتھ امپٹن (انگلینڈ) یونیورسٹی میں لیکچررشپ کی آفر دی گئی، مسٹر بھٹو کو علمی مشاغل سے بے حد دلچسپی تھی اور اسی شوق کے باعث انہوں نے یہ آفر قبول کر لی۔وہ اپنے ایک انٹرویو میں بتاتے ہیں کہ:

> ''میں بین الاقوامی قانون کا لیکچرار مقرر رہا، مجھے فخر تھا کہ میں ایشیا کا پہلا مسلمان ہوں جسے یہ اعزاز حاصل ہوا ہے۔لیکن جلد ہی یہ احساس ایک چبھن بن گیا اور میں سوچنے لگا کہ میری تمام صلاحیتیں میرے ملک کی

Marfat.com

ہیں، میں ان صلاحیتوں کو کسی دوسرے ملک میں کیوں ضائع کروں۔ چنانچہ میں اپنے وطن چلا آیا۔"

1952ء میں جب مسٹر بھٹو تعلیم مکمل کر کے وطن واپس لوٹے تو سب سے پہلے سندھ مسلم لاء کالج کراچی میں بین الاقوامی قانون پڑھانے لگے ساتھ ہی وکالت بھی شروع کر دی۔

سر شاہنواز بھٹو اور مرزا محمد اصفہانی آپس میں دوست تھے، دونوں کے گھر کلفٹن کراچی میں قریب قریب واقع تھے۔ سر شاہنواز بھٹو کی بیٹی منور الاسلام اور مرزا محمد اصفہانی کی بیٹی نصرف اصفہانی آپس میں سہیلیاں بن چکی تھیں۔ اس دوران منور الاسلام کی شادی طے پا گئی تو ان کے بھائی ذوالفقار علی بھٹو جو آکسفورڈ یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھے شادی میں شرکت کے لئے کراچی آئے۔ ذوالفقار علی بھٹو کی شادی بچپن میں نواب احمد خان بھٹو کی بیٹی شیریں امیر بیگم سے ہو چکی تھی۔ شیریں امیر بیگم عمر میں ذوالفقار علی بھٹو سے بہت بڑی تھیں اور ان کے بطن سے ان کی کوئی اولاد بھی نہیں تھی لہٰذا ذوالفقار علی بھٹو نے منور الاسلام کی سہیلی نصرت اصفہانی سے شادی کی خواہش کا اظہار کر دیا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے خاندان کے دوسرے افراد کے ذریعے اپنی والدہ کو پیغام بھیجا کہ اگر ان کی نصرت اصفہانی سے شادی نہ کی گئی تو وہ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ ان کی یہ دھمکی کارگر ثابت ہوئی اور خورشید بیگم نے سر شاہنواز بھٹو کو بھی راضی کر لیا۔ اس طرح 8 ستمبر 1952ء کو ان کی دوسری شادی نصرت سے ہوئی۔ ذوالفقار علی بھٹو اپنی تعلیم مکمل کرنے کے لئے واپس برطانیہ گئے تو نصرت بھٹو کو بھی ساتھ لے گئے۔

جس وقت ذوالفقار علی بھٹو پاکستان واپس پہنچے جنوبی ایشیا میں آزادی حاصل کرنے والا یہ نوزائیدہ ملک سیاسی عدم استحکام کا شکار ہو چکا تھا۔ خواجہ ناظم الدین کی حکومت میں بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی طرف سے مرتب کردہ ترمیم شدہ رپورٹ کی اشاعت پر پورے ملک میں ایک طوفان کھڑا ہو گیا اور 6 مارچ 1953ء کو لاہور میں مارشل لاء لگانا پڑا۔ پھر ملک غلام محمد اور خواجہ ناظم الدین کے درمیان اختلافات اس قدر شدت اختیار کر گئے کہ گورنر جنرل نے وزیراعظم اور اس کی کابینہ پر نااہلی کا الزام لگا کر برطرف کر دیا اور امریکہ نواز محمد علی بوگرا جو امریکہ میں ہی

Marfat.com

پاکستان کے سفیر تھے بلا کر وزیر اعظم مقرر کر دیا۔ حالانکہ گورنر جنرل کو 1935ء کے آئین کے تحت وزیر اعظم کو برطرف کرنے کا اختیار حاصل نہیں تھا۔ اس وقت کے کمانڈر انچیف محمد ایوب خان گورنر جنرل ملک غلام محمد اور وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان امریکہ کے ساتھ فوجی معاہدہ کرنے میں مصروف تھے جس پر سوویت یونین نے اعتراض کیا تھا۔ دسمبر 1953ء میں امریکہ کے نائب صدر رچرڈ نکسن اور ان کی اہلیہ پاکستان کے تین روزہ دورے پر تھے، کراچی میں ایک شاندار ضیافت کا اہتمام کیا گیا جہاں ذوالفقار علی بھٹو کا تعارف رچرڈ نکسن سے کرایا گیا۔

1950ء اور 1958ء کے درمیانی عرصہ میں پاکستان شدید ترین سیاسی بحران کا شکار رہا، صبح شام وزارتیں ٹوٹ رہی تھیں اور بن رہی تھیں۔ عوام کی نمائندگی کے نام پر جو سیاستدان مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کی نشستوں پر براجمان تھے ان کے نزدیک صرف ایک ہی بات کو اہمیت حاصل تھی کہ کس طرح گٹھ جوڑ کر کے اکثریت قائم کی جاسکتی ہے یا قائم شدہ اکثریت کو توڑا جا سکتا ہے۔ وزیر مشیر ہر وقت اپنی کرسیاں بچانے کی فکر میں پڑے رہتے تھے۔ اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ ملک کی اقتصادی اور معاشی زندگی تیزی کے ساتھ تباہی کے راستے پر گامزن ہوگئی۔

اسی زمانے میں جب پاکستان کے سیاستدان وزارتوں کے جوڑ توڑ میں مصروف تھے جولائی 1956ء میں صدر ناصر نے اس بین الاقوامی کمپنی کو جسے نہر سویز کی اجارہ داری کے حقوق حاصل تھے قومی ملکیت میں لے کر برطانوی اور فرانسیسی حکومتوں کو ہلا کر رکھ دیا اور پاکستان اس وقت سامراجی ممالک کی حمایت کر رہا تھا جبکہ بھارت نے ان سامراجی ممالک کی کھل کر مخالفت اور صدر ناصر کی حمایت کی۔ یہ وہ ملکی اور بین الاقوامی صورتحال تھی جس میں مسٹر بھٹو نے سیاست میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا۔ جب 1954ء میں مرکزی حکومت نے مغربی پاکستان کے چاروں صوبوں کو ملا کر ون یونٹ بنانے کا فیصلہ کیا تو مسٹر بھٹو نے ایک چھوٹا سا پمفلٹ شائع کرایا جس کا عنوان تھا ''پاکستان اے فیڈرل آر اے یونیٹری سٹیٹ'' جناب بھٹو نے اس میں لکھا تھا:

''ون یونٹ کے قیام کا فیصلہ جتنی قوت کے ساتھ صوبائی سرحدوں کو ختم کرے گا اتنی ہی قوت کے ساتھ صوبائیت پرستی کو ایک دائمی حیثیت دے

Marfat.com

دے گا۔ اس پمفلٹ میں انہوں نے ون یونٹ کے معمار ممتاز محمد خان دولتانہ پر شدید حملے کئے اور کہا کہ "مسیح کو بپتسمہ دینے والے یوحنا کا روپ دھار کر سابق وزیر اعلیٰ پنجاب ممتاز محمد خان دولتانہ مغربی پاکستان کے لوگوں کو نیکو کاری کا بہلاوا دینے میں کامیاب ہو گئے ہیں لیکن اب قوم کو ایک اور مسیح کی ضرورت ہے جس کے اندر یہ روحانی قوت ہو کہ وہ اس جداگانہ اور امتیازی حیثیت کی کایا پلٹ کر ہماری شناخت بنا دے۔" (ذوالفقار علی بھٹو بچپن سے تختہ دار تک)

اس کے بعد مسٹر بھٹو نے ایک اخباری بیان کے ذریعے بھی ون یونٹ پر سخت تنقید کی۔ ان دنوں سیاست میں مسٹر بھٹو معمولی دلچسپی لے رہے تھے تاہم انہوں نے اپنے والد کے ایک دوست سید حسین شہید سہروردی سے رابطہ کیا۔ جس کے بعد حسین شہید سہروردی نے سر شاہنواز سے لاڑکانہ میں ملاقات کر کے درخواست کی کہ وہ مسٹر بھٹو پر عوامی لیگ میں شامل ہونے کے لئے دباؤ ڈالیں۔ اس کے بعد انہوں نے ایک مرتبہ شیخ مجیب الرحمٰن کو بھی بھیجا لیکن مسٹر بھٹو نے انکار کر دیا تاہم سہروردی کے ساتھ ملاقاتوں اور سیاسی بحثوں کا سلسلہ جاری رہا۔

ذوالفقار علی بھٹو نے عملی سیاست کا آغاز سکندر مرزا کے حوالے سے کیا سکندر مرزا اور شاہنواز بھٹو کی آپس میں بڑی دوستی تھی۔ ایک دفعہ 1955ء میں سکندر مرزا بھٹو خاندان کی دعوت پر اندرون سندھ میں شکار کھیلنے گئے یہاں پر ذوالفقار علی بھٹو اور سکندر مرزا کے درمیان ملکی اور غیر ملکی معاملات پر تفصیل سے گفتگو ہوئی جب سکندر مرزا کو پتہ چلا کہ ذوالفقار علی بھٹو یونیورسٹی آف ساؤتھمٹن میں بین الاقوامی قانون کے استاد رہے ہیں تو وہ بڑے متاثر ہوئے انہیں کراچی کا میئر بنانے کی پیش کش کی لیکن بھٹو نے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا، انہوں نے کہا کہ کارپوریشن ایک جمہوری ادارہ ہے اس کا سربراہ بھی جمہوری عمل کے ذریعے بننا چاہئے، میں غیر جمہوری طریقے سے کارپوریشن کا سربراہ نہیں بن سکتا۔ سکندر مرزا کو بھٹو صاحب کا جواب بھی پسند آیا۔

1957ء میں سکندر مرزا نے فیصلہ کیا کہ مسئلہ کشمیر پر بحث کے لئے ذوالفقار علی بھٹو کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے اجلاس میں بھیجا جانا چاہئے۔ چنانچہ سکندر مرزا نے اپنے وزیر

Marfat.com

اعظم چوہدری محمد علی کو ہدایت کی کہ ذوالفقار علی بھٹو کو سلامتی کونسل بھیجا جائے۔ چوہدری محمد علی صاحب نے جناب بھٹو کو بلایا اور ان سے بات چیت کی۔ چوہدری محمد علی نے محسوس کیا کہ اگر اس نوجوان کو سلامتی کونسل میں بھیج دیا تو یہ واقعی کچھ کر دکھائے گا اور ہماری اہمیت کم ہو جائے گی۔ چنانچہ انہوں نے بھٹو صاحب کو سلامتی کونسل میں نہیں بھیجا۔ اس دوران بھٹو صاحب بین الاقوامی سیاست پر مختلف جرائد میں مضامین لکھا کرتے تھے اور حکومت میں شامل افراد ان سے مشورے کرنے آتے تھے۔

سکندر مرزا نے چوہدری محمد علی کی وزارت کو فارغ کر دیا اور اس کے بعد حسین شہید سہروردی ملک کے وزیر اعظم بن گئے تو سکندر مرزا نے انہیں اس بات کے لئے قائل کر لیا کہ مسٹر بھٹو کو اقوام متحدہ میں بھیجا جائے۔ حسین شہید سہروردی نے مسٹر بھٹو کو اس وفد میں شامل کر دیا جو اقوام متحدہ کے اجلاس میں شریک ہو رہا تھا۔ مسٹر بھٹو نے عالمی امن کی اہمیت اور ضرورت کے موضوع پر ایک مدلل تقریر کی جسے کافی شہرت حاصل ہوئی۔ غیر ملکی ذرائع ابلاغ نے پہلی مرتبہ اقوام متحدہ میں کسی پاکستانی مندوب کی تقریر کو اہمیت دی۔ اس کے بعد فروری 1958ء میں وہ پاکستانی وفد کے قائد کی حیثیت سے جنیوا پہنچے اور سمندروں کے قانون کی تشکیل کے بارے میں بڑی متاثر کن تقریر کی اور کمیٹی نے بھٹو صاحب کی پیش کردہ تجاویز پر فوری عمل درآمد کی سفارش کر دی۔ چنانچہ ایوب خان کے مارشل لاء سے قبل ہی ذوالفقار علی بھٹو صاحب اپنی قابلیت کا لوہا منوا چکے تھے۔

اکتوبر 1958ء میں سکندر مرزا نے بھٹو کا تعارف ایوب خان سے کرایا۔ سکندر مرزا نے ایوب خان کی مدد سے جب ملک پر مارشل لاء نافذ کیا تو ایوب خان نے بھٹو صاحب کو کابینہ میں شمولیت کی دعوت دی۔ بھٹو صاحب نے انہیں بتایا کہ میں غیر جمہوری طریقے سے کوئی بھی عہدہ حاصل کرنے میں یقین نہیں رکھتا۔ ایوب خان نے انہیں کہا کہ ملک کو آپ کی صلاحیتوں کی سخت ضرورت ہے چنانچہ بھٹو صاحب نے شرط پیش کی کہ اگر آپ مستقبل قریب میں انتخابات کا وعدہ کریں تو میں آپ کی حکومت میں شامل ہو جاتا ہوں۔ ایوب خان نے بھٹو صاحب سے وعدہ کیا کہ وہ مناسب وقت پر انتخابات کروا دیں گے۔ چنانچہ اس وعدے کے

Marfat.com

بعد بھٹو صاحب وزیر تجارت کی حیثیت سے کابینہ میں شامل ہوئے۔ یہ بھٹو صاحب کے ساتھ کئے ہوئے وعدے کا اثر تھا کہ ایوب خان کو بنیادی جمہوریتوں کے نظام کے تحت انتخابات کروانے پڑے۔ اگر بھٹو صاحب غیر جمہوری انداز فکر رکھتے تو سکندر مرزا کی پیش کش قبول کر کے کراچی میونسپل کارپوریشن کے سربراہ بن جاتے۔"

(بیگم نصرت بھٹو، روزنامہ جنگ لاہور 29 جنوری 1993ء)

جب ایوب خان نے تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے اور سکندر مرزا کو اقتدار سے الگ کر کے لندن بھیج دیا تو سکندر مرزا کی مقرر کردہ کابینہ کو برقرار رکھا۔ تجارت بھٹو کا موضوع نہیں تھا وہ سیاسیات اور قانون کے طالب علم رہے تھے لیکن پھر بھی انہوں نے اپنی اس ذمہ داری کو احسن طریقے سے نبھایا۔ وزیر تجارت کی حیثیت سے ان کا سب سے پہلا کام بیرونی تجارت کی تنظیم نو کرنا تھا۔ ان کے دور وزارت میں پاکستانی برآمدات کو مدد دینے کے لئے بونس ووچر سکیم تیار کی گئی جس سے پاکستان کے تجارتی توازن کو چھوٹی مدت کے لئے فوری فوائد حاصل ہوئے۔ بعد میں اس سکیم نے برآمدات کے لئے مستقل حیثیت اختیار کر لی۔

مسٹر بھٹو تیزی کے ساتھ سیاسی منظر پر ابھرتے چلے گئے، وہ اپنا کام بڑی لگن، ذہانت اور دیانتداری سے انجام دیتے جس کے نتیجے میں وہ اپنے دیگر ساتھیوں سے بہت آگے نکل گئے۔ اکتوبر 1959ء میں ایوب خان نے مسٹر بھٹو کو اقوام متحدہ میں پاکستانی مشن کا قائد بنا کر بھیجا جہاں وہ اپنا موقف بیان کرنے میں کامیاب رہے۔ انہوں نے ایٹمی ہتھیاروں کے خاتمہ کے مسئلہ پر روس اور برطانیہ کی تجاریز کے مقابلے میں انتہائی موثر انداز میں اپنا نقطہ نظر واضح کیا۔ وہ بین الاقوامی تعلقات کے طالب علم رہے تھے اس لئے اس موضوع پر بات کرنے میں انہیں کبھی کوئی مشکل پیش نہیں آئی انہیں ملکی اور غیر ملک فوروموں پر جب بھی موقع ملا انہوں نے پاکستان کے موقف کو برملا اور موثر انداز میں پیش کیا۔

جنوری 1960ء میں ذوالفقار علی بھٹو کو وزارت اطلاعات، قومی تعمیر اور اقلیتی امور کا شعبہ بھی دیا گیا۔ اس نئی ذمہ داری کا بنیادی مقصد ایوب حکومت کے اقدامات کی تشہیر

Marfat.com

کرنا تھا۔ بھٹو نے ان کا امیج بہتر بنانے کے لئے دن رات محنت کی۔ انہوں نے جلسوں میں ایوب خان کی حمایت میں تقریریں کر کے عوام کو باور کرایا کہ ایوب خان قوم کے نجات دہندہ ہیں۔ صرف چند ماہ بعد مسٹر بھٹو کو ایندھن، پانی اور قدرتی وسائل کے علاوہ کشمیر کے امور بھی انہیں سونپ دیئے گئے۔ اس طرح مسٹر بھٹو کو ایوب خان کے زیادہ قریب ہونے کا موقع ملا۔ 1960ء میں ایک مرتبہ پھر انہیں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے پندرھویں سیشن میں پاکستانی وفد کی قیادت کی۔ اس سیشن میں خروشیف اور فیدرل کاسترو جیسے مدبر بھی شریک تھے اس طرح ان کو پوری دنیا کے سیاسی معززین کے قریب ہونے کا موقع ملا۔

مسٹر بھٹو کے ایندھن پانی اور قدرتی وسائل کے وزیر بننے سے ایک سال پہلے سوویت یونین نے پیش کش کی تھی کہ وہ تیل نکالنے کے سلسلے میں پاکستان کی مدد کرنے کو تیار ہے لیکن کسی نے اس پیش کش پر کارروائی نہ کی۔ مسٹر بھٹو جو ملک کی خارجہ پالیسی میں توازن پیدا کرنے کے حامی تھے، نے کیمونسٹ ممالک کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کی وکالت کرتے ہوئے ایوب خان کو مجبور کیا کہ وہ سوویت یونین کی پیش کش کو قبول کر لیں۔ پھر جب وہ اکتوبر 1960ء میں اقوام متحدہ کے اجلاس سے واپس لوٹے تو انہوں نے پاکستان میں تیل کی تلاش کے سلسلے میں تکنیکی امداد حاصل کرنے کے لئے سوویت یونین کے ساتھ بات چیت کرنے کے لئے ماسکو کا دورہ کرنے کا اعلان کیا۔

مسٹر بھٹو نے سوویت یونین کا پہلا دورہ اکتوبر 1960ء میں کیا اور خروشیف کے ساتھ بامقصد مذاکرات کئے۔ اس طرح روس اور پاکستان کے درمیان اشتراک اور تعاون کا آغاز ہوا۔ سوویت یونین اپنے دوست ممالک کو ساڑھے تین فیصد شرح سود پر قرضہ دیتا تھا اور پاکستان نے مغربی ممالک کے ساتھ دو دفاعی معاہدے کر رکھے تھے لیکن اس کے باوجود بھی مسٹر بھٹو اپنی ذہانت کے بل پر سوویت یونین سے ساڑھے تین فیصد شرح سود سالانہ پر قرض حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے یہ واقعہ پاکستان کی خارجہ پالیسی میں بڑی واضح تبدیلی کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ یہ ایک بڑا نازک مسئلہ تھا کابینہ کے وزیروں کی اکثریت مغرب نواز تھی چنانچہ اس پر ہونے والی بحث پر چھ ماہ تک فیصلہ

Marfat.com

نہ ہو سکا آخر ایوب خان نے اپنے مغرب نواز وزیر خزانہ کی بھرپور مخالفت کے باوجود مسٹر بھٹو کو اجازت دے دی کہ وہ روس سے یہ امداد حاصل کریں۔

یکم مئی 1961ء کو آئینی کمشن نے ایوب خان کو اپنی رپورٹ پیش کی۔ ایوب خان نے اس رپورٹ کا مطالعہ کر کے سفارشات پیش کرنے کے لئے کمیٹیاں قائم کر دیں جن میں سے ایک کمیٹی صرف بیوروکریٹس پر مشتمل تھی اور دوسری کمیٹی میں کابینہ کے سات وزراء شامل تھے یہ وہ وزراء تھے جو یا تو خصوصی ماہرین کی حیثیت سے شامل تھے یا پھر انہیں ایوب خان کا اعتماد حاصل تھا۔ اس کمیٹی کے سربراہ وزیر خارجہ منظور قادر تھے۔ کیبنٹ کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے آئین کے بارے میں مسٹر بھٹو کے نظریات ایوب خان کے قریب ترین تھے۔

1962ء میں آئین تشکیل دیئے جانے اور قومی وصوبائی اسمبلی ممبران کے چناؤ کے بعد ملک سے مارشل لاء اٹھالیا گیا تو وزارت خارجہ کا قلمدان منظور قادر سے لے کر ایک تجربہ کار سیاستدان محمد علی بوگرہ کے حوالے کر دیا گیا تھا تاہم ایندھن، پانی، بجلی اور قدرتی وسائل کی وزارت مسٹر بھٹو کے پاس رہی۔ ایوب خان مسٹر بھٹو کی قابلیت و ذہانت سے بڑے متاثر تھے اور مسٹر بھٹو بھی انہیں اپنے قیمتی مشوروں سے نوازتے رہتے تھے جس کے نتیجے میں بھٹو اور ایوب خان کا سیاسی تعلق دوستی اور محبت میں بدل چکا تھا۔ مسٹر بھٹو کبھی بھی مالی بدعنوانیوں میں ملوث نہیں ہوئے، جب وہ وزارت چھوڑ کر حکومت سے الگ ہوئے تو تمام کوششوں کے باوجود بھی ان کے خلاف کوئی ثبوت نہ مل سکا۔ اس کی وجہ یہ تھی مسٹر بھٹو پیدائشی جاگیردار تھے ان کے لئے عہدہ اور عزت ہی سب کچھ تھی۔ اگست 1963ء میں ایوب خان نے مسٹر بھٹو کو ہلال پاکستان کا تمغہ دیا جو پاکستان کا سب سے بڑا سول ایوارڈ تھا۔

☆☆☆

Marfat.com

وزارت خارجہ کا زمانہ

جب محمد علی بوگرہ کی صحت خراب ہوتی تو مسٹر بھٹو خارجہ تعلقات کے حوالے سے حکومت کے ترجمان کی حیثیت سے فعال کردار ادا کیا کرتے۔ کشمیر کے مسئلے پر پاک بھارت مذاکرات میں ایوب خان نے مسٹر بھٹو کو وفد کا سربراہ مقرر کیا۔ جنوری 1963ء میں جب محمد علی کو دل کا دورہ پڑا تو وہ وزارت سنبھالنے کے قابل نہ رہے تو ایوب خان نے مسٹر بھٹو کو وزیر خارجہ مقرر کر دیا۔

ذوالفقار علی بھٹو بین الاقوامی سیاسی ماہر ہونے کی حیثیت سے اس حقیقت سے واقف تھے کہ نئے زمانے کی بدلتی ہوئی روش میں جب سیاسی مفادات بڑی تیزی کے ساتھ تبدیل ہو رہے تھے فنی ترقی کے لئے کسی ایک ملک پر انحصار ترقی کی ٹھوس بنیاد فراہم نہیں کرتا۔ اس لئے ضروری تھا کہ پاکستان ان تمام ملکوں سے تعاون حاصل کرے جو امریکہ کے مقابلے میں سائنس اور ٹیکنالوجی میں پیچھے نہیں تھے۔ صورت حال کا تقاضہ تھا کہ اشتراکی ممالک کے ساتھ بھی روابط بڑھائے جائیں۔

1960ء سے پہلے روس پاکستان کو اپنا دشمن سمجھتا تھا لیکن یہ ذوالفقار علی بھٹو کی سحر انگیز شخصیت کا اثر تھا کہ روس پاکستان کے ساتھ اشتراک تعاون پر آمادہ ہو گیا اور روس اور پاکستان کے درمیان غلط فہمیاں دور ہو گئیں۔ سیم اور تھور کے انسداد اور تیل کی تلاش کے سلسلے میں روس سے معاہدہ ذوالفقار علی بھٹو کے روشن ترین کارنامے ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب پاکستان کی دوستی کی سرحدیں دور دور تک پھیل گئیں۔

ذوالفقار علی بھٹو نے دوسری جنگ عظیم کے بعد آزاد ہونے والے ممالک کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کئے جو اس زمانے میں تیسری دنیا کہلاتے تھے، خاص طور پر چین کے ساتھ تعلقات بہتر بنانا مسٹر بھٹو کی وزارت خارجہ کے دو اہم پہلو تھے انہوں نے ان دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھ کر ہی پاکستان کی خارجہ پالیسی تشکیل دی تھی، جس کے نتیجے میں 2 مارچ 1963ء میں

Marfat.com

چین کے ساتھ ایک دفاعی معاہدے پر دستخط ہوئے۔ جس کے تحت چین نے ساڑھے سات سو مربع میل کا علاقہ پاکستان کے حوالے کر دیا۔ چین کے ساتھ ہونے والے اس سرحدی دفاع کے معاہدے پر سامراجی ممالک زبردست چہ میگوئیاں کی گئیں۔

پاکستان کے ساتھ چین کے بڑھتے ہوئے تعلقات امریکہ کے لئے تشویش کا باعث تھے کیوں کہ چین ایشیا کے اندر سب سے بڑا ملک تھا اور سامراجی ممالک بھارت کو چین کے مقابل کھڑا کرنا چاہتے تھے۔ برطانوی سیاسی حلقوں نے بھٹو کے دورہ چین اور دفاعی معاہدے کو ایشیائی امور پر بالادستی قائم رکھنے والی طاقتوں کے لئے مایوس کن قرار دیا۔ مسٹر بھٹو نے روس اور چین کے ساتھ پرخلوص دوستانہ مراسم پیدا کر کے اور ایشیائی عوام کے طرز فکر میں ایک انقلابی تبدیلی پیدا کر کے اپنی خداداد قابلیت اور خارجی امور کے نظم و نسق میں اعلیٰ مہارت کا ثبوت دیا تھا۔

امریکہ چاہتا تھا کہ پاکستان امریکہ کا طفیلی ملک بنے اور اسے امریکن پالیسی کا ہمنوا ہونا چاہیے۔ لیکن بھٹو پاکستان کی آزاد خارجہ پالیسی کے حامی تھے۔ ویت نام کے بارے میں بھٹو نے کہا: ''یہ افریشیائی ملکوں کی جنگ ہے۔ پاکستان دنیا بھر کی حریت پسند تحریکوں کی حمایت کرتا ہے۔ آزادی کی تحریکوں نے واضح کر دیا ہے کہ مشرق پر مغرب کی بالادستی کا سورج غروب ہو رہا ہے۔'' اسلامی دنیا اور عرب ممالک میں بھٹو کی خارجہ پالیسی کی تعریف ہونے لگی۔ پنڈت نہرو جو خود کو ایشیائی قائد سمجھتے تھے پاکستان کے نوجوان سیاسی مفکر کے مقابل پس منظر میں چلے گئے۔

بھٹو نے پاکستان کی خارجہ پالیسی کو جن خطوط پر استوار کیا تھا وہ مغربی قوتوں کے لئے دردسر بنی ہوئی تھی اور پاکستان جو سینٹو اور سیٹو کے معاہدوں سے منسلک ہونے کی وجہ سے امریکہ اور یورپی ممالک کا قریبی حلیف مشہور تھا، نہ صرف امریکہ کی عالمی پالیسیوں کی تکمیل کی راہ میں رکاوٹ بن گیا بلکہ انصاف پر مبنی آزاد خارجہ پالیسی کی بنیاد پر اسے افریقہ اور ایشیا میں کھلا دشمن نظر آتا تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد آزاد ہونے والی ریاستوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنا مسٹر بھٹو کی پہلی ترجیح تھی۔

امریکہ پاکستان اور اسلامی دنیا کو یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ انہیں اشتراکیت سے خطرہ ہے۔ لیکن بھٹو نے واشگاف الفاظ میں امریکہ پر واضح کر دیا کہ انہیں اشتراکیت سے کوئی خطرہ

Marfat.com

نہیں۔ انہوں نے کہا پاکستان کو اگر خطرہ ہے تو صرف بھارت سے ہے جسے امریکہ اسلحہ فراہم کر رہا ہے۔ انہوں نے کھلے الفاظ میں یہ بھی کہا کہ امریکہ پاکستان کو چین کے ساتھ دوستی کی سزا دینا چاہتا ہے۔

امریکہ کا خیال تھا کہ وہ پاکستان کے مقابلے میں بھارت کی امداد کرے گا تو ذوالفقار علی بھٹو امریکہ کے قدموں میں گر کر گڑگڑائے گا لیکن بھٹو جس آزاد خارجہ پالیسی کی بنیاد رکھ چکے تھے اس سے پیچھے ہٹنا وہ قومی خودکشی خیال کرتے تھے۔ بھٹو نے بیک وقت چین روس اور امریکہ کے ساتھ پرخلوص دوستانہ مراسم پیدا کر کے اور ایشیائی عوام کے طرز فکر میں ایک انقلابی تبدیلی پیدا کر کے اپنی خداداد قابلیت اور خارجہ امور کے نظم ونسق میں اعلیٰ مہارت کا ثبوت دیا۔ یہ بھٹو کی خارجہ پالیسی کا ثمر تھا کہ 65ء کی جنگ کے دوران چین، ایران، انڈونیشیا، ملائشیا، ترکی، سعودی عرب، عراق، مصر، البانیہ، اردن، افغانستان، شام، لبنان، سوڈان، یمن، تیونس، الجزائر، لیبیا اور کویت کی حکومتوں نے پاکستان کی امداد کا اعلان کیا۔

امریکہ نے جون 1963ء میں ایوب خان پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا کہ بھٹو کی جگہ کسی اور کو وزارت خارجہ کا قلمدان عطا کر دیں۔ لیکن بھٹو ایوب خان کے مشورے سے اور ملک کے وسیع تر مفاد میں خارجہ پالیسی میں تبدیلیاں لا رہے تھے، اس لئے ایوب خان نے امریکہ کا مشورہ ماننے سے انکار کر دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسٹر بھٹو نے خارجہ پالیسی کے خدوخال تشکیل دینے سے پہلے ایوب خان سے طویل بحثیں کی تھیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پہلے مرحلے میں امریکہ نے پاکستان کے لئے منظور کیا جانے والا 400 ملین ڈالر کا قرضہ معطل کر دیا۔ پھر امریکی محکمہ خارجہ نے بھارت کو دفاعی لحاظ سے مضبوط کرنا شروع کر دیا۔ اسی دوران امریکی سی آئی اے نے بھی پاکستان میں اپنا کردار ادا کرنا شروع کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ اپوزیشن جماعتیں جو ایوب حکومت کے سامنے بے بس ہو چکی تھیں، متحد ہو کر میدان میں نکل آئیں۔

اکتوبر 1963ء میں بھٹو نے بطور وزیر خارجہ امریکی صدر جان ایف کینیڈی سے ملاقات کی۔ 27 مئی 1963ء کو جب پنڈت جواہر لعل نہرو فوت ہوئے تو ایوب خان نے ذوالفقار علی بھٹو کو اپنے نمائندے کے طور پر بھارت بھیجا۔ بھٹو کی اندرا گاندھی سے پہلی ملاقات نہرو

Marfat.com

کی وفات پر ہوئی تھی۔ 30 مئی کو بھٹو نے اندرا گاندھی کے ساتھ دو گھنٹے تک بین الاقوامی سیاست کے موضوع پر تبادلہ خیال کیا۔

1962ء میں جب بھارت نے اپنے عظیم ہمسائے چین کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی اور پھر اپنی ذلت آمیز شکست کے بعد امریکہ سے دھڑا دھڑ اسلحہ لینا شروع کر دیا۔ یہ صورت حال پاکستان کے لئے انتہائی تشویشناک تھی، کیوں کہ امریکہ دم تو پاکستان کے ساتھ دوستی کا بھرتا تھا لیکن اسلحہ بھارت کو دے رہا تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو اپنی حکمت عملی سے پاکستان کے مغربی دوستوں پر بھارت کے مکروہ عزائم کی حقیقت واضح کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے کہا سینٹو اور سیٹو کا رکن تو پاکستان ہے اور مسلح بھارت کو کیا جا رہا ہے۔ بھٹو نے یہ بھی کہا کہ جب تک کشمیر کا مسئلہ حل نہیں ہوتا برصغیر میں امن کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ اس کا خاطر نتیجہ برآمد ہوا اور پنڈت نہرو مسئلہ کشمیر پر بات چیت کے لئے آمادہ ہو گیا۔

جون 1964ء میں ایک امریکی افسر نے دھمکی دی کہ اگر پاکستان نے ایک خاص طرز عمل اختیار کیا تو اس کی سرزنش کی جائے گی جس کا جواب دیتے ہوئے مسٹر بھٹو نے کہا کہ:

> ”ہمیں دھمکیوں سے مرعوب کرنا آسان نہیں اور اگر ایسا ممکن ہوتا تو پاکستان بہت پہلے سے زیر ہو چکا ہوتا۔ دھمکیوں کے سامنے ہتھیار ڈالنا ہماری عزت نفس اور قومی و تاریخی روایات کے منافی ہے۔ پاکستان کے اہم مفاد کے لئے جو چیز بھی ضروری ہو گی حکومت پاکستان اس کے لئے مسلسل کوشاں رہے گی۔ ہم پوری قوت کے ساتھ اپنی پالیسی پر گامزن رہیں گے اور حقیر مصلحتوں کی خاطر اپنے قومی مفادات کو قربان نہیں کریں گے۔“

انڈونیشیا کے صدر سوئیکارنو نے تجویز پیش کی کہ افریقی ایشیائی ممالک کی ایک کانفرنس منعقد کی جانی چاہئے تو مسٹر بھٹو نے اس تجویز کو منظور کر لیا۔ 1964ء میں ہونے والی اس وزارتی کانفرنس میں پاکستانی وفد کی قیادت مسٹر بھٹو نے کی۔ اس کانفرنس نے الجزائر میں ہونے والی کانفرنس کی تیاریوں کا جائزہ لیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب پاکستان اپنی خارجہ پالیسی کے حوالے سے انڈونیشیا اور چین کے

Marfat.com

اس قدر قریب آ چکا تھا پاکستان کے چین اور انڈونیشیا کے ساتھ تعلقات ہر ملکی اور غیر ملکی فورم پر زیر بحث آتے۔

ستمبر 1965ء میں جب بھارت نے پاکستان پر حملہ کیا تو بھٹو کی ذمہ داریوں کے ٹھوس نتائج برآمد ہوئے اور تمام مسلمان ممالک نے پاکستان کی امداد کی بلکہ صدر سوئیکارنو نے اپنا بحری بیڑہ پاکستان کے حوالے کر دیا۔ چین نے تو بھارت کو الٹی میٹم دے دیا کہ فوراً جنگ بند کر دے۔ ایک طرف پاکستانی افواج دشمن کے سامنے سینہ سپر تھیں اور دوسری طرف بھٹو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں اپنی تقریر سے دنیا کو اپنا ہمنوا بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کا ایک ایک لفظ زندگی، حرارت اور سچائی سے بھرپور تھا۔ بی بی سی کے نمائندے نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

''اس سے قبل اقوام متحدہ میں اتنی مدلل اور شاندار تقریر نہیں سنی گئی۔''

6 ستمبر 1965ء کو بھارت نے بین الاقوامی سرحد کو عبور کرتے ہوئے مغربی پاکستان پر حملہ کر دیا۔ مسٹر بھٹو کی ڈپلومیٹک پالیسی کا نتیجہ یہ نکلا کہ جنگ کے دوران بھارت سفارتی تنہائی کا شکار ہو گیا اور پاکستان بین الاقوامی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب رہا۔

پاک بھارت جنگ پر غور کرنے کے لئے سلامتی کونسل کا اجلاس ہو رہا تھا جہاں پر پاکستان کی نمائندگی وزیر قانون ایس ایم ظفر کو کرنا تھی لیکن وہ ابھی نا تجربہ کار تھے اس لئے ان کی بجائے مسٹر بھٹو کو بھیجا گیا۔ 22 ستمبر 1965ء کو مسٹر بھٹو سلامتی کونسل ہال میں پہنچے اور تقریر شروع کی۔ مسٹر بھٹو کی یہ تقریر دنیا کے قابل اور معزز ترین سفارتکاروں اور سیاسی مبصرین کے خیال میں خوبصورت نپے تلے الفاظ اور وطن کی محبت میں سرشار شخصیت کے دل سے نکلی ہوئی تقریر تھی جس میں عوام کی امنگوں اور خواہشات کی ترجمانی کی گئی تھی۔

تاشقند میں ہونے والے معاہدے پر جناب بھٹو نے اپنے تحفظات کا اظہار کیا 10 جنوری 1966ء کو معاہدہ تاشقند پر دستخط ہوئے جس پر جناب بھٹو نے اپنے تحفظات کا اظہار کیا۔ انہوں نے بعض ان شقوں کو اعلان سے نکال دینے کا مطالبہ کیا جو پاکستان کے لئے زیادہ نقصان دہ ثابت ہو سکتی تھیں۔ لیکن چونکہ وہ ایوب خان کے وزیر خارجہ تھے اس لئے ان کا دباؤ بہت محدود ہی رہا۔

Marfat.com

ایوب خان جو جنگ بندی سے پہلے عوامی ہیرو بن چکے تھے معاہدہ تاشقند کے بعد اہمیت کھوتے جا رہے تھے۔ بھارتی اعلان تاشقند پر خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے کیوں کہ ان کا مطالبہ ہی یہ تھا کہ کشمیر کی پہلی کی سی حیثیت قائم رہے اور جنگ کا خطرہ ٹل جائے۔ پاکستانی عوام کے ذہنوں پر چھائے ہوئے نفرت کے اٹھارہ سال جو جنگ کے شعلوں کے لئے مددگار ثابت ہوئے تھے اعلان تاشقند نے ان کی نفرت کا رخ حکومت کی طرف موڑ دیا جس کے بعد جناب بھٹو نے وزارت خارجہ سے استعفیٰ دے دیا۔

مسٹر بھٹو کی مقبولیت سے حکومت خائف رہنے لگی تھی چنانچہ ایوب خان کے اصرار پر اگست 1966ء میں مسٹر بھٹو یورپ چلے گئے۔ مسٹر بھٹو نے ہر جگہ صرف پاکستان کی خارجہ پالیسی کے حوالے سے گفتگو کی اور بھارت کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا اور کہا کہ ہماری قوم اس جارحیت پسند حملہ آور کے خلاف ایک چٹان بن کر ڈٹ گئی تھی۔

اپنی تقریروں میں مسٹر بھٹو نے اس بات پر بھی زور دیا کہ دنیا کے امور میں چین کے لازمی تعلق اور کردار کی ضرورت کو تسلیم کیا جائے اور اقوام متحدہ جیسے عالمی فوروموں میں اس کی شمولیت کو بھی لازمی قرار دیا جائے۔ اکتوبر 1966ء میں پاکستان واپس آنے کے بعد مسٹر بھٹو مستقبل کی منصوبہ بندی کرتے رہے۔

☆☆☆

Marfat.com

پاکستان پیپلز پارٹی کا کنونشن

ایوب حکومت مستعفی ہونے کے بعد مسٹر بھٹو کے لئے ایک وسیع سیاسی میدان موجود تھا تاہم انہیں اپنے مستقبل کے لئے کسی راستے کی تلاش تھی اور ایک ایسے پلیٹ فارم کی ضرورت تھی جہاں سے وہ اپنی سیاسی جدوجہد کا آغاز کرسکیں۔ انہوں نے بین الملکی اور علاقائی سیاسی پارٹیوں کے قائدین سے ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ عوام کی طرف سے ملنے والی پذیرائی میں بھی روز بروز اضافہ ہو رہا تھا چنانچہ انہوں نے اپنے نظریات کی ترویج کے لئے عوامی جلسوں سے خطاب کرنا شروع کر دیا۔ عوامی سطح پر ان کی مقبولیت میں اضافہ ایوب حکومت کے لئے پریشانی کا باعث بنتا جا رہا تھا۔

جون 1967ء میں مسٹر بھٹو نے مختلف علاقوں کے دورے کر کے ایک ٹھوس سیاسی منشور کے نکات اپنی تقریروں میں بیان کئے۔ ایوب حکومت کے دوران مسٹر بھٹو کا کردار ایک قوم پرست اور سامراج دشمن رہنما کا تھا۔

انہوں نے کشمیر کے بارے میں دوٹوک رویہ اختیار کیا اور کہا کہ کشمیر کے مسئلے پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہوسکتا اور نہ ہی یہ مسئلہ محاذ آرائی کے بغیر حل ہوسکتا ہے۔ مسٹر بھٹو نے 1950ء کی دہائی میں ہونے والے فوجی معاہدوں سیٹو اور سینٹو پر بھی تنقید کی۔ انہوں نے ویت نام میں امریکی کردار کو بھی شدید تنقید کا نشانہ بنایا اور پاک چین دوستی کی تعریف کی جبکہ ایوب خان چین کے ساتھ تعلقات کے سلسلے میں تذبذب کا شکار تھے۔ مسٹر بھٹو کی طرف بڑھتے ہوئے جم غفیر سے یہ بات ثابت ہوتی تھی کہ مسٹر بھٹو عوام کے جذبات کی ترجمانی کر رہے ہیں۔

بھٹو نے عوام کی مکمل حمایت حاصل کرنے کے لئے دیہات کے دورے کئے، دور دراز

Marfat.com

قصبوں اور بستیوں کی خاک چھانی اور اپنی جادو اثر تقریروں سے عوام کو اپنا گرویدہ بنالیا۔

اب مسٹر بھٹو اس بات کی ضرورت محسوس کرنے لگے تھے کہ مستقبل کے لئے ایک واضح پروگرام ہو، ایک منشور کے تحت کارکنوں کو سامنے لایا جائے۔ یہ تب ہی ممکن تھا جب تک ایک سیاسی پارٹی کا قیام عمل میں لایا جائے۔ لہٰذا انہوں نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے ان سے مشورہ کیا تو ساتھیوں نے بھی انہیں مختلف قسم کے مشوروں سے نوازا ان میں غلام مصطفیٰ کھر، حنیف رامے، شیخ رشید احمد، ڈاکٹر مبشر حسن، ملک معراج خالد اور عبدالحفیظ پیرزادہ جیسے مدبر سیاستدان موجود تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے پہلی مرتبہ 6 ستمبر 1967ء کو حیدر آباد میں ایک پریس کانفرنس کے دوران ایک نئی سیاسی جماعت کی داغ بیل ڈالنے کا عندیہ دیا اور واضح کیا کہ یہ پارٹی ترقی پسند خیالات کی حامل ہوگی، انقلابی، اصلاحات پسند، جمہوری اور سوشلسٹ بھی۔

اس کے بعد اگست 1967ء میں قائد عوام نے ایک اجلاس بلانے کا فیصلہ کیا یہ اجلاس راج گڑھ میں ملک اسلم حیات کے گھر منعقد ہوا جس میں ذکی الدین پال ایڈووکیٹ، میاں محمود علی قصوری، فاروق بیدار بخت اور ملک حامد سرفراز نے شرکت کی۔ اس اجلاس میں بعض ساتھیوں نے قائد عوام کو شیخ مجیب الرحمان کی عوامی لیگ اور بعض نے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ خورشید محمود قصوری کے والد میاں محمود علی قصوری نے انہیں عوامی نیشنل پارٹی (ولی خان گروپ) کی قیادت سنبھالنے کی بھی پیش کش کی پہلی تجاویز قائد عوام اور رسول بخش تالپور نے تسلیم نہیں کیں اور تیسری پیش کش بھی قائد عوام کو منظور نہیں تھی چنانچہ یہ اجلاس بغیر کوئی فیصلہ کئے ختم کر دیا گیا۔ بعد ازاں پیپلز پارٹی کا افتتاحی کنونشن 30 نومبر 1967ء کو لاہور میں ڈاکٹر مبشر حسن کی کوٹھی کے عقبی باغیچے میں ہوا جہاں پارٹی کا نام ''پاکستان پیپلز پارٹی'' منتخب کیا گیا۔

اس کنونشن میں سٹیج سیکرٹری ملک حامد سرفراز تھے اور خطبہ استقبالیہ ملک اسلم حیات ایڈووکیٹ نے پڑھا۔ کنونشن کے دوسرے روز پارٹی کے لئے پرچم کا ڈیزائن طے ہوا۔ اس موقع پر جے اے رحیم نے پارٹی کے جھنڈے کے رنگ اور تفصیل کے ساتھ ان کی اہمیت بیان کی جس کی خورشید حسن میر نے تائید کی۔ پارٹی کنونشن سے جے اے رحیم، خورشید حسن میر، شیخ محمد رشید، بیگم آباد احمد خان، ڈاکٹر مبشر حسن، حق نواز گنڈاپور اور حیات محمد خان شیر پاؤ نے خطاب کیا۔ یہاں

Marfat.com

قارئین کی دلچسپی کے لئے بیان کرتے چلیں کہ:

اس وقت ملک غلام مصطفیٰ کھر اور ممتاز بھٹو قومی اسمبلی کے رکن تھے اس لئے یہ دونوں رہنما کنونشن میں تو شریک تھے لیکن کسی قسم کی سرگرمی میں ملوث نہیں ہوئے اس کی وجہ یہ تھی کہ جب صدر ایوب خان نے بنیادی جمہوریت کے نظام کے تحت انتخابات کرائے تو اس میں یہ شق بھی شامل تھی کہ بنیادی جمہوریت کے اراکین کے ووٹ صرف وہی شخص حاصل کر سکے گا جس کا نام رکن اسمبلی تجویز کرے گا اور ایک دوسرا رکن قومی اسمبلی اس کی تائید کرے گا اور شرط یہ ہے کہ ان دونوں کا تعلق کسی سیاسی پارٹی سے نہیں ہوگا۔

چنانچہ نواب زادہ نصر اللہ خان کے کہنے پر (نوابزادہ غلام مصطفیٰ کھر سے ہارے ہوئے تھے) کنونشن میں قائدعوام نے فیصلہ کیا کہ وہ ہر قیمت پر ایوب خان کے خلاف انتخاب لڑیں گے جس پر ملک حامد سرفراز، فاروق بیدار بخت اور آفتاب ربانی وغیرہ تمام لوگ ناراض ہو گئے کیوں کہ ان لوگوں کے نزدیک الیکشن نہیں لڑنا چاہئے تھا چنانچہ جناب بھٹو نے پارٹی پر قبضہ برقرار رکھنے کے لئے ایوب حکومت کو تسلیم کر لیا۔ لہٰذا نواب زادہ نصر اللہ خان نے لاہور میں بیان دیا کہ ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ صرف کالجوں کے طالب علم اور بچے ہیں اور یہ سیاست کی الف بے بھی نہیں جانتے۔

بعدازاں 1968ء کے اوائل میں قائدعوام نے جب یہ بیان دیا کہ ''حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے سوشلسٹ تھے۔'' تو اس پر مولانا کوثر نیازی نے سیخ پا ہو کر ایک رسالہ نکالا اور ملک بھر کی متعدد مساجد میں بھٹو صاحب کے خلاف تقاریر کیں اور اپنے رسالے میں تحریر کیا کہ بھٹو کافر اور دہریہ ہے۔ اس کے بعد قائدعوام کے خلاف ملک بھر میں جمعۃ المبارک کے روز یوم سیاہ منایا گیا۔

مولانا کوثر نیازی کی مخالفت کی وجہ سے ملک کے تمام سوشلسٹ ایک

Marfat.com

پلیٹ فارم پر اکٹھے ہو گئے جن میں نمایاں طور پر عارف افتخار کے چھوٹے بھائی میاں سہیل افتخار، صفدر میر، عبداللہ ملک اور شورش کاشمیری نے کھلم کھلا بھٹو صاحب کی حمایت کا اعلان کر دیا اور مولانا کوثر نیازی کے مضمون ''بھٹو کافر ہے'' کا باقاعدہ جواب دیا جس کے باعث بائیں بازو کے دانشور اور صحافی بھی بھٹو کا ساتھ دینے کے لئے میدان میں نکل آئے۔

(میری آواز، طارق وحید بٹ)

پارٹی کے چار بنیادی اصول متعین کئے گئے جو اس طرح تھے:

(۱) اسلام ہمارا دین ہے۔

(۲) جمہوریت ہماری سیاست ہے۔

(۳) سوشلزم ہمارا معاشی نظریہ ہے۔

(۴) طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں۔

جیسے ہی پاکستان پیپلز پارٹی کے قیام اور منشور کا اعلان کیا گیا تو ملک بھر سے متوسط اور نچلے درجے کے لوگ جوق در جوق پارٹی میں شمولیت اختیار کرنے لگے۔ اس طرح پاکستان پیپلز پارٹی ملک کے کونے کونے میں پھیل گئی۔ بھٹو صاحب کی تقاریر اور اخباری بیانات میں انقلابی پروگرام کے بارے میں جان کر پوری قوم میں جوش و خروش پیدا ہو گیا اور لوگ بھٹو ساڈا آوے ای آوے کے ساتھ بھٹو بھاشانی بھائی بھائی کے نعرے لگانے لگے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایوب حکومت کی عمارت جو بی ڈی ممبران کی بنیاد پر کھڑی تھی اس میں بھی دراڑیں پڑنا شروع ہو گئیں جس کے بعد مولانا بھاشانی نے بھٹو کے ساتھ عدم تعاون اور بھٹو بھاشانی بھائی بھائی کے نعروں سے لاتعلقی کا اعلان کر دیا۔ دراصل انہوں نے ایسا کسی مقتدر قوت کے دباؤ میں آ کر کیا تھا تاہم بعد میں ایک مرتبہ پھر مفاہمت ہو گئی۔

نومبر 1968ء کو راولپنڈی میں بھٹو کے حامیوں اور پولیس کے درمیان تصادم میں ایک طالب علم ہلاک ہو گیا۔ طلباء نے اپنے ساتھی کی ہلاکت پر شدید ردعمل کا اظہار کیا حتیٰ کہ انتظامیہ کو کرفیو لگانا پڑا۔ اس کے بعد 13 نومبر کو ''دفاع پاکستان قانون'' کے تحت مسٹر بھٹو اور

Marfat.com

بعض دوسرے رہنماؤں کو گرفتار کرلیا گیا۔ 7 جنوری 1969ء کو پیپلز پارٹی کے قائم مقام چیئرمین جے اے رحیم نے انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کرتے ہوئے مسٹر بھٹو کو صدارتی امیدوار نامزد کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ میدان خالی چھوڑ دینا سیاسی حکمت عملی کی ناکارہ پالیسی ہے۔ ہم حکومت کے خلاف ہر میدان میں اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے۔

15 فروری 1969ء کو دفاع پاکستان رولز کے تحت گرفتار بھٹو، ولی خان، اجمل خٹک اور دیگر ساتھیوں کو رہا کرنے کے ساتھ ہنگامی حالت کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔ مسٹر بھٹو کی رہائی کا اعلان ہوتے ہی ہزاروں مداح المرتضیٰ پہنچ گئے اور جب پونے سات بجے المرتضیٰ کا آہنی دروازہ کھلا تو فضا ''جیوے جیوے بھٹو جیوے'' کے نعروں سے گونج اٹھی۔

ملک بھر میں ہڑتالوں، جلاؤ گھیراؤ کا بازار گرم تھا خانہ جنگی کی سی صورت حال تھی اور نظام حکومت سول حکومت کے بجائے عملاً فوج کے ہاتھ میں تھا۔ ایوب خان کا ہر وزیر مشیر فوجی حکومت کا حامی بن چکا تھا بعض وزراء باقاعدہ طور پر یحییٰ خان کے مخبر اور ایجنٹ کا کردار ادا کر رہے تھے۔ یحییٰ خان نے ایوب خان کے دس سالہ دور حکومت کے خاتمے کا اعلان عوام کو سنایا اور بتایا کہ ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

انتخابات، سقوط ڈھاکہ اور بھٹو حکومت

7 دسمبر 1970ء کو پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار عام انتخابات منعقد ہوئے، انتخابی نتائج تمام سیاسی پارٹیوں اور خود صدر کے لئے بھی حیران کن تھے۔ عوامی لیگ نے مشرقی پاکستان سے 162 میں سے 160 نشستیں حاصل کیں، پاکستان پیپلز پارٹی نے مغربی پاکستان میں 138 میں سے 81 نشستیں حاصل کیں۔ 1971ء میں حالات نے ایسا پلٹا کھایا اور پاکستان کی سیاسی صورت حال اس تیزی کے ساتھ تبدیل ہونے لگی کہ بھارت کو اس نازک صورتحال سے فائدہ اٹھانے کا موقع مل گیا اور اس نے مشرقی پاکستان پر حملہ کر دیا۔

پاکستانی قیادت کی ناقص حکمت عملی کے نتیجے میں پاکستان کا مشرقی بازو پاکستان سے الگ ہو کر بنگلہ دیش بن گیا اور پاکستان کی نوے ہزار فوج جنگی قیدی بنا لی گئی۔ بھٹو شہید اپنی ایک کتاب میں لکھتے ہیں:

''ہم نے مجیب الرحمن کو واضح طور پر بتا دیا کہ ہم نہ صرف خوش ہوں گے بلکہ عزت محسوس کریں گے اگر ہم حزب اختلاف کی بینچوں پر بیٹھیں لیکن ایسا ہم صرف وفاقی ڈھانچہ ہی میں کریں گے۔ لیکن اگر ڈھانچہ کنفیڈریشن کا ہوا تو کنفیڈریشن کے دونوں بازوؤں کو حکومت میں شرکت کرنا ہوگی۔ یہ ایک سادہ سی ناقابل تنقید تجویز تھی۔ اگر مجیب الرحمن اپنے چھ نکات کے ساتھ اس حد تک سمجھوتہ کرنے کو تیار ہوتا کہ حکومت کا ڈھانچہ وفاقی نوعیت کا ہو تو وہ بڑی خوشی سے وفاقی حکومت کی تشکیل کر سکتا تھا۔

اگر وہ اپنے موقف سے ایک انچ ہٹنے کو تیار نہ ہو اور اس نے کنفیڈریشن کا تہیہ کر رکھا ہو تو وہ ملک کے دوسرے بازو کی اکثریتی پارٹی کو

Marfat.com

مسترد کر کے کنفیڈریشن پر حکومت نہیں کر سکتا تھا۔ شیخ مجیب الرحمن اپنے نکات سے ایک انچ بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں تھا اس نے سب کچھ لینے یا بالکل چھوڑ دینے کا رویہ اختیار کیا تھا۔ اس طرح حقیقی تعطل پیدا ہو گیا۔

جنرل یحییٰ خان نے خیال کیا کہ یہ تعطل انہیں عمر بھر برسر اقتدار رہنے کا موقع فراہم کرتا ہے انہوں نے اس تعطل کو ختم کرنے کے لئے فوجی کارروائی کرنے کا فیصلہ کیا ان کی فوجی کارروائی نے جس کو کسی معقول سیاسی طریقہ کے مطابق حق بجانب قرار نہیں دیا جا سکتا تھا بھارت کو مشرقی پاکستان میں فوجی اقدام کرنے کا بہانہ فراہم کر دیا۔ 16 دسمبر 1971ء کو ڈھاکہ بھارتی فوج کے قبضہ میں آ گیا اور مغربی پاکستان کے 90 ہزار جنگی قیدی بھارت کی تحویل میں آ گئے۔"

(میری سب سے پیاری بیٹی "ذوالفقار علی بھٹو" کلاسیک لاہور)

مخالفین پاکستان کو دولخت کرنے کا الزام جناب ذوالفقار علی بھٹو پر لگاتے ہیں در حقیقت جو قوتیں پاکستان کے دولخت ہونے کی ذمہ دار تھیں انہوں نے ہی پاکستان توڑنے کا الزام جناب بھٹو پر لگایا۔ 1966ء میں جب شیخ مجیب الرحمن نے چھ نکات پیش کئے تو ذوالفقار علی بھٹو نے فوراً بیان دیا کہ اس مسئلے کو بات چیت کے ذریعے حل کر لیا جائے ورنہ پاکستان کی سلامتی کو خطرات لاحق ہو جائیں گے لیکن ایوب خان نے چھ نکات کو بالکل اہمیت نہ دی۔ ایوب خان کی کابینہ کے سابق چیف جسٹس محمد منیر بھی شامل تھے انہوں نے اپنی کتاب "فرام جناح ٹو ضیاء" میں لکھا ہے کہ وہ ایوب خان کی اجازت سے بنگالی لیڈروں کے ساتھ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان علیحدگی یا کنفیڈریشن قائم کرنے کے لئے مذاکرات کرتے رہے۔ جسٹس منیر کی کتاب پر اسی وجہ سے جنرل ضیاء الحق کے دور میں پابندی لگا دی گئی تھی۔

متحدہ پاکستان کے خلاف ہونے والی سازشوں کو جناب بھٹو نے 1967ء میں ہی بے نقاب کر دیا تھا انہوں نے "متھ آف انڈی پینڈنس" کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں بتایا کہ ہندوستان نے مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے علیحدہ کرنے کی سازش تیار کر لی ہے اور اس مقصد کے تحت مشرقی پاکستان میں گڑبڑ پھیلائی جائے گی۔ بھٹو صاحب نے یہ بھی واضح طور پر لکھا

Marfat.com

کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد مغربی پاکستان میں علیحدگی کی تحریکیں جنم لیں گی۔

1967ء میں ہی اگرتلہ سازش کیس بھی سامنے آیا جس میں شیخ مجیب الرحمن کو گرفتار کیا گیا۔ 1969ء میں شیخ مجیب الرحمن کو غیر مشروط طور پر رہا کر دیا گیا انہی دنوں حکومت نے نواب زادہ نصر اللہ اور دیگر سیاسی رہنماؤں کے ساتھ ایک گول میز کانفرنس کا اہتمام کیا۔ بھٹو صاحب کا موقف تھا کہ وہ شیخ مجیب الرحمن کے ساتھ اس صورت میں بیٹھیں گے اگر وہ چھ نکات میں لچک پیدا کریں کیوں کہ چھ نکات پاکستان سے علیحدگی کے مترادف ہیں لیکن شیخ مجیب الرحمن نے کوئی لچک پیدا نہ کی لہٰذا بھٹو صاحب اور مولانا بھاشانی نے کانفرنس کا بائیکاٹ کیا۔ شیخ مجیب الرحمن کانفرنس میں شریک ہوئے اور جس کا مطلب تھا کہ حکومت نے چھ نکات تسلیم کر لئے تھے۔

حکومت نے پہلے خود ہی شیخ مجیب الرحمن کو اگرتلہ سازش میں گرفتار کیا اور غداری کا الزام لگایا اور پھر اس پر قائم مقدمے کی سماعت کئے بغیر ہی اسے رہا کر دیا۔ ظاہر ہے شیخ مجیب الرحمن ہیرو بن گیا اور یہی وجہ تھی کہ اس نے 1970ء کے انتخابات میں مشرقی پاکستان سے اکثریت حاصل کر لی اور جب قومی اسمبلی کے اجلاس کی تاریخ کا اعلان کیا گیا تو عوامی لیگ نے چھ نکات کی بنیاد پر آئین کا مسودہ بھی تیار کر لیا تھا۔

بھٹو صاحب جانتے تھے کہ عوامی لیگ اپنی اکثریت کے بل پر قومی اسمبلی میں ایک ایسا آئین منظور کروا لے گی جس کے بعد پاکستان دولخت ہو جائے گا۔ لہٰذا انہوں نے اسمبلی کا اجلاس ملتوی کرنے کا مطالبہ کیا اور مجیب الرحمن کے ساتھ مذاکرات کا آغاز کیا تاکہ پاکستان کو ٹوٹنے سے بچایا جائے۔ اگر بھٹو صاحب اسمبلی میں چلے جاتے تو مخالفین کہتے کہ اسمبلی میں کیوں گئے۔ جہاں تک ''ادھر تم ادھر ہم'' کے نعرے کا تعلق ہے یہ لاہور کے روزنامہ'' آزاد'' کی سرخی تھی جو بھٹو صاحب کی تقریر کے سیاق وسباق سے مختلف تھی۔ اسی سرخی کے نیچے ایک اور سرخی میں یہ بھی شامل تھا کہ پاکستان متحد رہے گا۔ یہ وہ اخبار ہے جسے شیخ مجیب اور ولی خان کے پیسے سے چلایا جاتا تھا۔ بھٹو صاحب نے اس سرخی کی تردید بھی کر دی تھی۔

ذوالفقار علی بھٹو نے اقتدار سنبھالنے کے بعد بے شمار اصلاحات نافذ کیں جن سے ملک کی زراعت، صنعت، تجارت، مالیات اور نظم ونسق کے شعبہ جات کو از سرِ نو زندہ و متحرک کیا۔

Marfat.com

ان تمام اقدامات کا نتیجہ یہ نکلا کہ سماجی زندگی کے ہر شعبے پر خوشگوار اثرات مرتب ہوئے اور ایک عظیم صدمے سے دوچار ہونے والی قوم میں پھر سے زندگی کی رمق پیدا ہو گئی۔

صدر ذوالفقار علی بھٹو نے عوام کی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے ملک کے سماجی و اقتصادی ڈھانچہ میں انقلابی تبدیلیاں لانے کا جو وعدہ کر رکھا تھا وہ انہوں نے 2 جنوری 1972ء کو بنیادی نوعیت کی صنعتوں اور بڑے بڑے کارخانوں کو قومی ملکیت میں لے کر پورا کر دیا۔ مسٹر بھٹو نے 28 جون 1972ء کو پاکستان اور بھارت کے متنازعہ مسائل کا پرامن حل تلاش کرنے کے لئے شملہ میں مسٹر بھٹو نے مسز اندرا گاندھی سے شملہ میں ملاقات کی۔ اس وقت سب سے اہم مسئلہ پاکستانی جنگی قیدیوں کا تھا۔ صدر بھٹو نے شملہ کانفرنس میں بنیادی اصولوں پر سودے بازی نہیں کی اور نہ ہی بنگلہ دیش اور کشمیر کے بارے میں پاکستان کے موقف میں تبدیلی کی۔ یہ جناب بھٹو کے تدبر ہی کا نتیجہ تھا کہ 28 اگست 1973ء کو نئی دہلی میں طے پانے والے ایک معاہدے کے تحت پاکستانی جنگی قیدیوں کی واپسی شروع ہو گئی۔

Marfat.com

جناب بھٹو کے نمایاں کارنامے

1974ء کی اسلامی سربراہی کانفرنس جناب بھٹو کا ایک بڑا کارنامہ تھا جس میں دنیا کے 37 ممالک نے شرکت کی۔ یہ ایک عہد ساز تاریخی اجتماع تھا جس میں مسلم سربراہان مملکت نے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے مل کر کام کرنے کا عزم کیا۔

7 ستمبر 1974ء کا تاریخی دن اس حیثیت سے یادگار رہے گا کہ پاکستان کے مسلمانوں نے عظمت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔

فرانس جو امریکہ کا اتحادی ملک تھا اس سے ایٹمی ری پراسیسنگ پلانٹ کا معاہدہ بھی بھٹو کی ڈپلومیسی کا اہم ترین کارنامہ ہے۔ 20 فروری 1976ء کو بھٹو نے فرانس کے ساتھ ایٹمی ری پراسیسنگ پلانٹ کا معاہدہ کیا۔

جناب بھٹو لکھتے ہیں:

''میں نے تمام محاذوں پر بڑی سرگرمی کے ساتھ پیش رفت کی جن اولین کاموں پر میں نے توجہ مبذول کی ان میں آئین سازی کا کام شامل تھا تاکہ آئین صوبائی خودمختاری کے پریشان کن سوال پر جمہوری اتفاق رائے سے منظور ہو جائے، میں نے اقتصادیات کو مجتمع کیا، میں نے اہم سماجی اور اقتصادی اصلاحات کیں، میں نے بنگلہ دیش کے مسئلہ کو بنگلہ دیش کو تسلیم کر کے حل کیا، میں نے بھارت کے ساتھ شملہ معاہدہ کیا جس میں کوئی خفیہ شق نہیں تھی اور سندھ اور پنجاب کا 5 ہزار مربع میل سے زائد علاقہ پاکستان کے لئے واپس لیا، میں نے نوے ہزار جنگی قیدی عزت کے ساتھ لئے اور ایسا بغیر جنگی مقدمات کے ہوا جن کے چلائے جانے کا خطرہ تھا، میں نے

Marfat.com

لاہور میں اسلامی سربراہی کانفرنس منعقد کی ، میں نے امریکہ کی جانب سے اسلحہ کی سپلائی پر جو پابندی عائد تھی اسے ختم کرایا، میں نے مسلح افواج کو جدید بنایا، میں نے ملک کو دوبارہ راستہ پر ڈال دیا ملک کی بحالی حیرت انگیز تھی، مجھے سب سے بڑا اطمینان اس بات سے حاصل ہوا کہ میں نے جمہوری طریقوں سے ملک کو کل پارٹی آئین دیا۔ 1973ء کا آئین وہ پہلا آئین تھا جس کو ایک جمہوری اسمبلی نے متفقہ طور پر منظور کیا تھا جو اسلام جمہوریت اور خودمختاری کی بنیاد پر ایک بنیادی ڈھانچہ فراہم کرتا ہے۔ یہ پاکستان کے چاروں صوبوں کے باشندوں کی آواز تھی جس کا اظہار ان کے منتخب لیڈروں نے ایک آئینی دستاویز میں کیا تھا۔ خودمختاری کا مسئلہ جو ایک نسل کے دور سے زیادہ عرصہ تک حل نہیں ہوا تھا اور جو برصغیر کی سیاست کے لئے زمانہ قدیم سے ایک لعنت سمجھا جاتا تھا آخر کار طے ہو گیا تھا اور عوام اور ان کے منتخب نمائندے مطمئن ہو گئے تھے۔ میں نے ایسی خوشی اور مسرت کی لہر محسوس کی جس سے آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔" (میری سب سے پیاری بیٹی)

وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کے دور حکومت میں دینی امور میں خدمات:

حج: عوامی حکومت نے اقتدار سنبھالا تو فریضہ حج کی ادائیگی سے متعلق تمام پابندیاں اٹھالیں۔

دستور میں اسلامی دفعات: جناب بھٹو کی عوامی حکومت نے 1973ء کے آئین میں دوسری بہت سی دفعات کے ساتھ اسلامی دفعات کو بھی نمایاں مقام دیا۔

جہیز کا قانون: 14 جون 1972ء کو پنجاب حکومت نے جہیز پر پابندی عائد کرنے کے سلسلے میں ایک مسودہ قانون کی منظوری دی۔

وزارت مذہبی امور کا قیام: 6 مارچ 1972ء کو وزارت مذہبی امور کی بنیاد رکھی گئی۔

مقامات مقدسہ کی زیارت سے پابندیوں کا خاتمہ: ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت نے 15 مئی 1972ء کو مقامات مقدسہ کی زیارت سے پابندیاں ختم کرنے کا اعلان کیا۔

شراب نوشی پر پابندی: 19 جون 1972ء کو پنجاب کے وزیر خزانہ محمد حنیف رامے نے

Marfat.com

اعلان کیا کہ شراب پر مکمل پابندی عائد کر دی جائے گی۔ 10 مئی 1977ء کو وزیراعظم بھٹو نے شراب خانوں، نائٹ کلبوں اور جوئے پر فوری طور پر پابندی عائد کرتے ہوئے اعلان کیا کہ آئندہ ملک میں نہ ہی شراب تیار ہو گی نہ فروخت کی جائے گی۔

مرکزی محکمہ اوقاف کا قیام: 16 اگست 1976ء کو اوقاف بل قومی اسمبلی میں پیش کیا گیا اور 18 اگست کو قومی اسمبلی نے اوقاف کو وفاقی حکومت کی تحویل میں دینے کا بل منظور کر لیا۔

زیارت کمیٹی کا قیام: کربلائے معلیٰ، نجف اشرف اور دیگر مقامات مقدسہ کی زیارت کے بارے میں سہولیات بہم پہنچانے کے لئے ایک زیارت کمیٹی قائم کی گئی تا کہ زائرین کو ذرائع آمد و رفت اور ویزا وغیرہ کے حصول کے بارے میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔

اسلام کی تبلیغ: 31 اگست 1976ء کو عوامی حکومت کے ایک سرکاری اعلان میں بتایا گیا کہ حکومت اب تک 38 لاکھ 65 ہزار روپے خرچ کر چکی ہے۔

قرآن پاک کی اغلاط سے پاک طباعت: قومی اسمبلی نے 3 جولائی 1973ء کو ''قرآن پاک کی اغلاط سے پاک اشاعت'' کے نام سے ایک قانون پاس کیا جس کی رو سے قرآن مجید کی طباعت میں کسی نہ کسی وجہ سے رہ جانے والی غلطیوں کا سدباب کر دیا گیا۔

Marfat.com

جناب بھٹو کا ایک تاریخی خطاب

پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں ملک کی خارجہ پالیسی پر ایک طویل بحث کے اختتام پر 21 دسمبر 1973ء کو وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو نے خطاب کیا جس میں انہوں نے ملک کی خارجہ پالیسی کے اہم پہلوؤں اور دوسرے ممالک کے ساتھ پاکستان کے تعلقات پر روشنی ڈالی اور اس بارے میں پاکستان کے نقطہ نظر کو واضح کیا۔ جناب بھٹو کی تاریخی تقریر نذر قارئین کی جارہی ہے۔

محترم قائد ایوان جیسا کہ ہم بحث سے کچھ نہ کچھ حاصل کرتے ہیں امور خارجہ کے شعبہ میں بھی ہم بحث سے کچھ حاصل کرنے کی امید کرتے ہیں۔ یہاں کئی ارکان نے کہا ہے کہ پاکستان کی قومی اسمبلی اور پارلیمنٹ ایسے ادارے ہیں جو ملک کی سب سے بڑی مقننہ کی تشکیل کرتے ہیں۔ اور عوام کے منتخب نمائندے یہاں قانون سازی اور ملک کو درپیش بنیادی مسائل پر بحث وتمحیص کی غرض سے اکٹھے ہوتے ہیں۔ عوام کے منتخب نمائندے عوام کے سامنے جواب دہ ہیں اور ان سے ایسا ہونے کی توقع کی جاتی ہے۔ میں یہ کہوں گا کہ خارجہ پالیسی پر بحث کا مقصد دراصل غلط فہمیوں کو دور کرنا اور پوری دنیا سے بہتر تعلقات کو فروغ دینا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس کا یہ بھی مقصد ہے کہ پاکستان اور دوسرے ممالک کے درمیان اختلافات کو بڑھنے سے روکا جائے۔ خارجہ پالیسی پر بحث کا یہ مطلب نہیں کہ ہم دشمن پیدا کرتے جائیں اور دوسرے ممالک سے تعلقات خراب کرتے رہیں۔ جیسا کہ میں نے کہا ہے ہمارا مقصد دوستی کو آگے بڑھانا، مفاہمت پیدا کرنا، معاملات کی وضاحت کرنا اور اختلافات و الجھنوں کو دور کرنا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو کوئی بھی ذمہ دار شخص خارجہ پالیسی پر بحث پسند نہ کرتا۔ میں یہ ریمارکس خصوصی طور پر موجودہ بحث کے سلسلے میں نہیں دے رہا۔ بدقسمتی سے گذشتہ پچیس سالوں سے خارجہ پالیسی سے متعلق ہماری بحثوں کا یہ خاصہ رجحان رہا ہے کہ کسی ایک بحث میں بھی ہم نے فی الحقیقت امر پر غور کرنے کی کوشش نہیں کی کہ اس طرز فکر سے

Marfat.com

پوری دنیا پاکستان کے تابع ہے، ملک کو کتنا نقصان پہنچ سکتا ہے۔ گویا ایک فیشن بن چکا ہے کہ زیادہ سے زیادہ بے اعتمادی اور عداوت پیدا کی جائے۔

میں دوبارہ یہ کہتا ہوں کہ میں خصوصی طور پر موجودہ بحث کا حوالہ نہیں دے رہا میں صرف ان بحثوں کا ہی تجربہ یہاں بیان نہیں کر رہا ہوں جن میں میں نے 1962ء سے قومی اسمبلی کے ایک رکن کی حیثیت سے باقاعدہ حصہ لیا بلکہ 1964ء سے قبل کے مباحث سے حاصل شدہ تجربات کا بھی تجزیہ پیش کر رہا ہوں۔ مجھے یہ امید ہے کہ ایک وقت آئے گا جب ہم حالات کی رفتار پر بڑی سنجیدہ مزاجی اور احساس ذمہ داری سے نگاہ ڈالنے کے قابل ہوں گے اور جب ہم اس قابل تعظیم ایوان کے مباحثوں میں ایک آزاد اور خوددار قوم کی خارجہ پالیسی کے ارتقاء کے لئے تعمیری خدمات انجام دینے کی غرض سے حصہ لیں گے۔

اپنی افتتاحی تقریر میں وزیر مملکت جناب عزیز احمد نے پاکستان کی خارجہ پالیسی کی بنیاد کا حوالہ دیا ہے ایسا کرنے میں وہ کوئی نئے اصول بیان نہیں کر رہے تھے لیکن اصولوں میں اصلاح و ترمیم کی گنجائش ضرور ہوتی ہے۔ خارجہ پالیسی کے اصولوں میں کچھ نئے نازک فرق وجود میں آ سکتے ہیں لیکن اس طرح کے اصول اتنے بنیادی ہیں کہ ان سے انحراف کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

پشاور سے میرا دوست کہتا ہے کہ وہ وزیر موصوف کے ان مشاہدات کو نصاب کی ابتدائی کتابوں میں پڑھ چکے ہیں ان کا مشاہدہ سراسر مستحسن ہے کیوں کہ نصابی کتابوں سے ہی آپ یہ بات سیکھتے ہیں کہ بنیادی اصول کا تصور کیا ہے۔ جناب عزیز احمد وزیر مملکت امور خارجہ نے جب یہ کہا کہ ہماری خارجہ پالیسی کی جڑیں پاکستان کی سلامتی کے تحفظ میں پیوست ہیں تو وہ دراصل بنیادی اصول کا ذکر کر رہے تھے اور خارجہ پالیسی کے بارے میں تمام حکومتوں کا یہی اصول ہے۔ خواہ وہ بڑی ہوں یا چھوٹی یا عظیم ہوں یا کم عظیم۔ بلاشبہ ملکی سلامتی تمام حکومتوں کا اولین مقصد ہوتا ہے۔ دنیا کی تمام قومیں بغیر کسی استثنیٰ کے علاقائی استحکام اور قومی اتحاد کے تحفظ کو اپنی پالیسی کا اعلیٰ و ارفع اصول تصور کرتی ہیں۔

جناب عزیز احمد نے کہا ہے کہ ہماری خارجہ پالیسی کی بدستور یہ کوشش ہے کہ دوسرے ممالک سے ہم اپنے تنازعات منصفانہ طور پر حل کریں، یہی پالیسی ہر ملک کی ہے۔ حکومت کی خود

Marfat.com

مختاری اور ملکی تعلقات کا یہ ایک عالمگیر مسلمہ اصول ہے کہ تمام ممالک کو اپنے اختلافات و تنازعات کو پرامن ذرائع سے حل کرنے کے لئے کوششیں کرنی چاہئیں۔ درحقیقت مہذب دنیا ان سے اس بات کی توقع رکھتی ہے یہ ایک ابتدائی پہلو ہے جو کسی صورت میں بھی اختراع یا جدت نہیں اور نہ ہی یہ خارجہ پالیسی کا کوئی نیا اصول ہے۔ یہ قدیم اصول ہے کیوں کہ یہ بدیہی اور سراسر واضع ہے۔ جناب عزیز احمد نے آخر کار یہ کہا ہے کہ ہماری مکمل کوشش یہ ہونی چاہئے کہ عوام کی بہبود کے لئے اقتصادی ترقی کا دور دورہ شروع کیا جائے۔ یہ بھی ایسی کوشش ہے جس پر نہ صرف غیر ترقی یافتہ ممالک ہی عمل پیرا ہیں بلکہ ترقی یافتہ ممالک کی بھی یہ مسلسل کوشش ہے کہ زیادہ سے زیادہ اقتصادی ترقی حاصل کی جائے۔

وزیر مملکت برائے امور خارجہ نے جن تین اصولوں کا ذکر کیا ہے ان پر ایوان کا کوئی رکن بھی اعتراض نہیں کرسکتا اور نہ ہی ایوان سے باہر کوئی ایسا شخص اس پر معترض ہوسکتا ہے جو امور خارجہ کی سوجھ بوجھ رکھتا ہے اور اس امر کو جانتا ہے کہ بین الاقوامی امن اور سلامتی کے لئے کیا چیز بہتر ہے۔ وزیر موصوف نے بڑی طاقتوں سے اپنے ہمسایہ ممالک اور تیسری دنیا بالخصوص مسلم ریاستوں سے ہمارے تعلقات کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے یورپ سے بھی تعلقات پر روشنی ڈالی ہے، اس بحث کے دوران کئی پالیسی معاملوں پر غور وخوض کیا گیا لیکن اس میں سب سے زیادہ توجہ جانبداری اور غیر جانبداری کے معاملہ، سینٹ میں ہماری پوزیشن اور اس ڈھانچہ میں آج دنیا کی مجموعی ہیئت ترکیبی پر دی گئی ہے، اس کے علاوہ کئی عام باتیں بھی کی گئی ہیں۔ کاش کہ میرے پاس اتنا وقت ہوتا کہ میں عام رائے پر بحث کرسکتا لیکن میں ایسا نہیں کرسکتا۔ پہلے تو بات یہ ہے کہ ایوان سے اپنے بے پناہ جذبہ احترام کی بنا پر عام بحث میں اٹھائے گئے ہر چھوٹے بڑے نکتے پر بحث کرنا میرے لئے ممکن نہیں ثانیاً آپ کا وقت قیمتی ہے اور مجھے آپ کا زیادہ وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے سوم کئی باتیں بار بار دہرائی گئی ہیں، چہارم بعض باتیں دوسرے ممالک سے تعلقات کو بہتر بنانے کے لئے نہیں کی گئیں بلکہ وہ نقصان پہنچانے کی سوچی سمجھی کوشش کی صورت میں بیان کی گئی ہیں۔ ہمارے مباحث کی یہ عجیب خصوصیت ہے مجھے ابھی تک اس قسم کی بحث کی کہیں مثال نہیں ملتی۔ دوسرے ممالک میں یہ دستور ہے کہ جب ملکوں کے درمیان تعلقات خراب ہوں تو ان کو

Marfat.com

بہتر بنانے کے لئے لامتناہی کوششیں کر رہا ہے جن کے ساتھ اس کے تعلقات اچھے نہیں البتہ پاکستان سے بعض واضح وجوہات کی بنا پر وہ ایسا نہیں کر رہا۔ ہندوستان خصوصی طور پر پاکستان کے دوست ممالک سے تعلقات بہتر بنانے کے لئے سرتوڑ کوشش کر رہا ہے لیکن اس بحث میں ایسے ممالک کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کرنے کے لئے کئی قسم کی باتیں کہی گئی ہیں جن کے ساتھ ہمارے تعلقات خوش گوار ہیں۔ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کون سی ایسی منطق ہے اور کون سا ایسا محرک ہے جو پاکستان کی قومی اسمبلی، سینٹ کے ارکان جو صحیح منتخب ارکان ہیں کو اس قسم کی باتیں کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ جو کچھ انہوں نے کہا ہے میں اس پر کس طرح بحث کر سکتا ہوں۔ اگر میں ایسا کروں تو مطلب یہ ہوگا کہ میں بھی پاکستان کے بعض ممالک سے تعلقات کو خراب کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اس لئے میں اس سلسلے میں کئی باتوں میں سے صرف ایک دو پر مختصر اظہار خیال کروں گا۔ بحث کے دوران جناب رحیم وزیر پیداوار نے بہت موثر اور کارآمد تقریر کی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ وقت کی قلت کی وجہ سے ان کو مکمل طور پر وضاحت کرنے کا پورا موقع حاصل نہیں ہو سکا۔ اس لئے میں ان نکتوں سے شروع کرتا ہوں جہاں سے انہوں نے چھوڑا تھا۔ جناب رحیم نے کہا کہ ہم مسائل کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور ان نتائج کی ذمہ داری اپنے سر لے لیتے ہیں جو ہمارے پیدا کردہ نہیں ہیں۔ ہماری سیاست میں یہ ایک افسوسناک رجحان ہے اور عالمی امور کے بارے میں ہمارے تجزیہ کا یہ ایک قابل توجہ پہلو ہے۔ ہم دوسرے ممالک کے ایسے اقدامات کی ذمہ داری بڑی آسانی سے اپنے آپ پر لے لیتے ہیں جو ان کے اپنے مفادات کے لئے کئے گئے ہوتے ہیں اور جو پاکستان کے لئے خوف بھی ہوتے ہیں۔ اس سے ان ممالک کو یہ کہنے کا موقع ملتا ہے کہ انہوں نے بعض ایسے کام کئے جو ہمارے مفاد کے خلاف ثابت ہو سکتے تھے لیکن ہم خود اس بات کو پہلے ہی تسلیم کر چکے ہیں کہ ان کے ذمہ دار ہم ہی تھے۔ [illegible] اگر آپ دوسرے ممالک کے ساتھ تعلقات کو خراب کرنے کے ذمہ دار بھی ہوں اگر فیصلہ میں غلطی ہو جائے اگر اس طرح کی کوئی غلطی بھی ہو چکی ہو جس کا آج جناب [illegible] نے ذکر کیا ہے اور میں اس سے مکمل طور پر اتفاق کرتا ہوں کہ ایک سابقہ وزیر اعظم یا کہہ کر اشارتاً مشترکہ طور پر جمع صفر ہیں۔ ایک افسوسناک غلطی تھی۔ مقصد یہ ہونا چاہئے کہ ان کی تلافی کی

جائے یا کم از کم ایسی غلطی کی اجازت نہیں ہونی چاہئے کہ دوسرے ممالک خواہ آپ نے اس غلطی کا ازالہ بھی کر دیا ہو، اسے مستقبل میں بھی غلطی ہی تصور کرتے ہیں۔اس سلسلے میں اس جانب بھی سرکاری ارکان کی طرف سے کچھ ایسی باتیں کہی گئی جن میں بعض معاملات پر ضرورت سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے اور ہمارے موجودہ حالات کی ذمہ داری قبول کی ہے۔یہ کہا گیا کہ جناب لیاقت علی خان نے روس جانے کی دعوت سے انکار کر دیا تھا اور اس کے بعد جو کچھ ہوا جس میں پاکستان کا ٹکڑے ٹکڑے ہونا بھی شامل ہے اس حقیقت کی بنا پر ہوا کہ جناب لیاقت علی خان روس کے دورہ پر نہیں گئے تھے۔

جناب سپیکر آزادی کے چھبیس سال بعد ہمیں اس قسم کی غیر ضروری توضیحات اور سادہ لوح باتوں سے خود کو نقصان نہیں پہنچانا چاہئے۔میں تسلیم کرتا ہوں جیسا کہ جناب رحیم نے کہا ہے جناب لیاقت علی خان کی یہ غلطی تھی کہ انہوں نے روس جو کہ پاکستان کا ایک عظیم ہمسایہ ملک ہے کا دورہ کرنے کی دعوت سے انکار کیا تھا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ پاکستان کے سلسلے میں روسی خارجہ پالیسی ایک اور صرف ایک دعوت سے ہی وابستہ ہے اور ہر چیز جو اس کے بعد واقع ہوئی اور وہ اس حقیقت سے متاثر ہوئی کہ لیاقت علی خان روس نہیں گئے تھے۔پاکستان سمیت تمام ممالک کی خارجہ پالیسی کی بنیاد اس سے زیادہ مستقل اور دیرپا تصورات پر قائم ہوتی ہے۔کئی دوسرے حقائق کا بھی تعلق ہوتا ہے ان عظیم اور لاشخصی حقائق کے بارے میں ایک دعوت کوئی اہمیت نہیں رکھتی بلکہ جانبداری اور غیر جانبداری کا مسئلہ بھی تھا۔روس کے ہندوستان سے تعلقات کا مسئلہ بھی تھا، بے شمار حقائق کارفرما تھے۔میں دوبارہ کہتا ہوں کہ روس کا دورہ کرنا بڑی غلطی تھی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ روس جانے میں ان کی ناکامی پاکستان کے ساتھ تعلقات میں روس کی پالیسی میں ایک مرکزی نکتہ کی حیثیت اختیار کر گئی تھی۔یہ بھی کہا گیا کہ پاکستان کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی ذمہ داری بھی خان کے طرز عمل پر عائد ہوتی ہے کیوں کہ اس نے روس سے ہمارے تعلقات کو خراب کرنے کی کھلی چھٹی دے رکھی تھی، یہ زیادہ برمحل بات ہے۔بدقسمتی یہ ہے کہ یحیٰی خان کی حکومت جہالت میں گھری ہوئی تھی۔انہوں نے ابتدائی اور بنیادی معاملات کو نہ سمجھا اور بین الاقوامی امور سے نمٹنے میں ان کی نااہلی کے باعث بہت نقصان ہوا۔ان کو بھی معلوم نہ تھا کہ بین

Marfat.com

الاقوامی معاملات کس طرح آگے بڑھتے ہیں، اس وقت ہم نے احتجاج بھی کیا تھا۔ یہ ایک ریکارڈ ہے کہ میں نے اس وقت کے خارجہ سیکرٹری کو ٹیلی فون کیا اور کہا کہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ پاکستان کو اس ٹکراؤ کے راستے پر کیوں لا رہے ہیں؟ آپ اپنی کارروائیوں کی پیچیدگیوں اور الجھنوں کو سمجھتے ہیں۔ یحییٰ خان کی حکومت نے سخت غلطیاں کیں لیکن ساتھ ہی ساتھ ان ایام میں بھی بڑی طاقتوں اور دوسرے ممالک کی خارجہ پالیسیوں کا تعین کرنے میں اس سے زیادہ بنیادی معاملات کارفرما تھے۔

میں اس نکتے کی وضاحت کرنا چاہوں گا کیوں کہ مجھے امید ہے کہ اپنی قومی زندگی کے کسی مرحلے میں ہم اپنے آپ پر الزام لگانا اور ان واقعات کی ذمہ داری قبول کرنا چھوڑ دیں گے جو ہمارے لئے نقصان دہ ہیں اور اس طرح دوسرے ممالک کو ہم اس قابل بنائیں گے کہ وہ ہمیں بتائیں کہ ہمیں اپنی ہی غلطیوں کی وجہ سے نقصان اٹھانا پڑا۔ ایک وقت تھا کہ ایوب خان نے ہندوستان کو مشترکہ دفاعی معاہدہ کی پیش کش کی تھی یہ 1959ء کی بات ہے، انہوں نے اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ معاہدہ شمالی اپنے ایک ہمسایہ ملک کے خلاف ہوگا۔ ہندوستان کے روس کے ساتھ تعلقات اتنے اچھے تھے کہ وہ ہمسایہ ملک روس نہیں ہوسکتا تھا شمال کی جانب دوسرا ہمسایہ ملک افغانستان ہے لیکن اس سے کوئی ایسا خطرہ نہیں تھا جس سے پاکستان اور ہندوستان کے درمیان مشترکہ معاہدہ کی ضرورت پیش آتی۔ ایوب خان کا اشارہ کس ملک کی طرف تھا؟ کیا چین اپنی تمام فہم وفراست کے ساتھ معمولی سے تجزیہ سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کرسکتا تھا کہ وہ کون سا ملک ہے جس کے خلاف ایوب خان نے ہندوستان کے ساتھ مشترکہ دفاع کی کوشش کی ،شمال میں وہ کون سا عظیم ہمسایہ ملک تھا، یہ روس نہیں ہوسکتا تھا کیوں کہ ہندوستان کے اس کے ساتھ بڑے اچھے تعلقات تھے یہ افغانستان بھی نہیں ہوسکتا تھا اور نہ ہی یہ ایران ہوسکتا تھا، یہ واضح طور پر چین تھا۔

یہ 1969ء کی بات ہے لیکن واقعات رونما ہوتے رہے، حالات تبدیل ہوگئے اور 1962ء کے بعد ہم نے کیا دیکھا چین اور پاکستان کے تعلقات بہتر ہوگئے اس ملک سے جس کے خلاف ایوب خان نے ہندوستان سے مشترکہ دفاعی معاہدہ کرنے کی کوشش کی، ہمارے

Marfat.com

تعلقات بہتر ہو گئے اور یہی امر حقیقت کے باوجود کہ پاکستان سیٹو کا رکن بھی تھا جو چین کی مخالفت کے لئے وجود میں آیا تھا۔ پاکستان اور چین کے درمیان تعلقات بتدریج آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ بعض لیڈروں نے ہر دعوت اور ہر اجلاس میں ایوب خان کو عظیم خراج تحسین پیش کیا اور انہیں کو عوامی جمہوریہ چین اور پاکستان کے درمیان اچھے تعلقات کا معمار قرار دیا کہ ایوب خان وہی شخص نہ تھے جو چند برس قبل چین کے خلاف ہندوستان سے دفاعی معاہدہ کی کوشش کرتے رہے تھے اور 1962ء میں جب چین اور ہندوستان کے درمیان تصادم ہوا اپنی تجویز کی یہ کہتے ہوئے تصدیق کی کہ انہیں اس کا دو یا تین سال قبل پیشگی اندازہ ہو گیا تھا لیکن پاکستان اور چین کے درمیان تعلقات مسلسل فروغ پاتے رہے اور میں یہ کہنے میں خوشی محسوس کرر ہا ہوں کہ ہمارے تعلقات بہت اچھے ہیں۔ اب میں اس منطق و استدلال کی طرف آتا ہوں جس کو میں مفہوم سمجھتا رہا ہوں۔ اس منطق کے مطابق 1959ء میں ایوب خان کی غلطی اور ان کی بھارت سے دفاعی معاہدہ کی کوشش کے بعد پاکستان اور چین کے درمیان تعلقات بہترین نہیں ہو سکتے تھے۔

کئی عظیم ہستیوں نے بار بار یہ کہا ہے کہ تاریخ میں مستقل دوستی اور مستقل دشمنی جیسی کوئی چیز نہیں۔ اس بات کے بار بار دوہرانے کے باوجود اور اس حقیقت کے باوجود کہ یہ چیز ابتدائی نوعیت کی ہر نصابی کتاب میں موجود ہے لیکن ہم اسے بھول جاتے ہیں کیوں کہ یا تو ہم نے ابتدائی نصاب کی کتاب ہی نہیں پڑھی ہے یا ہم ابتدائی اسباق کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ملک کے تعلقات قائم کرنے کا یہ کوئی طریقہ نہیں ہے جناب اسپیکر میں اس بحث کا ذکر نہیں کر رہا نہ میں اس حکومت کے بارے میں اظہار خیال کر رہا ہوں۔ ابھی اور بحثیں ہوں گی اور دوسری حکومتیں آئیں گی کیا ہمیں سیکھنا نہیں چاہئے؟ کیا ہمیں سمجھنا نہیں چاہئے؟ کیا ہمیں اس بحث مباحثہ میں قدرے پختگی اور ذہنیت کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے؟ یہ پاکستان کی قومی اسمبلی اور سینٹ کا مشترکہ اجلاس ہے اور اسمبلی میں ہمیں پوری طرح تیز ہو کر آنا چاہئے۔ ہمیں یہاں کہے جانے والے الفاظ کی پیچیدگیوں کا احساس کرنا چاہئے۔ یہ کسی گلی کے کونے میں ہونے والا اجلاس نہیں، یہ پاکستان کی پارلیمنٹ ہے، میں یہ توقع کروں گا کہ پچیس سال بعد ان بحثوں میں زیادہ احساس ذمہ داری کا مظاہرہ کیا جائے گا۔

Marfat.com

جناب سپیکر اظہار خیال کے طور پر متعدد باتیں کہی گئی ہیں اور میں نے کہا ہے کہ میں ان میں سے ہر بات پر اظہار خیال نہیں کر سکتا۔ کئی ارکان نے خارجہ پالیسی کی تکمیل میں حکومت اور اپوزیشن کے درمیان تعاون کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ خارجہ پالیسی کی تشکیل میں حکومت اور اپوزیشن کے درمیان تعاون کی ضرورت ہے، ہم اس سے انکار نہیں کرتے۔ اپوزیشن کے بعض ارکان اس بات کی وضاحت کرتے رہے کہ انہوں نے کس طرح کی پیش کش کی ہے۔ قائد حزب اختلاف کی طرف سے پیش کی جانے والی آخری وضاحت میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ اپوزیشن نے عبوری آئین اور مستقل آئین کی تیاری میں ہم سے تعاون کیا اور میرے شملہ جانے سے قبل انہوں نے حکومت کو اعتماد کا ووٹ دیا۔

یہ امور خارجہ کی بحث ہے اور میں تفصیلاً اندرونی معاملات کا ذکر نہیں کرنا چاہتا نہ کوئی ایسی بات کہنا چاہتا ہوں جس سے ہمارے دوست غلط فہمی میں مبتلا ہوں لیکن جناب اسپیکر ہم اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ ہم سے تعاون کیا گیا۔ میں اسی پس منظر میں جانا نہیں چاہتا کہ عبوری آئین کس طرح پاس ہوا اعتماد کا ووٹ کس طرح دیا گیا۔ آئین کے اصولوں پر 20 اکتوبر کا معاہدہ کیسے ہوا اور اس کے بعد جو کچھ ہوا میں ان معاملات کو زیر بحث نہیں لانا چاہتا لیکن میں دریافت کرنا چاہوں گا کہ کیا ہم نے اپوزیشن سے تعاون نہیں کیا، انہوں نے دو تین معاملات پر جن حالات کے تحت ہم سے تعاون کیا انہیں میں بحث میں الجھانا نہیں چاہتا۔ 20 دسمبر 1971ء کو جب میں نے صدر کا عہدہ سنبھالا تو میں نے فوری اور یکطرفہ طور پر نیشنل عوامی پارٹی پر یحییٰ خان کی طرف سے لگائی گئی پابندی ختم کی تھی کیا میں نے نیشنل عوامی پارٹی میں اپنے دوستوں کو اور دوسری سیاسی جماعتوں کو !اقات اور بات چیت کرنے کی دعوت نہیں دی تھی۔ کیا اس دن میں نے قوم کے نام نشری تقریر میں یہ نہیں کہا تھا کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہر شخص محب وطن ہے اور ہم کسی کو غدار نہیں کہیں گے؟ یہ کام میں نے اس وقت کیا جب اپوزیشن کو حکومت کے ساتھ تعاون کا ہاتھ بڑھانے کا موقع حاصل نہیں تھا۔ سب سے پہلے تعاون کا مظاہرہ حکومت نے کیا نہ کہ اپوزیشن نے۔ جناب اسپیکر اس کے بعد نہ صرف یہ کہ ہم نے ان کے بعض ساتھیوں اور ان کی جماعت کے ممتاز ارکان سے ملاقات کی بلکہ ہم نے انہیں بتایا کہ ہم نے ان کے بعض ساتھیوں اور ان کی جماعت کے ممتاز

Marfat.com

ارکان کو مرکزی حکومت میں شامل کرنے پر بھی تیار ہوں گے۔ حالانکہ ہمیں ایسا کرنے کی ضرورت نہیں تھی کیوں کہ قومی اسمبلی میں ہماری بھاری اکثریت تھی اور اب بھی ہے کہ بالآخر دو سال کے طویل عرصہ کے بعد انہوں نے یہ بات تسلیم کر لی ہے کہ ہم یہاں اس لئے موجود ہیں کہ ہم پاکستان کے عوام کی نمائندگی کرتے ہیں اور یہ کہ ہم اکثریتی جماعت ہیں۔ ہم نے انہیں بتایا کہ ہم ان کی پارٹی سے وزاراء لینے کے لئے تیار ہیں تا کہ ہمارے اور ان کے درمیان تعاون ہو سکے اور اس طرح ہم مل جل کر اپنی مملکت کی تعمیر یا تعمیر نو کی جانب آگے بڑھ سکیں۔

اس کے بعد ہم نے اپوزیشن کو دعوت دی کہ وہ مارشل لاء کے خاتمہ اور قومی اہمیت کے معاملوں پر ہمارے ساتھ مذاکرات کرے۔ ہم نے دوسرا سمجھوتہ کیا باوجود کہ پہلے سمجھوتے کے بعد انہوں نے ایسی دھواں دار تقریریں کیں کہ ایسا معلوم ہوتا تھا انہوں نے انتخابی مہم شروع کر دی ہے۔ ہم ان کے طرز عمل سے ششدر رہ گئے ہم نے ان کی طرف دوستی اور تعاون کا ہاتھ بڑھایا تھا، انہوں نے تشدد شروع کرنے اور نفرت پھیلانے کی کوشش کیوں کی؟ لیکن ہم نے ضبط و تحمل سے کام لیا قومی مفادات کے پیش نظر ہمارا اپوزیشن کے ساتھ دوسرا سمجھوتہ طے پایا۔ اس سمجھوتہ کے تحت ہم نے انہیں سرحد اور بلوچستان میں اپنے گورنر مقرر کرنے اور اپنی وزارتیں بنانے کا اختیار دیا۔

☆☆☆

Marfat.com

جناب بھٹو کے خلاف بین الاقوامی سازشیں

جناب ذوالفقار علی بھٹو کے دور حکومت میں پاکستان نے عملی طور پر غیر جانبدار پالیسی اختیار کر لی تھی جس کا مقصد امریکہ کے علاوہ چین کے ساتھ تعلقات کو زیادہ مضبوط بنانا اور روس جیسے ملک کے ساتھ بھی تعلقات کو فروغ دینا تھا لیکن پاکستان کی یہ غیر جانبدار پالیسی سامراجی ممالک کو ایک آنکھ نہ بھائی اور انہوں نے پاکستان کو انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا اور پاکستان کے خلاف ناپسندیدگی کا رویہ اپنا لیا۔ جب پاکستان نے فرانس کے ساتھ ایٹمی پلانٹ کے معاہدے پر دستخط کیے تو امریکہ کھل کر پاکستان دشمنی پر اتر آیا۔ امریکہ نے پہلے فرانس پر دباؤ ڈالا کہ وہ ایٹمی پلانٹ کا سودا منسوخ کر دے لیکن جب فرانس کے صدر جسکارڈ امریکی دباؤ میں نہ آئے تو پھر امریکی حکومت نے بھٹو پر دباؤ ڈالا اور جناب بھٹو جو ایٹمی پلانٹ حاصل کرنے کا تہیہ کیے ہوئے تھے امریکی دباؤ میں نہ آئے تو امریکہ نے حکومت مخالف قوتوں سے ساتھ بڑی تیزی سے تعلقات کو فروغ دینا شروع کر دی اور حکومت کو ختم کرنے کے لئے سازشوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔

کشمیر کے مسئلے پر بھارت کے ساتھ پاکستان کے تعلقات قیام پاکستان کے وقت سے ہی کشیدہ چلے آتے تھے اسی مسئلے کی وجہ سے پاکستان اور بھارت کے درمیان تین جنگیں ہو چکی تھیں تاہم جب مئی 1974ء میں بھارت نے پاکستان کی سرحد کے قریب راجستھان میں ایٹمی دھماکہ کیا تو اچانک ساری صورت حال ہی بدل گئی اور جناب بھٹو نے اسے بڑا اہم واقعہ قرار دیا جس نے خطے میں طاقت کا توازن بھارت کے حق میں کر دیا تھا۔ پاکستان کے عوام کی اکثریت بھی اس کے اثرات قبول کیے بغیر نہ رہ سکی پاکستانی قوم کے احساسات وزیر اعظم بھٹو کے لئے ایک چیلنج بن کر سامنے آئے۔ بھارت کے ایٹمی دھماکہ کرنے سے یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ پاکستان کا بنیادی دفاع اس کی ایٹمی صلاحیت میں مضمر ہے۔

Marfat.com

وزیراعظم بھٹو کی مجبوری یہ تھی کہ وہ دنیا میں بڑھتے ہوئے عالمی تنازعات کے ماحول میں ایٹمی پروگرام کے بارے میں مستقبل کے منصوبوں کے متعلق کچھ کہنے سے قاصر تھے لیکن اس کے باوجود بھی وہ خاموش نہ رہ سکے اور انہوں نے ایک پریس کانفرنس کر کے اعلان کیا کہ: ''پاکستان بھارت کے ایٹمی دھماکہ کی وجہ سے اپنی خارجہ پالیسی نہیں بدلے گا'' یہ بھارت کے لئے ایک واضح پیغام تھا کہ علاقے کے توازن میں بھارت کے کردار کو بالادست قوت کے طور پر تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ اس کے بعد جناب بھٹو نے پاکستان کو بھارت کے مقابل لا کھڑا کرنے کے لئے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کی کوششیں تیز کر دیں۔

اس کے بعد ہی جناب بھٹو نے دنیا بھر میں ایٹمی صلاحیت کے حامل ممالک سے مذاکرات شروع کئے تا کہ ایٹمی پروسینگ پلانٹ حاصل کیا جا سکے۔ اس سلسلے میں وہ فرانس کے ساتھ ایک معاہدہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ فرانسیسی کمپنی کے ساتھ ہونے والے اس معاہدے میں فرانسیسی حکومت باقاعدہ فریق کی حیثیت سے شریک تھی۔ فرانسیسی حکومت کے ساتھ تین سال تک مذاکرات جاری رہے اور اس دوران پاکستان کے وزیراعظم نے فرانسیسی حکومت اور ایٹمی تحفظات کے عالمی ادارے آئی اے ای اے کو بھی ہر طرح کی ضمانتیں اور یقین دہانیاں فراہم کر دی تھیں۔ آئی اے ای اے کی تمام شرائط من وعن تسلیم کر لی تھیں اور انہوں نے یقین دلایا تھا کہ پاکستان کو دیا جانے والا ری پراسیسنگ پلانٹ صرف صنعتی مقاصد کی خاطر توانائی کے حصول کے لئے استعمال کیا جائے گا۔

بین الاقوامی تحفظات کے ضمن میں وزیراعظم نے جس حد تک آئی اے ای اے کو یقین دہانیاں کرادی تھیں ان کے ہوتے ہوئے اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ پاکستان فرانس سے حاصل کیا جانے والا ری پراسیسنگ پلانٹ جوہری بم بنانے کے لئے استعمال میں لائے گا۔ اس سلسلے میں سب بڑی مشکل 300 ملین ڈالر کے اس منصوبے کے لئے سرمائے کے حصول کا سوال تھا جس کے لئے انہوں نے عالم اسلام خصوصاً خلیجی ریاستوں اور تیل کی دولت سے مالامال عرب ممالک سے رجوع کیا جہاں سے انہیں مثبت یقین دہانیاں حاصل ہوئیں اور عرب ممالک نے ہر طرح کی مدد کا یقین دلایا۔

Marfat.com

مولانا کوثر نیازی لکھتے ہیں:

جناب بھٹو پاکستان کو ایک عالمی طاقت بنانے اور بین الاقوامی برادری میں اسے نمایاں ترین مقام دلانے میں جنون کی حد تک مبتلا تھے اور پاکستان کو ایٹمی قوت بنانے کا جنون اور خواب تو بہت قدیم تھا انہوں نے 1965ء میں جب وہ ایوب کابینہ میں وزیر خارجہ تھے نہایت جذباتی انداز میں کہا تھا: ''اگر بھارت نے ایٹم بم بنایا تو چاہے ہمیں گھاس اور پتے کھانا پڑیں یا ہم بھوکے رہیں لیکن ہم بھی ایٹم بم بنا کر رہیں گے کیوں کہ ہمارے پاس اس کا کوئی متبادل تو ہوگا، ایٹم بم کا جواب ایٹم بم ہی ہو سکتا ہے۔'' بھٹو نے فرانسیسی حکومت اور ایٹمی تحفظات کے ادارے کو بھی ہر قسم کی ضمانتیں اور یقین دہانیاں فراہم کرادی تھیں۔ تاہم مسٹر بھٹو نے جو اپنا کارڈ کھیلا وہ یہ تھا کہ معاہدے میں کوئی بھی ایسی شق موجود نہ تھی کہ پاکستان اس امر کا پابند ہوتا کہ خود اپنے ذرائع سے اپنے سائنسدانوں کے ذریعے وہ ویسا ہی دوسرا پلانٹ نہ لگا سکے گا جس کی فراہمی فرانس سے ہونا تھی یا یہ کہ وہ دوسرا پلانٹ پاکستان کسی عالمی ادارے کی نگرانی میں دینے کا پابند ہوگا۔

لیبیا، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، کویت اور عراق کی جانب سے انہیں ہر قسم کے مالی تعاون کی پیش کش ہوئی۔ عرب اسرائیل جنگ کے دوران پاکستانی افواج کے ہاتھوں اسرائیلی فوج کے دانت کھٹے کرا کے وہ عرب دنیا میں پہلے ہی بے پناہ عزت و وقار حاصل کر چکے تھے اور عرب سربراہوں کو اس امر میں ذرا بھی شک نہ تھا کہ پاکستان کا ایٹم بم اسرائیل کے مقابل خود ان کے تحفظ کی بہت بڑی ضمانت ہوگا۔ مسٹر بھٹو اپنے پروگرام کے بارے میں کسی کو کچھ بتانے پر آمادہ نہ تھے، صرف چند لوگ ہی ان کے پروگرام سے واقفیت رکھتے تھے۔ جب اراکین اسمبلی، وزراء اور اعلیٰ حکام کی تشویش حد سے زیادہ ہوگئی تو انہوں نے ایک میٹنگ کر کے انہیں اعتماد میں لیا اور معنی خیز انداز میں بتایا کہ ہمیں ٹیکنالوجی کو ہر قیمت پر حاصل کرنا ہے۔

مسٹر بھٹو نے بھارتی ایٹمی پروگرام کا مقابلہ کرنے کے لئے چین سے تعاون حاصل

Marfat.com

کرنے کے سلسلے میں مئی 1974ء میں چین کا دورہ کیا۔ اس دورے کے بعد پاکستان اور امریکہ کے تعلقات میں سرد مہری پیدا ہو گئی اور اکتوبر 1974ء کو جب امریکی وزیر خارجہ ہنری کسنجر نے مسٹر بھٹو کو نیوکلیئر پروگرام بند کرنے کا مشورہ دیا اور کہا کہ اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو اس کے سنگین نتائج بھگتنا ہوں گے۔

بھٹو اپنی کتاب ''اگر مجھے قتل کر دیا گیا'' میں لکھتے ہیں!

''میرے اکیلے کی کوشش سے پاکستان ایٹمی قوت بننے کے قریب ہو گیا۔ یہ ایک بہت بڑا چیلنج تھا جب میں نے اقتدار سنبھالا تھا اور ایٹمی کمیشن کا بھی چارج سنبھالا تھا تو اس وقت پاکستان بھارت کے مقابلے میں ایٹمی ٹیکنالوجی میں بیس سال پیچھے تھا، جب میری حکومت ختم کی گئی تو ہم مشکل سے پانچ یا چھ سال پیچھے تھے۔ چونکہ اس کے لئے میں نے بڑی ترجیحات رکھی تھیں۔''

فروری 1976ء کو ٹکا خان کی ریٹائرمنٹ کے بعد جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے جنرل ضیاء الحق کو فوج کا نیا سربراہ بنا دیا گیا۔ انہیں دنوں پاکستان کے ایٹمی سائنس دان ڈاکٹر عبدالقدیر خان پاکستان کے لئے ایٹمی پروگرام پر کام جاری رکھے ہوئے تھے اور بین الاقوامی سمگلروں سے ایٹمی پرزوں کی خریداری کا سلسلہ جاری تھا۔ امریکی خفیہ تنظیم سی آئی اے کے افسران بھی اس بات سے واقف تھے۔

اگست 1976ء کو جب امریکی وزیر خارجہ ہنری کسنجر پاکستان آئے تو ان کے سامنے صرف ایٹمی پراسیسنگ پلانٹ کی خریداری کا معاہدہ تھا جسے کارٹر ایک عالمی مسئلہ اور بھٹو کو امن عالم کے لئے خطرہ قرار دے رہے تھے۔ حالانکہ ایٹمی پراسیسنگ پلانٹ اب پاکستان کے کسی کام کا نہیں رہا تھا کیوں کہ ڈاکٹر عبدالقدیر ایک جدید ترین اور نہایت کم قیمت پلانٹ اس مقصد کے لئے تیار کر رہے تھے۔

ہنری کسنجر نے وزیراعظم پاکستان مسٹر بھٹو کو پیشکش کی ''اگر آپ نیوکلیئر پروگرام سے دستبرداری کا اعلان کر دیں تو ہم آپ کو مالی مدد کے ساتھ ساتھ آپ کی حکومت کو سیاسی حمایت

Marfat.com

بھی دیں گے۔'' جس پر بھٹو سخت برہم ہوئے اور انہوں نے اس پیشکش کو مسترد کر دیا۔ جس پر امریکی وزیر خارجہ ہنری کسنجر نے کہا ''ہم تمہاری حکومت ختم کر کے تمہیں ایک عبرناک مثال بنا دیں گے''

اگست 1976ء میں ہنری کسنجر بطور سیکرٹری آف سٹیٹ امریکہ پاکستان کے دورے پر آئے اس نے بھٹو کو اقتصادی اور سیاسی امداد کی پیش کش کی اور شرط یہ رکھی کہ ''پاکستان ہندوستان کے مقابلے میں ایٹمی توانائی حاصل کرنے کی کوشش سے دستبردار ہو جائے۔'' جناب بھٹو نے جیسا کہ ان کی شخصیت سے متوقع تھا جنرہ کسنجر کی تجویز کو ٹھکرا دیا۔

اس پر ہنری کسنجر نے تمام ادب، لحاظ اور پروٹوکول کو بالائے طاق رکھتے ہوئے دھمکی دی کہ ہم تمہاری حکومت کا تختہ الٹ دیں گے اور خود تمہاری ذات کو ایک ہولناک مثال بنا دیں گے۔

یہ ایک بہت بڑی دھمکی تھی جو ہماری تاریخ کا ایک بڑا واقعہ ہے۔

امریکہ کو اپنی دھمکی پر عمل کرنے کے لئے اس وقت مناسب موقع مل گیا جب مسٹر بھٹو نے مارچ 1977ء میں انتخابات کرانے کا اعلان کر دیا۔ ملک میں الیکشن ہوا، الیکشن پر مختلف نظریات کی جماعتوں نے اتحاد کیا اور طے شدہ منصوبے کے تحت نتائج کو تسلیم نہ کرتے ہوئے لوگوں کو سڑکوں پر لا کر طاقتور حلقوں کو عام مداخلت کی دعوت دی گئی۔

منیر احمد اپنی کتاب ''بھٹو خاندان کا قتل'' میں لکھتے ہیں:

''اس سے پہلے امریکی سی آئی اے نے بنگلہ دیشی عوام میں یہ بات پھیلانے کی کوشش کی کہ شیخ مجیب الرحمن کے قتل میں بھٹو کا ہاتھ ہے جنہوں نے کیمونسٹ پارٹی کے سیکرٹری جنرل عبدالحق کی درخواست پر شیخ مجیب الرحمن کو قتل کروانے کے لئے بھاری رقوم اور اسلحہ فراہم کیا تھا۔ اس الزام کا مقصد بھٹو کو بین الاقوامی دہشت گرد ثابت کرنا تھا۔''

28 اپریل 1977ء کو جناب بھٹو نے قومی اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے اپنی حکومت کے خلاف ایک بین الاقوامی سازش کا انکشاف کیا جس نے پاکستانی رائے عامہ کو چونکا کر

Marfat.com

رکھ دیا۔ اس سازش کا مقصد وزیر اعظم بھٹو کو سیاسی منظر سے ہٹانا تھا جو اپنی جرأت مندانہ قیادت کی بدولت نہ صرف پاکستان کے اتحاد اور استحکام کی علامت بن گئے تھے اور دنیائے عرب، عالم اسلام اور تیسری دنیا کی سیاسی جدوجہد میں صف اول کے رہنما تصور کئے جاتے تھے۔ ملکی اور بین الاقوامی سطح پر کچھ خون آشام بھیڑیئے جناب بھٹو کے خون کی پیاس اس لئے محسوس کر رہے تھے کہ یہ شخص 1958ء سے مختلف حیثیتوں میں استعماری طاقتوں کے عزائم کی راہ میں رکاوٹ بن گیا تھا۔

یہ بھٹو ہی کی ذات تھی جس نے ویت نام کی جنگ میں پاکستان کو سامراجیوں کی حمایت میں ملوث ہونے نہیں دیا۔ انہوں نے پہلی بار مشرق وسطیٰ کے تنازعہ میں اپنے عرب بھائیوں کی محض زبانی حمایت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اسرائیلی جارحیت سے نبرد آزما عربوں اور فلسطینیوں کو بھرپور فوجی امداد کی پیش کش کی اور عربوں کی جنگ کو اسلام اور پاکستان کی جنگ قرار دیا۔

پاک چین دوستی کے معمار بھٹو ہی تھے جنہوں نے ہر سطح پر عوامی جمہوریہ چین کو جائز نمائندگی دلانے کی آواز بلند کی۔ فرانس سے ایٹمی ری پراسیسنگ پلانٹ کی خریداری بھی جناب بھٹو کی طویل کوششوں کا نتیجہ تھا جس نے ایٹمی ہتھیاروں پر اجارہ داری رکھنے والی ایک طاقت کو بڑی شدت سے برہم کر رکھا تھا اور اس وقت کے غیر منصفانہ عالمی اقتصادی نظام کے خلاف تیسری دنیا کی انقلاب آفرین جدوجہد کو بارآور کرنے کے لئے سب سے زیادہ سرگرم کردار ادا کرنے والی شخصیت بھی جناب بھٹو ہی کی تھی۔

عالمی سیاست میں جناب بھٹو کا یہی استعمار دشمن کردار تھا جو بین الاقوامی سامراج کی آنکھوں میں کھٹک رہا تھا۔ بدقسمتی سے بھٹو اور پاکستان سے ناراض ان بیرونی قوتوں کو پاکستان کے اندر ایسے آلہ کار مل گئے جن کے مخصوص مفادات پر جناب بھٹو کی نافذ کردہ انقلابی اصلاحات کی زد پوری قوت سے پڑی۔

قومی اسمبلی میں کی جانے والی جناب بھٹو کی اہم تقریر کے بعد اس وقت کے امریکی وزیر خارجہ مسٹر سائرس وانس نے بھٹو کو ایک خط لکھا کہ امریکہ ان کے ساتھ معاملات طے کرنے کو تیار ہے اور مذاکرات کو خفیہ رکھا جائے۔ اس خط کو وزیر اعظم بھٹو منظر عام پر لے آئے تو امریکہ نے دھمکی کے طور پر یہ قدم اٹھایا کہ 9 مئی کو پاکستان میں مقیم تمام امریکی ماہرین نے

Marfat.com

طبعیت کی خرابی کا بہانہ بنا کر کام کا بائیکاٹ کر دیا۔

انٹیلی جنس ایجنسیوں کی بعض مصدقہ اطلاعات کے مطابق امریکہ جو جناب بھٹو کا دشمن ہو چکا تھا مخالف سیاسی جماعتوں کے ساتھ شامل ہو گیا اور جناب بھٹو کے خلاف بڑھتی ہوئی نفرت کی آگ میں تیل ڈالا اور بھٹو حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے اپوزیشن کو مالی اور سیاسی امداد بھی فراہم کی۔

”پی این اے کی تنظیم اور اس کے وسائل اس بات کی دلیل تھے کہ کوئی بیرونی ہاتھ اس کی پشت پناہی کر رہا ہے۔ بھٹو کا کہنا تھا کہ:

”جس بات کی مجھے توقع نہیں تھی اور جس نے مجھے حیرت میں ڈال دیا وہ حزب مخالف کی منظم پشت پناہی تھی۔ انکشاف یہ ہوا کہ یہ سلسلہ وسط دسمبر 1976ء سے شروع ہو چکا تھا۔ جنوری 1977ء سے باقاعدہ رپورٹیں آنی شروع ہو گئیں کہ کوئی خفیہ ہاتھ پی این اے کے پیچھے ہے۔

اسی ماہ میں رفیع رضا، وزیر پیداوار نے ساڑھے چار گھنٹے کی طویل ملاقات میں مجھے مفصل طور پر آگاہ کیا کہ قومی اتحاد یعنی پی این اے وجود میں آ رہا ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ اس اتحاد کا صدر کون ہو گا، دیگر عہدیداران کون ہوں گے۔

اس اتحاد کے لائحہ عمل، مقاصد اور نیت کے متعلق بھی اس نے مفصل بتایا اور آخر میں میرے سامنے تین نعم البدل رکھے:

اولاً کہ میں ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ کے قصے کو ختم کر دوں

ثانیاً کہ میں انتخابات ملتوی کر دوں

ثالثاً نہایت خطرناک نتائج کے لئے تیار ہو جاؤں

انتخابات میں سی آئی اے نے بے دریغ پیسہ خرچ کیا لیکن اس کے باوجود بھی پی این اے حکمران پارٹی کو شکست نہ دے سکا۔ اب پلان کا دوسرا دور شروع ہوا اور انتخابات میں دھاندلی کا الزام لگا کر حکومت کے خلاف ملک بھر میں

Marfat.com

ہنگامے شروع کرادیئے گئے اطلاعات کے مطابق ان ہنگاموں پر سی آئی اے نے اتنا روپیہ صرف کیا کہ کراچی میں ڈالر کی قیمت گر گئی۔ورنہ تاریخ برصغیر میں اتنی سی بات پر مسلسل اتنے ہنگامے کبھی نہیں ہوئے۔“

(مارشل لاء کا سیاسی انداز' ایم اے کے چوہدری')

6 مئی 1977ء کو جب جاپان میں سات ترقی یافتہ ممالک (امریکہ، برطانیہ، فرانس، مغربی جرمنی، اٹلی، کینیڈا اور جاپان) کی ایک کانفرنس منعقد ہو رہی تھی کانفرنس میں شرکت کرنے کے لئے امریکی صدر جمی کارٹر جاپان پہنچے تو انہوں نے فرانس کے صدر جسکارڈ کو ہر طرح سے قائل کرنے کی کوشش کی کہ پاکستان کو ایٹمی ری پراسیسنگ پلانٹ دینے سے باز رہیں۔اس کے بعد جناب بھٹو نے 8 مئی 1977ء کو ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ انہوں نے 18 اپریل کو امریکی سفیر کے ساتھ تیسری اور آخری ملاقات میں ان کی سرزنش کی تھی جس پر امریکہ نے اقتصادی اور دیگر امداد روک دی ہے۔جبکہ کنسورشیم نے بھی پاکستان کے لئے جو امداد منظور کی تھی اس پر عمل درآمد کا فیصلہ 26 جولائی تک کے لئے ملتوی کر دیا گیا ہے۔

ایم اے کے چوہدری لکھتے ہیں:

جس وقت پی این اے ملک میں ہنگامہ آرائی میں مصروف تھی اسی دوران امریکی سفیر مقیم پاکستان کا تبادلہ ہو گیا جنرل ضیاء الحق کمانڈر انچیف پاکستان آرمی نے ایک شاندار الوداعیہ اس سفیر کے لئے اپنے گھر پر دیا۔میں اس وقت اسلام آباد میں بطور سیکرٹری داخلہ حکومت پاکستان تعینات تھا اور مجھے بھی اس الوداعیہ میں شرکت کرنے کا دعوت نامہ ملا۔

مجھے کچھ ایسا محسوس ہوا کہ یہ دعوت کچھ زیادہ ہی پر تکلف اور اہتمام میں بڑی رونق تھی۔کسی سفیر کے تبادلے پر عام طور پر وزارت خارجہ میں ایک عام سی دعوت دی جاتی ہے۔اگر سفیر بہت اہم ملک کا ہو تو دعوت نامے سیکرٹری یا زیادہ سے زیادہ وزیر خارجہ کے نام سے جاری ہوتے ہیں،فوج کے سربراہ عموماً ایسی دعوتیں نہیں کرتے بلکہ وہ تو سفیروں کی طرف سے دی گئی

Marfat.com

دعوتوں پر کم ہی جاتے ہیں تا آنکہ کوئی خاص موقع جیسے کسی ملک کا قومی دن منایا جا رہا ہو، وہاں بھی فوج کے سربراہ رسماً ہی جایا کرتے ہیں۔ میرا ماتھا ٹھنکا، اگلے دن میں نے وزیر اعظم سے ضمناً ذکر کیا۔ بھٹو جو نہایت زیرک انسان تھے، میرا مطلب سمجھ گئے اور خاموش ہو گئے۔ جب وہ سپریم کورٹ میں اپنے خلاف قتل کے مقدمے میں بیان دے رہے تھے تو انہوں نے اس بات کا بھی ذکر کیا کہ میرے سیکرٹری وزارت داخلہ نے مجھے اس واقعہ سے آگاہ کیا تھا اور ایک طرح آنے والے حالات کی طرف اشارہ بھی۔

(مارشل لاء کا سیاسی انداز)

ایم اے کے چوہدری آگے چل کر لکھتے ہیں:

جب پی این اے کی تحریک زوروں پر تھی تو قائم مقام امریکی سفیر کی ٹیلی فون پر ایک اور سفارت کار سے گفتگو پاکستانی انٹیلی جنس کے محکمے نے ٹیپ کر لی اور وزیر اعظم کو سنائی۔ گفتگو میں ٹیپ کا مصرعہ تھا'' بھٹو ختم ہو گیا اور کھیل بھی ختم ہو گیا'' انگریزی میں الفاظ تھے BHUTTO IS FINISHED THE PARTY IS OVER یہ کہنا بعید از قیاس نہیں ہو گا کہ اس وقت تحریک کو چلانے والے یا تو امریکی سفارت خانے میں موجود تھے یا ان کے بہت قریب تھے جو لمحہ بہ لمحہ تحریک کی شدت یا کامیابی کی اطلاع سفارتخانے کو پہنچ رہی تھی۔ چونکہ ان کی دانست کے مطابق تحریک مکمل طور پر پلان کے مطابق چل رہی تھی اور کامیابی سے ہمکنار تھی۔ سفیر صاحب نے کسی احتیاط کی ضرورت نہ سمجھتے ہوئے کھلے الفاظ میں اپنے دل کی بات ٹیلیفون پر کہہ دی۔

اس گفتگو کے اگلے روز ہی جناب بھٹو نے اسمبلی کا اجلاس بلایا ہوا تھا جس میں انہوں نے خود خطاب کرنا تھا۔ اس تقریر میں جناب بھٹو نے امریکی سفیر کی یہ گفتگو بھی دہرائی اور بڑے جوش سے کہا THE

Marfat.com

PARTY IS NOT OVER یعنی کھیل ختم نہیں ہوا۔

(مارشل لاء کا سیاسی انداز)

بھٹو حکومت کے خاتمے کی ''خوشخبری'' کا امریکی بڑی بے چینی سے انتظار کر رہے تھے 21 جون کو وہائٹ ہاؤس کے ایک اہم رکن چارلس روکیف کا ایک خط شائع ہوا جس میں انہوں نے ناجائز منشیات کے امور اور صحت کے ڈائریکٹر پیٹر بورن کو کہا کہ ''وزیر اعظم بھٹو چند دن کے مہمان ہیں اور میری اس رائے کو امریکی سیکورٹی کونسل کی حمایت بھی حاصل ہے'' اس خط کے ٹھیک چودہ دن بعد بھٹو کی حکومت ختم کر دی گئی۔ جسے فوراً تسلیم کرتے ہوئے امریکہ نے ایٹمی پروگرام پر نئے عہد و پیمان کے بعد امریکی امداد بحال کر دی۔ اس کے بعد ان تمام نام نہاد جمہوریت پسند اور اسلام دوست سیاسی جماعتوں نے 5 جولائی 1977ء کو نافذ ہونے والے مارشل لاء کو تسلیم کیا اور یوں ڈاکٹر ہنری کسنجر کی دھمکی کو عملی شکل دی گئی۔ اس طرح بھٹو کا پاکستان کے ایٹمی قوت بننے کا خواب ادھورا رہ گیا۔

☆☆☆

Marfat.com

اندرونی سازشیں

جناب بھٹو نے مارچ 1977ء میں عام انتخابات کا اعلان کر دیا حالانکہ آئین کے مطابق پیپلز پارٹی مزید ایک سال حکومت کر سکتی تھی لیکن جناب بھٹو انتخابات کروا کر ایک جمہوریت پسند شخصیت کے طور پر اپنا امیج برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ اعلان ہوتے ہی ملک بھر کی تمام چھوٹی بڑی جماعتیں حکومت کے خلاف متحدہ جمہوری محاذ کے بینر تلے جمع ہونا شروع ہو گئیں اور بھٹو دشمنی میں ایک جھنڈے تلے جمع ہو کر الیکشن لڑنے کا فیصلہ کیا۔ اس انتخابی اتحاد کا نام پی این اے یعنی پاکستان قومی اتحاد رکھا گیا۔ 1977ء کے انتخابات میں مبینہ دھاندلی کے نتیجے میں ملک کی مذہبی جماعتوں کی رہنمائی میں چلنے والی تحریک کو جرنیلوں کی بھی پشت پناہی حاصل تھی۔

4 مئی کو جب احتجاجی تحریک عروج پر تھی اصغر خان نے مسلح افواج کے چیف آف سٹاف اور پاکستان کی دفاعی سروسز کے افسران کے نام اپنے پیغام میں ان پر زور دیا کہ پاکستان کی علاقائی سالمیت کا دفاع ان پر فرض ہے۔ عین اس وقت جب پی این اے کی طرف سے پیش کئے گئے ترمیم شدہ ڈرافٹ کی بنیاد پر ایک معاہدہ بھی تیار ہو چکا تھا جس پر ایک دو روز میں دستخط ہونے کا امکان تھا لیکن پی این اے کی کونسل کے بعض رہنماؤں ائیر مارشل اصغر خان اور بیگم نسیم ولی خان نے بعض متفقہ علیہ شقوں پر اعتراض کیا اور معاہدے پر دستخط سے پہلے نو عدد ترامیم تجویز کر دیں۔ اس طرح بنتا ہوا کھیل بگڑ کر رہ گیا۔ اس بات کی اطلاع جنرل ضیاء الحق کو بھی ہو گئی جو پہلے ہی اس موقع کے انتظار میں تھے چنانچہ 4 اور 5 جولائی کی رات 2 بجکر 30 منٹ پر آرمی کے دستوں نے حرکت شروع کی اور جنرل ضیاء الحق نے شب خون مار کر اقتدار پر قبضہ کر لیا۔

4 اور 5 جولائی کی درمیانی رات ضیاء الحق نے اقتدار پر قبضہ کرنے کے بعد اپنے اس غیر آئینی اقدام کو جائز قرار دلوانے کے لئے چیف جسٹس یعقوب علی خان سے رابطہ کیا۔

''اپنی حکومت کو گھوڑے پر سوار مسکین نما ہوشیار جرنیل نے ''عبوری حکومت''

Marfat.com

کا نام دیا۔ آدھی رات کو شروع ہونے والی یہ تبدیلی نوے راتوں کی بجائے ہزاروں خونی اور طویل راتوں پر محیط ہوگئی۔"

جنرل ضیاء الحق نے جب سیاسی جماعتوں اور سیاستدانوں کو محدود سیاسی سرگرمیوں کی اجازت دے دی تو سیاسی لیڈروں نے عوامی اجتماعات سے خطاب کیا اور اپنے منشور کی وضاحت کی۔ قومی پریس نے مسٹر بھٹو کو اب بھی بڑی سیاسی قوت کی مالک شخصیت قرار دیا اور کہا کہ مسٹر بھٹو نے اکتوبر میں ہونے والے انتخابات کا بائیکاٹ کر دیا تو ایک نیا مسئلہ پیدا ہو جائے گا۔

ریٹائرڈ جنرل گل حسن نے ایک پریس کانفرنس بلا کر انکشاف کیا کہ مسٹر بھٹو کو اقتدار میں لانے میں ان کا قطعاً کوئی ہاتھ نہیں تھا بلکہ وہ اس صورت حال سے ہی بے خبر تھے اور انہیں اس روز اس کی خبر ہوئی جب "ایک دن" پنجاب ہاؤس میں ان کی ملاقات مسٹر بھٹو سے ہوئی (حالانکہ انتقال اقتدار کے اتنے اہم واقعے سے بحیثیت جرنیل باخبر رہنا ان کی ذمہ داری تھی جبکہ وہ چند دن اس واقعے سے بے خبر رہے) اس پریس کانفرنس میں انہوں نے اور بھی بہت سی غلط بیانیاں کیں اور مسٹر بھٹو پر میراج طیاروں کی خریداری میں بیس لاکھ ڈالر کمیشن لینے کا الزام لگایا، جس کے جواب میں سابق وزیر خارجہ نے اخبار نویسوں کو بتایا کہ دفاعی سامان کی خریداری کے لئے جو نظام رائج تھا اس کے مطابق دفاعی سامان کی خریداری مسلح افواج کے سربراہوں اور جائنٹ چیف آف سٹاف کمیٹی کی ذمہ داری تھی۔

ایک طرف مسٹر بھٹو پر الزام تراشیاں کر کے ان کی شخصیت کو مسخ کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی اور دوسری طرف انتخابی نتائج سے مایوس سیاستدانوں نے حکومت کی پشت پناہی میں "پہلے احتساب پھر انتخاب" کا نعرہ لگانا شروع کر دیا۔ پھر احتساب کے سلسلے میں کئے جانے والے اقدامات کے لئے تائیدی بیانات کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس کے بعد اچانک ہی صورت حال تبدیل ہونے لگی اور پہلے مرحلے میں مارشل لاء حکام نے پیپلز فاؤنڈیشن کو اپنی تحویل میں لے کر بینکوں میں سرمایہ منجمد کرنے کا حکم جاری کر دیا۔ پھر مارشل لاء کی قائم کردہ ایک کمیٹی نے نیشنل شپنگ کارپوریشن، پورٹ قاسم، اور کراچی پورٹ ٹرسٹ میں کروڑوں کی خرد برد کا سراغ لگا لیا۔ پھر میراج طیاروں کی خریداری میں کمیشن کی وصولی اور دیگر ذرائع سے قومی

Marfat.com

سرمائے کی لوٹ کھسوٹ کے واقعات کی تفصیلات منظر عام پر آنے لگیں۔

''قومی اتحاد کی مرکزی کونسل نے اپنے متفقہ پالیسی بیان میں کہا کہ قومی اتحاد احتساب کے عمل کا خیر مقدم کرتا ہے لیکن اس وجہ سے ہم انتخابات کا التوا نہیں چاہتے، اگر گوشواروں کی چھان بین کا کام 18 اکتوبر تک مکمل نہیں ہوتا تو بقیہ کام آنے والی منتخب حکومت پر چھوڑ دیا جائے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے بعض رہنماؤں نے بھی احتساب کی حمایت کی لیکن ان کا کہنا تھا کہ احتساب کا عمل پچھلی تمام حکومتوں تک وسیع کیا جانا چاہئے تاکہ یہ بھی معلوم ہو سکے کہ بعض فوجی افسر اس قدر دولت مند کس طرح بن گئے۔'' (سیاستدانوں کی جبری نااہلیاں ''احمد سلیم'')

اس کے ساتھ نواب محمد احمد خان کے قتل کیس کو نئے سرے سے زندہ کیا گیا اور اس میں جناب بھٹو کو نامزد کیا جانے لگا۔ پاکستان کی انٹیلی جنس ایجنسیاں حکومت کو یہ باور کرا چکی تھیں کہ انتخابات میں پیپلز پارٹی کی کامیابی کے واضح امکانات تھے چنانچہ انتخابات غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی کر دیئے گئے۔

Marfat.com

ایک متنازعہ مقدمہ

فوجی آمر جنرل ضیاء الحق نے اقتدار پر قبضہ کیا تو اس کا خیال تھا کہ وہ اپنے بعض اقدامات سے پاکستان پیپلز پارٹی کو کچلنے میں کامیاب ہو جائے گا لیکن جب اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تو اس نے جناب بھٹو کو سیاسی طور پر ہی نہیں جسمانی طور پر بھی رخصت کرنے کے لئے منصوبے بنانے شروع کر دیئے۔ جن مبصرین نے جناب بھٹو کے کیس کا مطالعہ کیا ہے وہ مسٹر بھٹو پر لگائے جانے والے الزامات کی نوعیت اور شہادت پر اور مقدمہ کے طریقہ کار پر شدید تنقید کی ہے۔ جناب بھٹو کے اپنی بیٹی بے نظیر بھٹو کے نام ایک طویل خط ''میری سب سے پیاری بیٹی'' کے مقدمہ نگار مسٹر یحییٰ بختیار لکھتے ہیں:

> امریکہ کے سابق اٹارنی جنرل مسٹر ریمسے کلارک نے جو پاکستان میں کئی روز تک ذاتی طور پر اپیل کی سماعت کے دوران عدالت میں موجود رہے 14 فروری 1979ء کو نیویارک ٹائمز کی رپورٹ کے مطابق تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ مسٹر بھٹو کے ساتھ ناانصافی ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ دونوں ہی میں ہوئی اور یہ کہ ان کے خلاف شہادت کی بنیاد پر وہ مجرم نہیں مانے جا سکتے تھے۔ نو ججوں پر مشتمل عدالت نے اپیل کی سماعت شروع کی لیکن نامعلوم وجوہات کی بنا پر دو جج موجود نہیں تھے جب سزائے موت کی توثیق تین ججوں کے فیصلہ کے خلاف چار ججوں نے کی۔ مسٹر ریمسلے کلارک نے کہا کہ ''اس طرح ایک ممکنہ پانچ چار کا منقسم فیصلہ جو بری اور رہا کر دینے کے حق میں ہوتا چار تین کے فیصلے میں تبدیل کر دیا گیا جو سزائے موت کے حق میں تھا۔''

آگے چل کر وہ لکھتے ہیں:

Marfat.com

''شہادت کی نوعیت انتہائی قابل اعتراض تھی استغاثہ کے گواہ مشکوک حیثیت کے تھے لیکن جو کام فوجیوں نے (جنہوں نے 5 جولائی کے فوجی انقلاب کے بعد پاکستان پر حکومت کی) پانچ ججوں کے لئے مقرر کیا تھا وہ بالکل واضح تھا کہ مسٹر بھٹو کو سیاسی منظر سے ہٹانا ہے۔''

9 جولائی 1977ء کو احمد رضا قصوری نے مقامی مجسٹریٹ لال محمد چوہان کی عدالت میں سابق وزیر اعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو اور بعض دیگر افسران کے خلاف ایک استغاثہ دائر کیا جسے فاضل مجسٹریٹ نے فوری طور پر سیشن سپرد کر دیا اور سیشن جج لاہور محمد حسن سندھڑ نے استغاثہ سماعت کے لئے ایڈیشنل سیشن جج شیخ مظفر حسین کی عدالت میں منتقل کر دیا۔ مسٹر احمد رضا قصوری کی طرف سے لیگل ایڈ کمیٹی قومی اتحاد کے چیئرمین مسٹر اسماعیل قریشی ایڈووکیٹ، راجہ افراسیاب ایڈووکیٹ اور مسٹر محمد انور ایڈووکیٹ پیش ہوئے استغاثہ کی طرف سے پیش کی گئی گواہوں کی فہرست میں بیگم نواب محمد احمد خان، بیگم آغا محمد مہدی خان، مولانا مفتی محمود، خان عبدالولی خان پروفیسر عبدالغفور اور نواب محمد اکبر بگٹی شامل تھے۔

وقوعہ کی تفصیل اس طرح ہے کہ 10 اور 11 نومبر 1974ء کی درمیانی رات خودکار ہتھیاروں سے مسلح ایف ایس ایف کی پارٹی نے احمد رضا خان قصوری کے والد کو قتل کر دیا۔ وہ ایک شادی کے تقریب میں شرکت کے بعد احمد رضا قصوری سمیت اپنے دیگر اہل خانہ کے ہمراہ واپس گھر جا رہے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ یہ حملہ احمد رضا قصوری پر کیا گیا تھا لیکن وہ اس کی زد میں آنے سے بچ گئے لیکن ان کے والد شدید زخمی ہو گئے اور انہوں نے یونائیٹڈ کرسچن ہسپتال پہنچ کر دم توڑ دیا۔ اس واقعہ کے بعد مسٹر احمد رضا قصوری نے تھانہ اچھرہ میں ایف آئی آر درج کروا دی اور اپنے والد کے قتل کی تمام ذمہ داری انہوں نے سابق وزیر اعظم مسٹر بھٹو پر ڈالی۔ اس وقت کے وزیر اعلیٰ پنجاب مسٹر حنیف رامے نے واقعہ کی عدالتی کارروائی کا حکم دے دیا اور ہائی کورٹ کے مسٹر جسٹس شفیع الرحمن نے اپنی تحقیقاتی رپورٹ 1975ء میں اس وقت کے گورنر پنجاب نواب صادق قریشی کو پیش کر دی۔ پولیس نے اس مقدمہ کی تفتیش کے بعد اپنی رپورٹ میں لکھا کہ

Marfat.com

ملزمان کا سراغ نہیں مل سکا اس لئے مقدمہ داخل دفتر کیا جاتا ہے۔

پاکستان میں مارشل لاء کے بعد مسٹر احمد رضا قصوری نے ایک مرتبہ پھر استغاثہ دائر کر دیا۔ اس کیس کی تیاری کس طرح کی گئی اس سلسلے میں ایک دلچسپ انکشاف ایم اے کے چوہدری نے کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

> ''جب بلاوجہ غیر معینہ مدت کے لئے انتخابات ملتوی کر دیئے گئے تو میں نے چیف منسٹریٹر سے اجازت لی اور حج کے لئے روانہ ہو گیا۔ مدینہ منورہ میں کرنل حسن جو اٹارنی جنرل کے ایڈیشنل سیکرٹری تھے مجھے ملے۔ حسن نے مجھے بتایا کہ بھٹو کے کیس کا تفتیشی افسر تفتیش کی فائل مکمل کر کے اٹارنی جنرل کے پاس آیا تاکہ ان کی رائے لی جائے۔ اٹارنی جنرل نے حسن کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ فائل کا مطالعہ کر کے اپنی رائے دے۔
>
> حسن نے فائل کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد رائے دی کہ اس کیس میں کوئی جان نہیں ہے اور یہ عدالت میں پیش کرنے کے قابل نہیں ہے۔ تفتیشی افسر یہ بات سن کر بہت ناراض ہوا، بات اٹارنی جنرل تک پہنچی جس نے کہہ دیا کہ اگر کرنل حسن کی رائے معتبر نہیں ہے تو کسی اور ماہر قانون سے رائے لے لی جائے چنانچہ اس طرح ایم انور بیرسٹر اس کیس میں شامل ہوئے۔
>
> انور کو ایک بار مسٹر بھٹو نے کسی سیاسی احتجاج پر جیل بھجوایا تھا، جیل کی صعوبت برداشت نہ کر سکنے پر انور نے تحریری معافی مانگ کر جان چھڑائی لیکن اس بات کا رنج اس کے دل میں رہا۔ بیرسٹر انور نے تحریر کے نقش سنوارے، نوک پلک درست کی، کچھ نکالا کچھ ڈالا، اور کیس سیشن جج کی عدالت میں پیش کر دیا گیا۔''

3 ستمبر کی صبح 4 بجے جناب بھٹو کو نواب محمد احمد خان کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا

Marfat.com

گیا۔ مسعود محمود جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ انتہائی بے ضمیر اور خود پسند تھا، تفتیش پر مامور افسران نے اسے یقین دلایا کہ مسٹر بھٹو اب نہ تو اقتدار میں آسکتے ہیں اور نہ ہی دنیا میں ان کے لئے کوئی جگہ ہے۔ چنانچہ وہ اس مقدمے کا سلطانی گواہ بن گیا اور اس نے مجسٹریٹ کے روبرو بیان دیا کہ جب وہ ایس ایف ایس کا ڈائرکٹر مقرر ہو گیا تو سابق وزیر اعظم بھٹو نے اسے طلب کر کے کہا کہ وہ سابق ایم این اے مسٹر احمد رضا قصوری سے بہت تنگ آچکے ہیں لہٰذا ان کا کام تمام کر دیا جائے۔

مسعود محمود کے بیان کے مطابق اس نے مسٹر بھٹو سے کہا کہ یہ ظلم ہے اور میں ایسا نہیں کر سکتا، اس پر وزیر اعظم بھٹو نے کہا کہ یہ کام تمہیں سرانجام دینا ہوگا جس پر میں نے یہ احکام ڈائرکٹر اپریشن مسٹر عباس کو پہنچا دیئے اور انہوں نے یقین دلایا کہ وزیر اعظم کو بتا دیں کہ وہ اس سلسلہ میں فکر نہ کریں۔

16 ستمبر کو نواب محمد احمد خان کے مقدمہ قتل کی سماعت کے لئے ہائی کورٹ کا فل بنچ تشکیل دے دیا گیا۔ فل بنچ قائم مقام چیف جسٹس مولوی مشتاق حسین مسٹر جسٹس ذکی الدین پال، مسٹر جسٹس آفتاب حسین، مسٹر جسٹس گلباز خان اور مسٹر جسٹس ایم ایس ایچ قریشی پر مشتمل تھا۔ مولوی مشتاق حسین چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ مسٹر بھٹو کے دور حکومت میں چیف جسٹس نہ بنائے جانے پر مسٹر بھٹو سے ناراض تھے اور یہ عہدہ انہیں مارشل لاء کے نفاذ کے بعد نصیب ہوا، چنانچہ انہوں نے یہ مقدمہ سیشن کورٹ سے اپنی عدالت میں منتقل کروایا اور اس کی سماعت کی۔

11 اکتوبر کو مسٹر بھٹو اور دیگر کے خلاف فرد جرم عائد کر دی گئی جس کے مطابق بھٹو نے 1974ء کے دوران سابق ڈائرکٹر ایف ایس ایف مسٹر محمود مسعود کے ساتھ مل کر مسٹر احمد رضا قصوری کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا جس کے نتیجے میں 9 اور 10 نومبر کی درمیانی رات احمد رضا قصوری کی کار پر خودکار اسلحہ سے فائرنگ کی گئی، جس کے نتیجے میں مسٹر احمد رضا قصوری کے والد ہلاک ہو گئے۔

25 جنوری 1978ء کو مسٹر بھٹو نے بند کمرے میں اپنا بیان ریکارڈ کرایا اور 18 مارچ 1978ء کو انہیں سزائے موت سنا دی گئی۔ بیگم نصرت بھٹو کو جنوری کے آخری ہفتے

Marfat.com

میں، جب مسٹر بھٹو نے اپنا بیان ریکارڈ کرایا، اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کے شوہر کو سزائے موت دی جانے والی ہے چنانچہ انہوں نے پیپلز پارٹی کی مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاس کی صدارت کے دوران جب اس مسئلے پر گرما گرم بحث ہو رہی تھی اس خدشے کا اظہار کیا کہ جنرل ضیاء الحق کی حکومت بھٹو کو راستے سے ہٹانے کی پالیسی پر گامزن ہے وہ پیپلز پارٹی کو بھی کچل دینا چاہتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ پیپلز پارٹی کے جاں نثار کارکنوں کو سڑکوں پر لایا جائے اگر ایسا نہ کیا گیا تو بہت دیر ہو جائے گی۔

بیگم بھٹو کو یقین تھا کہ جنرل ضیاء الحق سیاسی عمل بحال کر کے اقتدار کسی بھی سیاسی پارٹی کے حوالے کر دیں تو اس سے نہ صرف بھٹو کی جان بچ سکتی تھی بلکہ جمہوریت کی گاڑی بھی پٹری پر چڑھ سکتی تھی۔ یہی وجہ تھی بیگم نصرت بھٹو کی طرف سے جنرل ضیاء الحق سے انتخابات کرانے کا مطالبہ شدت سے کیا جانے لگا۔ لیکن جنرل ضیاء الحق بھٹو خاندان کو سیاست سے مکمل طور پر باہر کرنے پر تلے ہوئے تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب بھٹو خاندان مختلف جگہوں پر بکھرا ہوا تھا، بیگم نصرت بھٹو لاہور میں نظر بند تھیں، بے نظیر کراچی میں 70 کلفٹن پر نظر بند تھیں۔ مرتضیٰ بھٹو اور شاہنواز بھٹو اسلامی ممالک کے دورے پر تھے اور کوشش کر رہے تھے کہ اپنے والد کی جان بچانے کے لئے اسلامی ممالک کے سربراہوں سے پاکستان کی حکومت پر دباؤ ڈلوائیں اور وہ اس میں کامیاب بھی ہو گئے تھے لیکن پاکستان کی حکومت امریکہ کے دباؤ میں تھی اور مسٹر بھٹو کو ہر قیمت پر سزا دینا چاہتی تھی۔ سیاسی حلقوں میں یہ بات موضوع بحث بنی ہوئی تھی کہ لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مولوی مشتاق حسین بھٹو کو پھانسی دینا چاہتے ہیں اور وہی ہوا کہ 18 مارچ 1978ء کو بھٹو کو مجرم قرار دے کر سزائے موت سنا دی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ ہائی کورٹ کا فیصلہ سنائے جانے سے ایک دن پہلے جنرل ضیاء الحق کی میز پر موجود تھا اور جنرل ضیاء الحق اس کا مطالعہ کر چکے تھے۔

ہائی کورٹ کا فیصلہ بھٹو خاندان پر بجلی بن کر گرا، بیگم نصرت بھٹو کو اپنے دونوں بیٹوں کی کوششوں پر بھی بھروسہ تھا جو اسلامی ممالک کے دورے پر تھے اور اسلامی ریاستوں کے

Marfat.com

حکمرانوں کے ذریعے فوجی حکومت پر دباؤ ڈلوانے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ پھر امید کی ایک اور کرن باقی تھی وہ تھی سپریم کورٹ، شائد وہاں انصاف مل جائے اسی امید کے سہارے 25 مارچ 1978ء کو لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی گئی، جس کی سماعت یکم اپریل کو شروع ہوئی اور فروری 1979ء تک جاری رہی۔

اسی دوران جنرل ضیاء الحق نے وہ تمام سیاسی ہتھکنڈے استعمال کیے جو فوجی حکمران کیا کرتے ہیں یعنی سیاسی جماعتوں کی توڑ پھوڑ اور غیر معروف سیاستدانوں کی بھرپور حوصلہ افزائی۔ جنرل ضیاء الحق کی کوششوں سے مولانا کوثر نیازی پیپلز پارٹی کا ایک گروپ بنانے میں کامیاب ہو گئے جس کے وہ خود چیئرمین ہوئے اور کمال اظفر کو سیکرٹری جنرل منتخب کر لیا گیا۔ بے نظیر بھٹو جو کراچی میں نظر بند تھیں کو بھٹو سے ملاقات کے لئے کراچی سے راولپنڈی لایا گیا تو بھٹو نے بے نظیر سے کہا کہ وہ پارٹی کو منظم و متحد رکھنے کی کوشش جاری رکھیں کیوں کہ مولانا کوثر نیازی اور ان کے ساتھی پارٹی قیادت کے اہل نہیں ہیں۔

بے نظیر بھٹو نے اس مقصد کے لئے اپنی نظر بندی کو ہائی کورٹ میں چیلنج کر دیا، یہ ان کی خوش قسمتی ہی تھی کہ ان کی درخواست کی سماعت جسٹس فخر الدین جی ابراہیم کے حصے میں آئی جو ذوالفقار علی بھٹو کے پرانے دوست تھے ان کے ساتھ جسٹس اجمل میاں بھی بنچ میں شامل تھے جنہوں نے 14 جون 1978ء کو سنائے جانے والے اپنے فیصلے میں بے نظیر کی نظر بندی کو غیر قانونی قرار دے کر فوری رہائی کا حکم دے دیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جنرل ضیاء الحق نے آئندہ ایسے مسائل سے نپٹنے کے لئے بھٹو خاندان سے ہمدردی رکھنے والے ججوں کی ایک فہرست تیار کروالی۔

اسی دوران جناب بھٹو نے قید کی تنہائیوں میں بیٹھ کر اپنی بیٹی بے نظیر بھٹو کے نام ایک طویل خط لکھا جس میں انہوں نے بین الاقوامی سیاسی صورت حال جنوبی ایشیا کی سیاست اور پاکستان میں سیاست اور فوج کے کردار پر بحث کی ہے۔ اسی خط میں وہ موت کی کوٹھری میں سہولتوں کے فقدان اور اپنی حالت کے زار کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''میں جو کچھ لکھتا ہوں وہ کمزوریوں سے پر ہے، میں بارہ مہینے

Marfat.com

سے قید تنہائی میں ہوں اور تین مہینے سے موت کی کوٹھری میں ہوں اور تمام سہولتوں سے محروم ہوں۔میں نے اس خط کا کافی حصہ ناقابل برداشت گرمی میں اپنی ران پر کاغذ رکھ کر لکھا ہے۔میرے پاس حوالے دینے کوئی مواد یا لائبریری نہیں ہے، میں نے نیلا آسمان بھی شاذ ونادر ہی دیکھا ہے۔حوالہ جات چندان کتابوں سے لئے ہیں جن کو پڑھنے کی مجھے اجازت تھی اور ان اخبارات ورسائل سے لئے گئے ہیں جو تم یا تمہاری والدہ اس دم گھوٹنے والی کوٹھڑی میں مجھ سے ہفتہ میں ایک بار ملاقات کرنے کے وقت ساتھ لے کر آتی ہو۔میں اپنی خامیوں کے لئے بہانے نہیں تراش رہا ہوں لیکن اس قسم کے جسمانی اور ذہنی حالات میں گرتی ہوئی یادداشت پر بھروسہ کرنا بہت مشکل ہوا کرتا ہے۔''

اس دوران جنرل ضیاء الحق نے صدر پاکستان کا عہدہ بھی سنبھال لیا کیوں کہ انہیں خدشہ تھا کہ سپریم کورٹ کے سزا بحال رکھنے کے فیصلے کے خلاف بھٹو خاندان چوہدری فضل الٰہی سے رحم کی اپیل کرے گا اور وہ بھٹو کے پرانے ساتھی ہونے کے ناطے ان کی سزا معاف نہ کر دیں۔اس کے بارے میں سری لنکا کے سابق چیف جسٹس راجہ رتنم نے 2 فروری 1990ء کو اپنی ایک کتاب ''عدلیہ کا بحران'' کی تقریب رونمائی سے خطاب کے دوران تبصرہ کرتے ہوئے بجا طور پر کہا کہ'' بھٹو کو ہمدردی کی نہیں انصاف کی ضرورت تھی ان کے ساتھ ناانصافی ہوئی۔ان کا مقدمہ اس صدی کا سب سے قابل غور مقدمہ ہے۔''

ذوالفقار علی بھٹو کو سزائے موت دیئے جانے پر عالمی رہنماؤں نے بھٹو صاحب کی زندگی بچانے کے لئے جنرل محمد ضیاء الحق سے اپیلیں کیں۔

تنظیم آزادی فلسطین کے چیرمین یاسر عرفات نے 18 مارچ 1978ء کو جنرل ضیا الحق کے نام ایک تار بھیجا اور کہا کہ پاکستانی عوام اور فلسطین کی آزادی کی جنگ لڑنے والے فلسطینی عوام کے درمیان موجود بھائی چارے اور دوستی کے رشتوں کے نام پر سزائے موت ختم کر دی جائے۔انہوں نے کہا کہ انہوں نے مسٹر بھٹو کی سزائے موت کا فیصلہ اس بدبخت لمحے

Marfat.com

میں سنا جب وہ جنوبی لبنان کی عرب سرزمین پر ہونے والی صیہونی جارحیت کا مقابلہ کر رہے تھے۔یاسر عرفات نے سزائے موت کو بدلنے کے لئے جنرل ضیاء الحق کا پیشگی شکریہ بھی ادا کیا۔

عوامی جمہوریہ چین کے چیئر مین مسٹر ہوا کوفنگ نے مسٹر بھٹو کو سزائے موت دینے کے فیصلے پر گہری تشویش کا اظہار کیا اور کہا کہ مسٹر بھٹو پاک چین دوستی کے معمار ہیں اور گزشتہ دس برسوں میں انہوں نے دونوں ملکوں اور ان کے عوام کے درمیان تعلقات کو خوشگوار اور مستحکم بنانے میں جو عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں انہیں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

پیغام میں چین کے ساتھ مسٹر بھٹو کے پرانے رشتوں کا حوالہ دیا گیا تھا آنجہانی چیئر مین ماؤزے تنگ اور وزیراعظم چواین لائی مسٹر بھٹو کا بہت احترام کرتے تھے۔یہ مسٹر بھٹو کی تیس سالہ کوششوں کا ہی نتیجہ تھا کہ پاکستان اور چین کے درمیان تعلقات اس سطح پر پہنچ چکے ہیں پاکستان کے ہر حصے کے لوگ ان رشتوں کا دل سے احترام کرتے ہیں۔پیغام میں کہا گیا کہ چین میں مسٹر بھٹو کو بے حد احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔مسٹر بھٹو نے پاکستان کے وقار کو فروغ دینے کے لئے جو شاندار کردار ادا کیا ہے اگر اس کا احترام کرتے ہوئے ان کی سزائے موت کو ختم کر دیا جائے تو بیجنگ اس اقدام کو دونوں ملکوں کے درمیان دوستی کے جذبے کا احترام تصور کرے گا۔

لیبیا کے صدر معمر قذافی نے چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر کے نام اپنے خط میں لکھا کہ مقدمے کے قانونی وصف کو ایک طرف رکھتے ہوئے یہ سزا اخلاقی ،سیاسی یا سماجی طور پر قابل قبول نہیں ہے۔صدر قذافی نے مسٹر بھٹو کے جرأت مندانہ کردار کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد دنیائے اسلام میں ان کے کردار کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا یہ انہیں کی جرأت تھی کہ 1974ء میں لاہور میں اسلامی سربراہ کانفرنس کا انعقاد ممکن ہوا، مسٹر بھٹو اس کانفرنس کے ابھی تک چیئر مین ہیں۔

صدر قذافی نے کہا کہ مسٹر بھٹو وہ رہنما ہیں جنہوں نے ری پراسیسنگ پلانٹ کے سوال پر صرف امریکہ اور اس کے حواریوں سے ہی جنگ نہیں کی بلکہ دوسرے تمام چیلنجوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔انہوں نے اپنے دوسرے خط میں کہا کہ مسٹر بھٹو کو دی جانے والی سزائے

Marfat.com

موت پر عمل درآمد سے پاکستان کی سیاست میں ایک ایسی مثال قائم ہو جائے گی جس سے بعد میں کوئی بھی نہیں بچ سکے گا۔

سعودی عرب کے شاہ خالد نے مسٹر بھٹو کو سنائی جانے والی سزائے موت سے پاکستان میں پیدا ہونے والی صورت حال پر تشویش کا اظہار کیا اور سعودی عرب اور پاکستان کے درمیان گہرے دوستانہ تعلقات اور سعودی عرب اور اسلام کے لئے چیئرمین بھٹو کی شاندار خدمات کا بڑے واضح انداز میں ذکر کرنے کے بعد مسٹر بھٹو کی سزائے موت کو ختم کرنے کی اپیل کی۔

اس کے علاوہ بیسیوں رہنماؤں کے پیغامات تھے جو جنرل محمد ضیاء الحق کو موصول ہوئے لیکن ضیاء الحق ہر قیمت پر امریکہ کے حکم کی تعمیل کرنا چاہتے تھے۔

بھٹو کو سزائے موت دلانے کے لئے امریکہ کے کردار کے بارے میں ''حساس ادارے'' کے مصنف بریگیڈیئر ارشاد احمد ترمذی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

''جن دنوں سپریم کورٹ میں نواب محمد احمد خانؒ کے قتل کے الزام میں لاہور ہائی کورٹ سے دی جانے والی سزا کے خلاف مسٹر بھٹو کی اپیل پر بحث ہو رہی تھی ہمارے ایک دوست نے جسے آئی ایس آئی کے ٹیلک روم تک رسائی حاصل تھی مجھے MOST URGENT خصوصی کوڈ پیغام بھجوایا۔ پیغام کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے میں فوری طور پر طے شدہ مقام پر پہنچا۔ راولپنڈی کے راجہ بازار میں پرانے کپڑے فروخت کرنے والوں کی ایک فٹ پاتھ برانڈ مارکیٹ تھی جہاں اس وقت گاہکوں کا ہجوم تھا، میں نے دوست سے آنکھوں ہی آنکھوں میں گفتگو کی، اس نے ایک کاغذ ایک ریڑھی پر رکھے کوٹ کی جیب میں ڈال دیا۔ میں نے فوری طور پر وہ کوٹ خرید لیا اور وہ پرچہ لے کر ایک قریبی فوٹو کاپی کی دوکان پر پہنچا اور فوٹو کاپی کروا کر اصل پرچہ اسی انداز میں ایک دوسری ریڑھی پر پڑے ایک دوسرے کوٹ کی

Marfat.com

وساطت سے واپس کر دیا۔

میں فوری طور پر واپس اپنے دفتر آیا تا کہ اس پیغام کا متن صحیح طور پر پرکھا جا سکے۔ میں نے راستے میں بھی اس پیغام کو پڑھنے کی کوشش کی مگر صرف اتنا جان سکا کہ یہ واشنگٹن سے بھیجا ہوا ایک ٹیلی گرافک پیغام ہے۔ واپس آکر جب میں نے اس پیغام کو ڈی کوڈ کیا تو مجھے یہ جان کر سخت حیرت ہوئی کہ واشنگٹن سے پاکستان میں اپنے دفتر کو ہدایت کی گئی تھی کہ بھٹو کا پھانسی کے تختے تک پہنچنا یقینی بنایا جائے۔ اس پیغام میں بعض جنرل آفیسرز کی ریٹائرمنٹ اور تبادلوں کے بارے میں بھی ہدایات موجود تھیں۔

میرے لئے یہ پیغام انتہائی غم وغصے کا باعث تھا یہ پاکستان کے معاملات میں ایک طرح کی کھلی مداخلت کے مترادف تھا۔ ہمارے پاس بھٹو کیس میں امریکی مداخلت کے اور بھی کئی ثبوت تھے لیکن یہ پیغام بین الاقوامی سفارتی آداب کی خلاف ورزی کی انتہا تھی۔ امریکہ نے اپنے طور پر اس وقت بھٹو کی موت کا پروانہ جاری کر دیا تھا جبکہ ابھی ان کا کیس پاکستان کی اعلیٰ ترین عدالت میں حتمی فیصلے کا منتظر تھا۔ ہمارے پاس اس بات کے بھی ثبوت موجود تھے کہ بھٹو کے وکلاء لاہور کے فلیٹیز ہوٹل کے ایک کمرے میں بھٹو کے دفاع کے لئے جو پوائنٹس تیار کرتے تھے ان کی کاپی اگلے روز عدالت شروع ہونے سے پہلے سرکاری وکیل کے پاس پہنچ جاتی تھی۔

یہ ایک تکلیف دہ حقیقت تھی ہمارا عدالتی نظام بھی شائد انصاف کے تقاضے پورے نہیں کر رہا تھا۔ کم از کم اس وقت تو یہی معلوم ہو رہا تھا۔

بہرحال میں دفتر پہنچتے ہی سیدھا ڈائریکٹر جنرل انٹیلی جنس جنرل

Marfat.com

ریاض کے پاس گیا اور انہیں وہ پیغام دکھایا، انہوں نے اس پیغام کو بار بار پڑھا، ان کا خیال تھا کہ یہ پیغام خودساختہ اور مقامی طور پر تیار کیا ہوا ہے تاکہ ہمیں غلط راستے پر لگایا جائے تاہم یہ فیصلہ کرنا جنرل صاحب کے لئے بھی مشکل تھا کہ اس طرح کے پیغام سے کسی مقامی ادارے یا شخص کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے کیوں کہ یہ پیغام مدعی اور مدعا علیہ دونوں کے لئے کسی اہمیت کا حامل نہیں تھا۔ بہرحال خاصی گفتگو کے بعد ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ ہم پیغام اڑانے والے دوست سے اس کی صداقت کی مزید گواہی طلب کریں۔

میں نے رات گئے اسے بلوا لیا اور جنرل صاحب صبح کی سفیدی نمودار ہونے تک اس سے سوالات کرتے رہے۔ پیغام بالکل درست تھا اور اس کے باوجود کاغذ کا یہ ٹکڑا ہمارے لئے ایک معمہ بنا ہوا تھا۔ جنرل ریاض نے فیصلہ کیا کہ ہمیں کسی سپیشلسٹ سے رجوع کرنا چاہئے چنانچہ ہم دوسری صبح اسے لے کر جنرل جیلانی کے پاس پہنچے جو اس وقت سیکرٹری جنرل ڈیفنس تھے۔ انہوں نے اسے بغور دیکھا اور کہنے لگے "آئی ایس آئی والوں کو انتہائی محتاط رہنے کی ضرورت ہے غیر ملکی طاقتیں ہمارے معاملات میں غیر معمولی دلچسپی لے رہی ہیں۔"

جنرل جیلانی کے یہ الفاظ ہمارے ذہنوں کی وہ گرہیں نہ کھول سکے جنہیں لے کر ہم ان کے پاس گئے تھے۔ وہاں سے واپسی پر جنرل ریاض نے کہا کہ ہمیں اس کی قانونی حیثیت پر رائے حاصل کرنی چاہئے۔ مسٹر شمیم حسین قادری ان دنوں لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس تھے ان کے ساتھ ہمارے پرانے مراسم تھے اور مجھے ان کی ذہانت اور پیشہ وارانہ وقار پر پورا بھروسہ تھا۔ میں اگلی فلائٹ پر لاہور آیا اور انہیں یہ پیغام دکھایا وہ بھی یہ فیصلہ تو نہ کر پائے کہ یہ پیغام درست

Marfat.com

ہے یا خود ساختہ تاہم انہوں نے ان الفاظ میں اس معاملے پر اپنی رائے کا اظہار کیا۔

''قانونی طور پر ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی نہیں دی جا سکتی اول یہ کہ وہ اس قتل میں براہ راست ملوث نہیں ہیں، ثانیاً موت کی سزا متفقہ نہیں ہوگی۔ ججوں کی آراء میں واضح اختلاف لگتا ہے اور مجھے یقین ہے کہ عدالت عظمیٰ کے جج بھی متفقہ فیصلہ نہیں دیں گے۔''

چیف جسٹس کے یہ الفاظ مجھے قائل کرنے کے لئے کافی تھے اور مجھے یقین ہو گیا تھا کہ مسٹر بھٹو کو پھانسی دے دی جائے گی۔ اگر بھٹو قانونی طور پر موت کی سزا کے حقدار ہوتے تو اس پیغام کی ضرورت نہ تھی۔ یہ پیغام بلاشبہ بھٹو کے عدالتی قتل کا حکم نامہ تھا۔

جنرل ضیاء الحق ہائی کورٹ کے فیصلے کی طرح اس مرتبہ بھی فیصلہ سنائے جانے سے ایک روز پہلے فیصلے سے آگاہ ہو چکے تھے بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ تمام فیصلے جنرل ضیاء الحق کی زیر نگرانی لکھے جا رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ فیصلہ سنائے جانے سے ایک روز پہلے ملک بھر کے تمام تعلیمی ادارے بند کر دیئے گئے اور بیگم نصرت بھٹو کو گرفتار کر لیا گیا۔ سزائے موت بحال رکھنے کے فیصلے کے بعد بیگم نصرت کی بھٹو سے جیل میں ملاقات کرائی گئی جہاں انہوں نے بھٹو کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ سپریم کورٹ میں نظر ثانی کی درخواست کریں مسٹر بھٹو اس بات پر راضی نہ تھے کیوں کہ ان کا خیال تھا کہ جنرل ضیاء الحق ان اپیلوں کو کبھی بھی بار آور ثابت نہیں ہونے دیں گے لیکن یحییٰ بختیار کا اصرار تھا کہ نظر ثانی کی اپیل دائر کر کے کچھ وقت حاصل کر کے بین الاقوامی دباؤ کے ذریعے جنرل ضیاء الحق کو اس بات پر مجبور کیا جائے کہ وہ بھٹو کی سزائے موت کو عمر قید میں بدل دیں۔ لیکن یہ منصوبہ بندی صرف چند سیکنڈ میں ملیامیٹ ہو گئی جب سپریم کورٹ کے چیف جسٹس شیخ انوار الحق نے نظر ثانی کی اپیل فوراً ہی مسترد کر دی۔

بھٹو خاندان ذاتی طور پر جنرل ضیاء الحق کے سامنے رحم کی اپیل کرنے کے حق میں نہیں تھا کیوں کہ جنرل ضیاء الحق ان کی رحم کی اپیل حقارت سے ٹھکرا دیتے لیکن بھٹو کی بہن شیر بانو امتیاز

Marfat.com

نے بھائی کی محبت سے مغلوب ہو کر اپنے طور پر جنرل ضیاء الحق کے سامنے رحم کی اپیل کر دی جسے جنرل ضیاء الحق نے 3 اپریل کو مسترد کر دیا۔ اسلام آباد کے سیاسی حلقوں میں اس فیصلے کی سرگوشیاں سنائی دے رہی تھیں لیکن باقی ملک کے عوام اس فیصلے سے بے خبر تھے کہ 4 جولائی کی صبح مسٹر بھٹو کو پھانسی دی جا رہی ہے۔ عوام کو اس وقت پتہ چلا جب ملک بھر میں اخبارات کے ضمیمے فروخت ہونا شروع ہو گئے۔

جنوبی ایشیا کے ایک عظیم رہنما، تیسری دنیا کے رہبر اور پاکستانی ایٹمی پروگرام کے بانی کو 4 جولائی کی رات پھانسی دے دی گئی۔ 4 اپریل کو ایک خصوصی طیارے کے ذریعے بھٹو کی میت کو لاڑکانہ لایا گیا اور انہیں خاموشی سے ان کے والد کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ ظلم بات تو یہ ہے کہ اس عظیم قائد کے بیوی بچوں کو ان کا آخری دیدار تک کرنے کی اجازت نہ دی گئی۔ قدرت کا انتقام کتنا بھیانک ہوتا ہے اس کا نظارہ دنیا نے سانحہ بہاولپور کی شکل میں دیکھا جب پاکستان کی سیاسی تاریخ کے گیارہ سالوں کو تاریک رکھنے والا آمر مطلق اپنے انجام کو پہنچا۔

☆☆☆

Marfat.com

بیگم نصرت بھٹو

بھٹو خاندان کی قربانیوں کا ذکر جب بھی کیا جائے گا بیگم نصرت بھٹو کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکے گا بھٹو فیملی کی تمام قربانیوں کا دکھ اپنی جان پر جھیلنے والی بیگم نصرت بھٹو کی زندگی میں ان کے شوہر ذوالفقار علی بھٹو کو ایک متنازعہ مقدمے میں پھانسی دے کر شہید کیا گیا، سب سے چھوٹے بیٹے شاہنواز بھٹو کو زہر دے کر شہید کر دیا گیا، بڑے بیٹے مرتضٰی بھٹو کو ایک پراسرار پولیس مقابلے میں شہید کر دیا گیا اور اب سب سے بڑی بیٹی بے نظیر بھٹو کو راولپنڈی کے لیاقت باغ میں دہشت گردی کی واردات میں شہید کر دیا گیا۔

بیگم نصرت بھٹو بننے سے قبل ان کا نام نصرت اصفہانی تھا جو کراچی میں مقیم ایک ایرانی تاجر کی بیٹی تھیں۔ ان کی ذوالفقار علی بھٹو سے پہلے ملاقات کراچی کے ایک بینک میں اور دوسری ملاقات شادی کی ایک تقریب میں ہوئی۔ اس وقت بھٹو صاحب امریکہ میں زیر تعلیم تھے دو سال بعد جب ذوالفقار علی بھٹو واپس آئے تو پھر ملاقاتیں ہونے لگیں جو دونوں کی شادی پر منتج ہوئیں۔ شادی کی تجویز پر پہلے تو نصرت کے خاندان نے ایرانی النسل ہونے کی وجہ سے انکار کر دیا لیکن بعد میں راضی ہو گئے اور یوں نصرت اصفہانی بھٹو خاندان کی بہو بن گئیں۔ 8 ستمبر 1951ء کو شروع ہونے والا زندگی کا یہ سفر نصرت بھٹو کو خاتون اول کے منصب تک لے گیا اور پھر 4 اپریل 1979ء کو بھٹو کو پھانسی کے ساتھ یہ سفر انجام پذیر ہوا۔

ذوالفقار علی بھٹو کی پہلی شادی 13 برس کی عمر میں اپنی کزن شیریں سے ہوئی جو بعد میں امیر بیگم کے نام سے مشہور ہوئیں۔ وہ عمر میں جناب بھٹو سے کافی بڑی تھیں اور ان سے کوئی اولاد بھی نہیں تھی چنانچہ انہوں نے بخوشی جناب بھٹو کو دوسری شادی کی اجازت دے دی۔ ذوالفقار علی بھٹو اور نصرت بھٹو کی شادی کے بعد امیر بیگم پس منظر میں چلی گئیں اور 2003ء میں اپنی وفات

Marfat.com

تک انہوں نے گھریلو زندگی گزاری۔ ذوالفقار علی بھٹو اور نصرت بھٹو کے ہاں 1953ء میں بیٹی نے جنم لیا جس کا نام بے نظیر رکھا گیا۔ بے نظیر دراصل جناب بھٹو کی ایک بہن کا نام تھا جس سے انہیں بڑی محبت تھی اور وہ نوعمری میں ہی فوت ہو گئی تھی۔ اپنی اس بہن کی یاد کو تازہ رکھنے کے لئے انہوں نے اپنی بڑی بیٹی کا نام بے نظیر رکھا۔ 1954ء میں مرتضیٰ بھٹو، 1957ء میں صنم بھٹو اور 1958ء میں شاہنواز بھٹو پیدا ہوئے۔ 1972ء سے 1977ء تک نصرت بھٹو پہلے بطور بیگم صدر پاکستان اور بعد ازاں بطور بیگم وزیراعظم پاکستان ملک کی خاتون اول رہیں۔

بیگم نصرت بھٹو کے لئے پریشانیوں کا دور اس وقت شروع ہوا جب 5 جولائی 1977ء کو جنرل محمد ضیاء الحق نے بھٹو حکومت برطرف کر کے اسمبلیاں توڑ دیں اور ملک میں مارشل لاء لگا دیا۔ چند ماہ بعد نواب محمد احمد خان کے لاہور میں ہونے والے قتل کیس کا ٹرائل شروع ہوا جس کی ایف آئی آر میں نواب محمد احمد خان کے بیٹے اس وقت کے رکن قومی اسمبلی احمد رضا قصوری نے بھٹو کا نام بھی بطور ملزم درج کرایا تھا۔ اس کیس میں لاہور ہائی کورٹ نے جناب بھٹو کو سزائے موت سنا دی اور بھٹو صاحب کو کال کوٹھری میں منتقل کر دیا گیا۔

سپریم کورٹ نے ہائی کورٹ کے اس فیصلے کو برقرار رکھا تو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء الحق نے دنیا بھر خصوصاً عالم اسلام کے تمام بڑے لیڈروں کی طرف سے رحم کی اپیلیں مسترد کرتے ہوئے بھٹو صاحب کو تختہ دار تک پہنچا دیا۔ بیگم نصرت بھٹو ہی جانتی ہیں کہ وہ ذوالفقار علی بھٹو جن کے ساتھ انہوں نے ایوان صدر اور وزیراعظم ہاؤس میں بطور خاتون اول یادگار دن گزارے تھے انہیں جیل کی کال کوٹھری میں دیکھ کر ان پر کیا بیتی ہو گی اور پھر وہ بدقسمت دن بھی آیا جب نصرت بھٹو نے ذوالفقار علی بھٹو سے آخری ملاقات کی اور 4 اپریل 1979ء کو انہیں پھانسی دے دی گئی۔ جناب بھٹو کی میت کو ایک سی 130 طیارے کے ذریعے گڑھی خدا بخش پہنچایا گیا اور صرف چند افراد کی موجودگی میں سخت فوجی پہرے میں تدفین کا عمل مکمل کیا گیا اور طویل عرصہ کے لئے قبر پر پہرہ لگا دیا گیا۔

خاوند کی پھانسی کے بعد بیگم نصرت بھٹو پارٹی کی چیئرپرسن بن گئیں اور اسے منظم کرنے کی کوششوں میں لگ گئیں۔ بعد ازاں بیگم نصرت بھٹو بچوں کے ہمراہ لندن منتقل ہو گئیں۔ انہیں

Marfat.com

دوسرا بڑا صدمہ 1985ء میں دیکھنا پڑا جب ان کے سب سے چھوٹے بیٹے شاہنواز بھٹو کو صرف 27 سال کی عمر میں پیرس میں زہر دے کر قتل کر دیا گیا۔ اپریل 1986ء میں بے نظیر بھٹو کی وطن واپسی کے بعد نصرت بھٹو کے لئے حالات بہت ہونا شروع ہو گئے۔ 1988ء کے انتخابات میں بیگم نصرت بھٹو رکن قومی اسمبلی منتخب ہوئیں۔ 1977ء میں رنج وغم کے ایک طویل دور کے بعد بیگم نصرت بھٹو کی زندگی کا عروج تھا۔ انہوں نے 1990ء میں حکومت کے خاتمے کے بعد 1993ء میں اپنی بیٹی کے دوبارہ وزیراعظم بننے کی خوشی بھی دیکھی۔

بڑے بیٹے مرتضٰی بھٹو کی وطن واپسی کے بعد نصرت بھٹو ان کے زیادہ قریب ہو گئیں تو بیٹی سے ان کے اختلافات بڑھنے لگے اور ہوتے ہوتے کشیدگی کی صورت اختیار کر گئے۔ 1996ء میں مرتضٰی بھٹو کا قتل بیگم نصرت بھٹو کے لئے بدقسمت ترین لمحہ تھا کہ اس وقت جو دور ابتلا شروع ہوا تو وہ آج تک ختم نہیں ہوا۔ ایک ماں کے لئے اس سے بڑی بدقسمتی اور پریشانی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کی بیٹی ملک کی وزیراعظم تھی کہ بیٹا پولیس مقابلے میں قتل ہو گیا اور اس قتل کی منصوبہ بندی کا الزام بھی مخالفین نے وزیراعظم بیٹی کے خاوند آصف علی زرداری پر لگا دیا اور پھر بیٹی کی وزارت عظمٰی بھی نہ رہی۔

بے نظیر بھٹو کی حکومت کی برطرفی پر جو الزامات کی چارج شیٹ پیش کی گئی اس میں مرتضٰی بھٹو کا قتل بھی شامل تھا۔ بیٹے کے قتل کے بعد نصرت بھٹو اور بے نظیر بھٹو کے درمیان دوریاں کم ہونے لگیں اور پھر دونوں نے ایک دوسرے کو قبول کر لیا۔ شائد بڑھتی ہوئی عمر اور گرتی ہوئی صحت اور صدموں کے بڑھتے ہوئے بوجھ کی وجہ سے نصرت بھٹو کے پاس کوئی اور چارہ بھی نہیں تھا۔ 1999ء میں بے نظیر بھٹو کی جلاوطنی کے بعد نصرت بھٹو بھی ان کے ہمراہ دبئی میں مقیم ہو گئیں اور آہستہ آہستہ سیاسی منظر سے غائب ہو گئیں۔

میاں نواز شریف کے دور حکومت میں بیگم نصرت بھٹو کے خلاف ڈیڑھ ارب ڈالر کے ناجائز اثاثہ جات کا ریفرنس دائر ہوا۔ یہ رقم موجودہ کرنسی ریٹ کے مطابق ایک کھرب روپے کے قریب بنتی تھی۔ 18 نومبر 2000ء کو احتساب عدالت نے بیگم نصرت بھٹو کو اس ریفرنس میں دو سال سزائے قید اور جائیداد ضبط کرنے کی سزا سنائی اور کسی داخل دفتر کر دیا۔

Marfat.com

17 مارچ 2003ء کو پیپلز پارٹی پارلیمنٹرین کے سربراہ مخدوم امین فہیم نے میڈیا کو بتایا کہ بیگم نصرت بھٹو کے کولہے کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے اور وہ ہسپتال میں زیر علاج ہیں۔ اب کی تشویش ناک حالت کے پیش نظر لندن میں مقیم صنم بھٹو کو بھی دبئی بلا لیا گیا اور آصف علی زرداری جو کہ پاکستان میں زیر حراست تھے انہیں رہا کرنے کی اپیل کی گئی۔ اس کے بعد بیگم نصرت بھٹو ایک مرتبہ دیا اور اس کا ٹرائل احتساب عدالت لاہور میں شروع کیا گیا۔

ناجائز اثاثہ جات کے اس ریفرنس کی 19 اکتوبر 2005ء کو ہونے والی سماعت کے دوران عدالت نے وکیل میاں جہانگیر سے بیگم نصرت بھٹو کا وکالت نامہ طلب کیا تو انہوں نے بتایا کہ بیگم نصرت بھٹو اتنی بیمار رہیں کہ وکالت نامہ پر دستخط نہیں کر سکتیں، نصرت بھٹو یادداشت کھو چکی ہیں، وہ خود چل پھر نہیں سکتیں نہ کھانا کھا سکتی ہیں۔ انہیں یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ انہیں کیا چوٹ لگی ہے۔ فاروق ایچ نائیک نے عدالت میں موقف اختیار کیا کہ ذہنی بیمار شخص کے خلاف عدالت کوئی کارروائی نہیں کر سکتی حتیٰ کہ دانستہ روپوشی کی سزا بھی نہیں دی جا سکتی۔ اس بیان کی بنیاد پر یہ کیس دوبارہ 5 جنوری 2006ء کو داخل دفتر کر دیا گیا اس کے بعد سے پھر بیگم نصرت بھٹو کی صحت کے حوالے سے کوئی بات سامنے نہیں آئی۔

کبھی کبھار پریس کے ذرائع سے خبریں آتی ہیں کہ ان کی صحت انتہائی مخدوش ہے اور پیپلز پارٹی کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ وہ بخیریت ہیں۔ 27 دسمبر 2007ء یقینی طور پر بیگم نصرت بھٹو کی زندگی کا المناک ترین دن ہوگا جب محترمہ بے نظیر بھٹو کو لیاقت باغ میں دہشت گردی کی واردات میں شہید کر دیا گیا یہ خبر بیگم نصرت بھٹو نے کیسے سنی اس بارے میں کسی کو کچھ معلوم نہیں اور کسی کو یہ بھی علم نہیں کہ نصرت بھٹو یہ خبر سننے اور اس پر ردعمل ظاہر کرنے کی پوزیشن میں بھی ہیں یا نہیں۔

☆☆☆

Marfat.com

میر مرتضیٰ بھٹو کی شخصیت

میر مرتضیٰ بھٹو 1954ء میں لاڑکانہ میں پیدا ہوئے۔ میر مرتضیٰ بھٹو کا نام ان کے دادا سر شاہنواز بھٹو نے اپنے والد میر غلام مرتضیٰ کے نام پر رکھا اور ان کے بھائی شاہنواز جنہیں 1985ء میں پیرس میں شہید کیا گیا تھا اپنے دادا کے انتقال کے بعد پیدا ہوئے تو شہید ذوالفقار علی بھٹو نے ان کا نام اپنے والد سر شاہنواز کے نام پر رکھا جب کہ بے نظیر کا نام ان کی پھوپھی کے نام پر رکھا گیا۔

میر مرتضیٰ بھٹو نے ابتدائی تعلیم کراچی گرائمر سکول سے حاصل کی جس کے بعد کانونٹ سکول اسلام آباد اور پھر لندن میں تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے ہاورڈ یونیورسٹی سے پولیٹیکل سائنس ان گورنمنٹ اسٹڈیز میں گریجوایشن کی ڈگری اور لٹریچر میں ماسٹرز کی ڈگری آکسفورڈ یونیورسٹی سے حاصل کی۔ انہوں نے جدید سائنسی علوم کے سلسلے میں ایٹمی استعداد پر پی ایچ ڈی کے لئے مقالہ لکھا جو کرائسٹ چرچ آکسفورڈ میں جمع کرا دیا گیا تھا لیکن انہیں پی ایچ ڈی کی ڈگری نہیں مل سکی۔

جولائی 1977ء میں ملک میں مارشل لاء کے نفاذ کے بعد اگست 1977ء سے انہوں نے جلاوطنی کی زندگی کے دوران افغانستان، لیبیا، شام، فرانس اور دیگر ممالک میں گزار دیئے۔ اپنے والد ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی کے وقت وہ لندن میں تھے جہاں انہوں نے ضیاء الحق کی حکومت کے خلاف مظاہرے بھی کرائے۔ 1980ء میں وہ افغانستان چلے گئے جبکہ 1981ء میں پی آئی اے کے طیارے کا واقعہ رونما ہوا جس کے بعد وہ دمشق چلے گئے۔

اپنی جلاوطنی کے دور میں انہوں نے متعدد اہم عالمی رہنماؤں سے ملاقاتیں کیں اور پاکستان کی سیاست کے اتار چڑھاؤ کا بغور مطالعہ کرتے رہے۔ میر مرتضیٰ بھٹو کو اردو اور انگریزی زبان پر مکمل عبور حاصل تھا جبکہ سندھی ان کی مادری زبان تھی۔ اس کے علاوہ عربی، فارسی اور

Marfat.com

فرانسیسی بھی بول اور سمجھ لیتے تھے۔

میر مرتضیٰ بھٹو نے اکتوبر 1993ء میں ملک سے باہر رہتے ہوئے صوبائی اسمبلی کے الیکشن میں کامیابی حاصل کی تھی۔نومبر 1993ء میں وہ ابوظہبی کے امیر کے خصوصی طیارے کے ذریعے وطن واپس آئے اور کراچی پہنچتے ہی انہیں گرفتار کرلیا گیا بعد میں ضمانت پر ان کی رہائی عمل میں آئی۔وہ ایک عرصے تک اپنے خلاف قائم مقدمات کا سامنا کرتے رہے۔18 ستمبر کو اپنی پارٹی کے رہنما علی احمد سونارا کی گرفتاری کے خلاف انہوں نے سی آئی اے سنٹر کراچی میں مبینہ طور پر مسلح افراد کے ہمراہ چھاپہ مارا جس کے بعد 19 ستمبر 1996ء کو ان کے خلاف مقدمات درج کئے گئے۔20 ستمبر کو ساڑھے آٹھ بجے رات کلفٹن میں ان کے گھر کے قریب ''پولیس مقابلہ'' ہوا اور رات بارہ بجکر دس منٹ پر مڈایسٹ میڈیکل سنٹر میں اپریشن ٹیبل پر ان کا انتقال ہوگیا۔

☆☆☆

Marfat.com

''الذوالفقار'' کا قیام اور سرگرمیاں

جس زمانے میں ذوالفقار علی بھٹو کو جیل میں سزائے موت کا سامنا تھا ان کے دونوں بیٹے اپنے والد کی جان بچانے کے لئے اسلامی ممالک کے سربراہوں کے ذریعے ضیاء الحق پر دباؤ ڈال رہے تھے۔ فوج کی سخت نگرانی کے باوجود بھی شاہنواز اور مرتضٰی دمشق سے کوئی نہ کوئی پیغام بھیج دیا کرتے تھے جس سے نصرت بھٹو اور بے نظیر بھٹو کو کافی تسلی ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ 5 جون 1978ء کو بیگم نصرت بھٹو کی ان کے شوہر سے ملاقات کرائی گئی بیگم نصرت بھٹو کے پاس بعض ایسے پیغامات تھے جو انہیں مرتضٰی اور شاہنواز نے اپنے جانثار ساتھیوں کے ذریعے فوجی حکام کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ان تک پہنچائے تھے۔ بیگم صاحبہ جب جیل پہنچیں تو فوجی انتظامیہ نے ان کی تلاشی لینے کی کوشش کی جس پر وہ غصے میں آگئیں کیوں کہ تلاشی لئے جانے کی صورت میں بہت سے راز فاش ہو جاتے۔ لہٰذا انہوں نے اس روز جناب بھٹو سے ملاقات نہ کی۔ انہی دنوں مرتضٰی بھٹو کا راؤ رشید سے بھی رابطہ تھا جس کی وجہ سے 5 جون 1978ء کو انہیں ان کی اہلیہ سمیت گرفتار کر کے ڈسٹرکٹ جیل اٹک بھیج دیا گیا۔

مرتضٰی بھٹو نے 1977ء کے بعد افغانستان، لیبیا، شام۔ سعودی عرب، متحدہ عرب امارات کا دورہ کیا۔ ان کا یہ دورہ خاصہ کامیاب بھی رہا کیوں کہ اسلامی ممالک کی انٹیلی جنس ایجنسیوں اور حکومتوں نے انہیں ہر قسم کی مدد فراہم کی۔ مرتضٰی بھٹو کا منصوبہ یہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح کوٹ لکھپت جیل سے اپنے والد کو جیل توڑ کر آزاد کرا لیا جائے لیکن اس سے پہلے میر مرتضٰی بھٹو اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہناتے اس کی خبر جنرل ضیائے الحق کو مل گئی اور 18 مئی 1978ء کو رات کی تاریکی میں ہیلی کاپٹر کے ذریعے بھٹو صاحب کو کوٹ لکھپت جیل سے ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی منتقل کر دیا گیا۔

جناب بھٹو کی زندگی کے آخری ایام میں جب بیگم نصرت بھٹو اپنے دونوں بیٹوں کو واپس لانا چاہتی تھیں تا کہ وہ اپنے والد سے آخری ملاقات کر لیں اور ان کی میت کو کندھا دے سکیں

Marfat.com

تو بھٹو نے انہیں منع کر دیا اور نصرت بھٹو سے کہا ''مرتضیٰ اور شاہنواز سے کہو کہ وہ پاکستان نہ آئیں۔'' انہوں نے بے نظیر بھٹو اور بیگم نصرت بھٹو کو اپنے دونوں صاحبزادوں کے بارے میں بعض ہدایات دی تھیں اور خاص طور پر یہ کہا تھا کہ ان کے بیٹے جنرل ضیاء الحق کی زندگی میں وطن واپس نہ آئیں کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ جنرل ضیاء الحق نہ صرف ان کے قتل کا ارادہ کر چکا ہے بلکہ وہ ان کے خاندان کو بھی ختم کرنے کے درپے ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ شاہنواز نے مارچ 1979ء میں ''پاکستان لبریشن آرمی'' کے نام سے ایک تنظیم قائم کر لی تھی جس کے روح رواں مرتضیٰ بھٹو تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو جانتے تھے کہ ان کے بیٹے جس کام میں ہاتھ ڈال چکے ہیں وہ خطرناک ہے اور مارشل لاء حکام ان کو نہیں چھوڑیں گے۔ ذوالفقار علی بھٹو کو جنرل ضیاء الحق نے امریکی حکم پر 4 اپریل کو پھانسی دے دی یہ خبر علی الصبح جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ کتنے ظلم کی بات ہے کہ جب جناب بھٹو کو پھانسی دی گئی اور ان کی میت لاڑکانہ پہنچائی گئی تو اس وقت ان کے اہل خانہ میں سے کوئی بھی وہاں موجود نہیں تھا۔ بیگم نصرت بھٹو اور بے نظیر بھٹو کو نظر بند کر دیا گیا تھا اور مرتضیٰ اور شاہنواز جلاوطنی کی زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔

مرتضیٰ بھٹو اور شاہنواز بھٹو جنرل ضیاء الحق کو اپنے والد کا قاتل سمجھتے تھے اور انہوں نے انتقام لینے کے لئے 1980ء میں پاکستان لبریشن آرمی کا نام تبدیل کر کے ''الذوالفقار'' رکھ دیا اور جو بعد میں بھٹو شہید گروپ کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس تنظیم نے پاکستان کی فوجی عدالتوں کے شکنجے سے بچ جانے والے پیپلز پارٹی کے کارکنوں کو افغانستان، شام اور دیگر ممالک میں گوریلہ تربیت دینے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس دوران ضیاء الحق کے خلاف دو ناکام بغاوتیں ہوئیں اور درجنوں جونیئر افسروں کا کورٹ مارشل کر کے سزائیں دی گئیں۔ مرتضیٰ اور شاہنواز کی سرگرمیاں جنرل ضیاء الحق کے علم میں بھی تھیں انہیں انٹیلی جنس ایجنسیوں کے ذریعے خبر مل گئی تھی کہ شاہنواز اور مرتضیٰ نے ان کے قتل کا منصوبہ بنا رکھا ہے اور ان کا زیادہ تر ان طالب علموں اور دانشوروں سے رابطہ ہے جو 1977ء کے بعد لندن یا امریکہ فرار ہو گئے تھے اور ان میں وہ افراد بھی شامل تھے جو مختلف مقدمات میں مارشل لاء حکام کو مطلوب تھے۔ چنانچہ جنرل ضیاء الحق نے ہنگامی بنیادوں پر آئی ایس آئی اور ملٹری انٹیلی جنس کے ذریعے بعض ایسے کارکنوں کی خدمات حاصل کیں جن کے خلاف قتل و غارت گری کے الزام میں مقدمات چل رہے تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے انٹیلی جنس ایجنسیوں کے تربیت یافتہ عملے کو لندن، شام، بھارت اور فلسطین بھیجا جہاں

Marfat.com

وہ کسی نہ کسی طرح مرتضٰی اور شاہنواز تک رسائی حاصل کر کے ''الذوالفقار'' میں شمولیت اختیار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس طرح جنرل ضیاء الحق ''الذوالفقار'' میں نقب لگائی اور الذوالفقار کے خفیہ منصوبے ان ایجنٹوں کے ذریعے آرمی ہاؤس پہنچنا شروع ہو گئے۔ مرتضٰی بھٹو اور شاہنواز بھٹو بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ جنرل ضیاء الحق نے ان کی صفوں میں اپنے ایجنٹ شامل کر دیئے ہیں اور اس مقصد کے لئے انہوں نے ایک پرائیویٹ سراغرساں ادارہ قائم کر لیا تھا جس کے فرائض میں خاص طور پر یہ شامل تھا کہ الذوالفقار میں شامل افراد پر کڑی نظر رکھیں۔ اس دوران مرتضٰی بھٹو نے کئی جعلی منصوبے بھی تیار کئے جو عمل درآمد کرنے کے لئے نہیں ہوتے تھے بلکہ ان کا مقصد ضیاء الحق کی آنکھوں میں دھول جھونکنا تھا اور وہ اس میں کامیاب بھی رہے کیوں کہ یہ بوگس منصوبے ٹاپ سیکرٹ فائلوں کی شکل میں جنرل ضیاء الحق تک پہنچتے رہے۔ جنرل ضیاء الحق کا معمول تھا کہ وہ مرتضٰی بھٹو اور شاہنواز بھٹو کی سرگرمیوں سے متعلق انٹر سروسز انٹیلی جنس (آئی ایس آئی) اور ملٹری انٹیلی جنس کی طرف سے تیار کی گئی رپورٹوں پر جرنیلوں کی رائے لیا کرتے تھے۔ ان میں سے بہت سی رپورٹیں ایسی ہوتی تھیں جن میں کہا گیا ہوتا تھا کہ مرتضٰی بھٹو اور شاہنواز بھٹو کے تربیت یافتہ کمانڈوز جلد پاکستان میں داخل ہو کر فوجی قیادت کو قتل کرنے والے ہیں حالانکہ ان رپورٹوں کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا ایسی رپورٹیں مرتضٰی بھٹو صرف فوجی حکومت سے اپنے حقیقی منصوبوں کو خفیہ رکھنے کے لئے جعلی رپورٹوں میں مصروف کر دیتے تھے۔ اس زمانے میں مصر، شام اور لیبیا میں پاکستانی سفارتخانوں میں خصوصی طور پر حساس اداروں کے اہلکاران عہدوں پر تعینات کئے جاتے تھے جو عہدے وزارت خارجہ سے تعلق رکھنے والے افسران کے لئے مخصوص ہوتے تھے۔ یہ پاکستانی سفارت کار مرتضٰی اور شاہنواز کی سرگرمیوں پر خصوصی نظر رکھتے تھے اور کوئی دن ایسا نہیں ہوتا تھا جب ضیاء الحق کو مرحوم بھٹو کے صاحبزادوں کی سرگرمیوں کے بارے میں رپورٹیں نہ ملتی ہوں۔ انہی دنوں کراچی یونیورسٹی سے تعلق رکھنے والے درجنوں طالب علموں کو افغانستان میں تربیت دی جا رہی تھی اور مرتضٰی کا ایسے طالب علموں سے ہر وقت رابطہ رہتا تھا۔

''الذوالفقار'' کے منصوبے کے مطابق 2 مارچ 1981 کو سلام اللہ ٹیپو اور ان کے ساتھیوں نے پی آئی اے کا طیارہ اغوا کر کے کابل پہنچا دیا۔ اس طیارے میں 148 مسافر سوار تھے۔ کہا جاتا ہے کہ کابل کے ہوائی اڈے پر سب سے پہلے ہائی جیکروں کا استقبال مرتضٰی بھٹو نے کیا اور ان میں سے ایک کو گلے سے لگا کر شاباش دی۔ سلام اللہ ٹیپو نے جو خود کو عالمگیر کے فرضی نام سے متعارف کراتا

Marfat.com

تھا اعلان کیا کہ ان کا تعلق دہشت پسند تنظیم ''الذوالفقار'' جسے مرتضیٰ بھٹو کی پاکستان واپسی کے بعد ''پیپلز پارٹی بھٹو شہید گروپ'' میں تبدیل کر دیا گیا تھا اور ابتداء میں اس کا نام پاکستان لبریشن آرمی رکھا گیا تھا اور میر مرتضیٰ بھٹو اس کے سیکرٹری جنرل ہیں۔ لندن کے ایک اخبار گارڈین نے لکھا کہ مرتضیٰ بھٹو اور کارلو کی ملاقات افریقہ کے ایک عرب ملک (لیبیا) میں ہوئی اور اس ملک کے سربراہ نے ہی اس ملاقات کا اہتمام کیا تھا بعد میں کارلو کا نمائندہ لندن میں مرتضیٰ بھٹو سے ملنے گیا۔ اس دوران ضروری تیاریوں کے لئے مرتضیٰ بھٹو نے جن شہروں کا دورہ کیا ان میں کابل اور دمشق خاص طور پر شامل ہیں۔۹

بے نظیر بھٹو لکھتی ہیں:

> اس دوران 2 مارچ 1981ء کو پی آئی اے کے طیارے کو اغوا ہوئے پانچ روز بیت چکے تھے ضیاء حکومت اسی روز فیصلہ کر چکی تھی کہ طیارے کی ہائی جیکنگ کو ایم آر ڈی تحریک کی حمایت کے کھاتے میں ڈال دیا جائے۔ اسی دوران ڈاکٹر نیازی کو اسلام آباد سے گرفتار کیا گیا، پولیس آمینہ کے لئے بھی آئی مگر جب انہوں نے دیکھا کہ وہ نو ماہ کی حاملہ ہے تب پولیس اس کے بجائے اس کے شوہر سلیم کو ساتھ لے گئی۔ امینہ لیبر روم میں تھی جب اسے شوہر کی گرفتاری کا سن کر خاصا صدمہ پہنچا۔ یحییٰ بختیار جو میرے والد کی لیگل دفاعی ٹیم کے سربراہ تھے اور پاکستان کے سابق اٹارنی جنرل تھے انہیں بلوچستان سے گرفتار کیا گیا تھا۔ سابق رکن قومی اسمبلی فیصل صالح حیات خالد احمد کے بھتیجے ڈپٹی کمشنر لاڑکانہ ان کو مجبور کیا گیا تھا کہ وہ انہیں فارغ کریں، انہیں لاہور سے گرفتار کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ پی پی کی کچھ خواتین رکن اسمبلی بھی تھیں۔ قاضی سلطان محمود جو فلیش مین ہوٹل کے اسسٹنٹ منیجر تھے، انہیں تیسری مرتبہ راولپنڈی سے گرفتار کیا گیا۔ ارشاد راؤ ایڈیٹر مساوات کراچی، پرویز علی شاہ اور سندھ اسمبلی کے سرکردہ لیڈر شامل تھے۔ گرفتاریوں کی فہرست روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔

ہائی جیکروں نے ابتداء میں 29 مسافروں کو رہا کر دیا جن میں عورتیں اور بچے شامل تھے۔ اس طیارے میں سفارتکار طارق رحیم بھی موجود تھے۔ 5 جولائی 1977ء کی شام جب

Marfat.com

مارشل لاء لگایا گیا، وزیراعظم ہاؤس میں وہ بھی موجود تھے۔ سفارتکار طارق رحیم کو گولی مار کر قتل کر دیا گیا۔ وہ ایران میں پاکستان کے سفارت خانہ میں سیکنڈ سیکرٹری کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے تھے۔

جنرل ضیاء الحق کو انٹر سروسز انٹیلی جنس نے رپورٹ دی کہ ہائی جیکروں نے طیارے کے اغواء کا یہ کارنامہ ایک بین الاقوامی دہشت گرد تنظیم "کارلوس" کے تعاون سے انجام دیا ہے یہ کارلوس وہی تھا جس نے IOEC کے تیل کے وزراء کو 1976ء میں یرغمال بنایا تھا۔ ہائی جیکروں کی کارلوس سے ملاقات لیبیا میں کرائی گئی اور جس روز پی آئی اے کا طیارہ اغوء کیا گیا اس دن کارلوس کا مرتضیٰ کے ساتھ رابطہ قائم تھا۔ چنانچہ مرتضیٰ بھٹو کو اس بات کا بخوبی علم تھا کہ ان کی تنظیم سے وابستہ کچھ نوجوان چند روز میں کوئی بڑا کارنامہ انجام دینے والے ہیں۔

حکومت پاکستان نے پاکستان کے دوست ممالک کے سفیروں اور سفارتی دفاتر کے سربراہوں کو وزارت خارجہ میں بلایا گیا اور انہیں اغوا شدہ طیارے کے بارے میں موجودہ صورت حال اور افغان حکام کے رویئے سے آگاہ کیا۔

ہائی جیکروں نے حکومت پاکستان کو 93 سیاسی قیدی رہا کرنے کے لئے ایک فہرست جاری کی اور مطالبہ کیا کہ جب تک حکومت ان سیاسی قیدیوں کو رہا نہیں کرے گی مسافروں کو رہا نہیں کیا جائے گا۔ سیکرٹری جنرل دفاع نے جو اغوا کی تفصیلات بیان کیں ان کے مطابق ہمارے راڈار نے ہمیں فوراً بتا دیا تھا کہ ہمارا طیارہ افغانستان کی جانب موڑ دیا گیا ہے اور اس طیارہ کو چیک کرنے کے لئے کابل کے ہوائی اڈے سے کوئی طیارہ نہیں اڑا حالانکہ ان کا طریقہ یہ ہے کہ ان کی فضا کی خلاف ورزی پر وہ فوراً طیارے کو روکتے ہیں اس سے ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ کابل انتظامیہ اور تحریک الذوالفقار کے کارکنوں کا آپ میں رابطہ ہے۔

انہوں نے مزید کہا کہ مذاکراتی ٹیم اور ہائی جیکروں کے درمیان صرف وائرلیس کے ذریعے رابطہ قائم ہوا اور ہماری ٹیم کے کسی فرد یا پاکستانی سفارت خانہ کے عملہ کے کسی فرد کو ان عورتوں اور بچوں سے ملنے کی اجازت نہیں دی گئی جو طیارے سے رہا کر دیئے گئے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس اس بات کا مکمل ثبوت موجود ہے کہ مرتضیٰ بھٹو اس واقعہ سے ایک ہفتہ پہلے کابل پہنچ گیا تھا اور یہ کہ طیارہ اترتے ہی عالمگیر نے کہا کہ وہ الذوالفقار تحریک کا سیکرٹری جنرل ہے، اس کا لیڈر مرتضیٰ بھٹو ہے اسے یہاں بلایا جائے اس پر مرتضیٰ بھٹو ائیر پورٹ پر آیا اور اس

Marfat.com

نے کابل اور روسی حکام سے مخاطب ہو کر کہا کہ یہ ہیں وہ لوگ جنہیں ہم نے پاکستان میں رکھا اور آج یہ اپنے مشن میں کامیاب ہو گئے۔

ہائی جیکر نے ریڈیو پر اعلان کیا کہ میں اپنے لیڈر مرتضٰی بھٹو کی ہدایت پر کام کر رہا ہوں۔ مرتضٰی بھٹو نے ہوائی اڈے پر طیارہ اغوا کرنے والوں کی شناخت کی اور عالمگیر کو گلے سے لگا کر کہا کہ ہم نے ایسے ہی لوگ پاکستان بھیجے ہیں جن کا یہ پہلا مشن کامیاب رہا ہے۔

یہ وہ کہانی تھی جو سرکاری ذرائع ابلاغ بتا رہے تھے لیکن بیگم نصرت بھٹو ایک دوسری کہانی سناتی تھیں ان کا کہنا تھا کہ عوامی نیشنل پارٹی کے سربراہ اجمل خٹک گواہ ہیں کہ جب طیارہ اغوا ہوا وہ اس وقت کابل میں تھے۔ ڈاکٹر نجیب اللہ اس وقت افغان خفیہ تنظیم ''خاد'' کے سربراہ تھے۔ ڈاکٹر نجیب اللہ نے اجمل خٹک کو بتایا کہ پی آئی اے کا ایک طیارہ اغوا کر کے کابل ایئر پورٹ پر لایا گیا ہے۔ ڈاکٹر نجیب اللہ اور اجمل خٹک فوراً کابل ایئر پورٹ پہنچے۔ ہائی جیکروں نے مطالبہ کیا کہ ان کی ملاقات میر مرتضٰی بھٹو سے کرائی جائے۔ ڈاکٹر نجیب اللہ نے اجمل خٹک کو بتایا کہ میر مرتضٰی بھٹو تو طیارے کے اغوا سے لاعلم ہے چنانچہ اجمل خٹک نے میر مرتضٰی بھٹو کو پیغام بھیجا کہ وہ ہائی جیکروں کی باتوں میں نہ آئے لیکن اس دوران ہائی جیکروں نے دھمکی دے دی کہ اگر ان کی ملاقات میر مرتضٰی بھٹو سے نہ کروائی گئی تو وہ طیارے کو بم سے اڑا دیں گے۔ لہٰذا میر مرتضٰی بھٹو مسافروں کی جان بچانے کی خاطر ہائی جیکروں سے ملنے چلا گیا اس دوران مرتضٰی بھٹو پر دباؤ ڈالا گیا کہ وہ طیارے کے اغوا کی ذمہ داری قبول کرے دباؤ بڑھانے کے لئے طیارے کے ایک مسافر طارق رحیم کو گولی ماردی گئی جو ذوالفقار علی بھٹو کا اے ڈی سی رہ چکا تھا۔ طارق رحیم کے قتل پر مرتضٰی بھٹو نے چیخ و پکار کی اور احتجاج کیا اور مسافروں کی زندگیاں بچانے کے لئے اغوا کی ذمہ داری بھی قبول کر لی۔ پاکستانی قوم کو تو مرتضٰی بھٹو کا شکریہ ادا کرنا چاہئے کہ اس نے سینکڑوں مسافروں کی زندگیاں بچا لیں۔

بیگم نصرت بھٹو کا اصرار تھا کہ طیارے کو دراصل جنرل ضیاء الحق نے اغوا کرایا تھا کراچی ایئر پورٹ کے حکام کی ملی بھگت کے بغیر طیارے میں ریوالور اور دستی بم پہنچانا کیسے ممکن ہے۔ طیارہ اغوا کرنے والوں کا سرغنہ سلام اللہ ٹیپو تھا جس کا تعلق جماعت اسلامی سے تھا۔ ضیاء الحق نے جماعت اسلامی کے لوگوں کو پیپلز پارٹی کے خلاف استعمال کیا اور سلام ٹیپو نے راجہ انور کے ساتھ مل کر مرتضٰی اور شاہنواز پر قاتلانہ حملہ بھی کیا تھا اور ان پر کلاشنکوف کا پورا برسٹ چلایا گیا تھا لیکن وہ بچ

Marfat.com

گئے تھے۔ (بیگم نصرت بھٹو روزنامہ جنگ 29 جنوری لاہور 1993ء)

سیکرٹری جنرل دفاع میجر جنرل ریٹائرڈ رحیم نے بتایا کہ حکومت کے پاس اس بارے میں مصدقہ اطلاعات ہیں کہ مرتضیٰ بھٹو نے کابل جانے سے قبل بین الاقوامی دہشت پسند گروپ کارلوس سے رابطہ کیا تھا اور یہ رابطہ کابل میں نہیں بلکہ ایک دوسرے ملک میں کیا گیا تھا۔

جنرل ضیاء الحق نے 7 مارچ 1981ء کو وفاقی کابینہ کے اجلاس میں غور وخوض کے بعد موقف اختیار کیا کہ حکومت پاکستان ہائی جیکروں کے سامنے نہیں جھکے گی۔ سیکورٹی حکام کی تیار کردہ رپورٹوں کے مطابق ہائی جیکنگ کے واقعہ میں افغان حکومت براہ راست موث تھی۔ جنرل ضیاءالحق اس بات سے آگاہ تھے کہ بعض اسلامی ممالک مرتضیٰ اور شاہنواز کو ہر قسم کی امداد فراہم کر رہے ہیں چنانچہ انہوں نے عراق، انڈونیشیا، لیبیا، فلسطین، شام اور بنگلہ دیش کی حکومتوں سے کہا کہ وہ کابل میں موجود اپنے سفارتی عملے کے ذریعے ہائی جیکروں کو مجبور کریں کہ وہ یرغمال مسافروں کو رہا کر دیں۔ اس سلسلے میں حکومت پاکستان کو انتہائی مایوسی کا سامنا کرنا پڑا کیوں کہ کابل انتظامیہ نے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر کرٹ والڈ ہائم کے توسط سے حکومت پاکستان کو پیغام دیا کہ وہ ہائی جیکروں کے مطالبات جس قدر جلدی ہو سکے تسلیم کر لے ورنہ حکومت افغانستان ان نتائج کی ذمہ دار نہیں ہوگی جو آنے والے دنوں میں رونما ہو سکتے ہیں۔

جنرل ضیاء الحق کے لئے یہ بات بڑی سبکی کا باعث تھی چنانچہ انہوں نے افغانستان میں متعین پاکستانی سفیر کے ذریعے کابل انتظامیہ کو پیغام دیا کہ وہ ہائی جیکروں پر قابو پانے کے لئے پاکستانی کمانڈوز کو اپریشن کرنے کی اجازت دے دیں۔ افغان انتظامیہ نے پاکستانی کمانڈوز کو اس قسم کی اجازت دینے سے انکار کر دیا حالانکہ پاک فوج کے کمانڈوز نے طیارے کو ہائی جیکروں کے تسلط سے آزاد کرانے کے لئے ہر قسم کی منصوبہ بندی اور ریہرسل کر رکھی تھی۔

افغانستان میں اس وقت کے وزیر خارجہ کے شاہ محمد دوست کے ساتھ میر مرتضیٰ بھٹو کے خصوصی مراسم تھے ان کی دو بیٹیوں کے ساتھ شاہنواز اور مرتضیٰ بھٹو نے شادیاں بھی کیں۔ افغان حکومت کے سربراہ ببرک کارمل کے بھٹو کے ساتھ دوستانہ تعلق نہ تھا تاہم وہ مرتضیٰ بھٹو کی مدد اس لئے کر رہے تھے کیوں کہ پاکستانی حکام نے اسلام پسند تنظیموں خصوصا گلبدین حکمت یار کو اسلحہ اور دیگر ساز و سامان فراہم کیا تھا اور اس کی بدولت انہوں نے شمالی افغانستان اور افغان حکومت کو نقصان پہنچایا تھا۔

Marfat.com

ہائی جیکروں نے حکومت پاکستان کو جن 92 سیاسی قیدیوں کو رہا کرنے کے لئے فہرست دی تھی ان 92 افراد میں ایسے نوجوان بھی شامل تھے جنہیں پولیس نے بے گناہ گرفتار کر رکھا تھا جب انہیں معلوم ہوا کہ ہائی جیکروں نے یرغمالی مسافروں کی رہائی کے بدلے ان کو جیلوں سے آزاد کرانے کا مطالبہ کیا ہے تو انہوں نے ہائی جیکروں کے مطالبے پر رہا ہونے سے انکار کر دیا اور کہا کہ حکومت انہیں گولی مار دے لیکن ہائی جیکروں کے کہنے پر رہا نہ کرے کیوں کہ ان کا مرتضٰی بھٹو کی تنظیم سے کوئی تعلق نہ تھا لیکن اس کے باوجود بھی انہیں مرتضٰی بھٹو کی تنظیم کا رکن بنا کر انہیں بلیک لسٹ کر دیا گیا اور ان کے خاندان پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا۔

ہائی جیکروں نے ضیاء الحق کو جن 92 افراد کی فہرست فراہم کی تھی ان میں 15 افراد وہ تھے جو ہائی جیکروں کے رشتے دار تھے لیکن ہائی جیکروں کا مطالبہ تھا کہ وہ 92 افراد کی رہائی تک پی آئی اے کا طیارہ اور مسافر رہا نہیں کریں گے۔ پی آئی اے کے جس طیارے کو اغوا کیا گیا تھا اس میں قبائلی علاقہ جات سے تعلق رکھنے والے بعض مسافر بھی شامل تھے۔ اس وقت جبکہ حکومت ہائی جیکروں کے ساتھ مذاکرات میں مصروف تھی قبائلی علاقہ جات سے تعلق رکھنے والے زعماء نے مطالبہ کیا کہ ہائی جیکروں کے رشتے داروں کو ان کے حوالے کیا جائے جب تک ہائی جیکران کے عزیزوں کو رہا نہیں کریں گے وہ ہائی جیکروں کے رشتے داروں کو یرغمال بنا کر رکھیں گے۔

جنرل ضیاء الحق ایک نئی مصیبت سے دوچار ہو گئے کیوں پٹھانوں نے دوٹوک الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ اگر ان کے عزیزوں کو یرغمال بنانے والے ہائی جیکروں کی شرائط تسلیم کر لی گئیں اور ان کے عزیزوں کو کوئی نقصان پہنچا تو وہ ضیاء الحق کو نہیں چھوڑیں گے۔ آئی ایس آئی کی رپورٹ کے مطابق جس روز طیارہ اغوا ہوا اس روز مرتضٰی بھٹو کابل میں تھے۔

ناچار فوجی حکام نے بیگم نصرت بھٹو سے درخواست کی کہ وہ اپنے صاحبزادے مرتضٰی سے بات کریں تاکہ اغوا شدہ طیارے کے مسافروں کو رہا کرایا جا سکے، لیکن بیگم نصرت بھٹو نے فوجی افسران کو ڈانٹ دیا کیوں کہ ان کو یقین تھا کہ ہائی جیکنگ کا ڈرامہ ضیاء الحق کا اپنا تیار کردہ ہے جس کا مقصد ایم آر ڈی کی تحریک کو کچلنا ہے۔ میرے بیٹے مرتضٰی یا شاہنواز کا ہائی جیکنگ کے ڈرامے سے کوئی تعلق نہیں۔

اس واقعہ کے بعد ہائی جیکروں نے حکومت پاکستان کے ساتھ مذاکرات کا سلسلہ منقطع کر دیا اور طیارہ اڑا کر شام کے دار الحکومت دمشق لے گئے۔ شام کے صدر حافظ الاسد کے

Marfat.com

ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے ساتھ انتہائی دوستانہ تعلقات رہے تھے اور مارشل لاء کے نفاذ کے بعد مرتضٰی اور شاہنواز دمشق پہنچے تو حافظ الاسد نے ان کی ہر قسم کی مدد کی۔ دمشق میں حکومت پاکستان کی طرف سے نامزد کردہ مذاکراتی ٹیم اور ہائی جیکروں کے ساتھ مذاکرات کا سلسلہ ایک مرتبہ پھر شروع ہوا تاہم شام کی حکومت نے کمانڈو ایکشن یا اسی قسم کے کسی دوسرے اقدام کی اجازت نہیں دی۔ بالآخر حافظ الاسد اور جنرل ضیاء الحق کے درمیان براہ راست ہونے والے مذاکرات کے نتیجے میں 14 مارچ 1981ء کو حکومت پاکستان نے 14 سیاسی قیدی رہا کرنے کے بدلے مسافروں کو آزاد کرایا۔

16 مارچ کو جنرل ضیاء الحق نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے واضح کیا کہ تشدد اور دباؤ کے ذریعے پاکستانی عوام اور حکومت کو فیصلے تبدیل کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ ضیاء الحق نے الزام لگایا کہ فضائی قذاقوں کو کابل میں سرکاری مہمانوں کی حیثیت سے تمام سہولتیں دی گئیں۔

اس واقعے کے نتیجے میں جنرل ضیاء الحق کی حکومت کو کافی شرمندگی اٹھانا پڑی کیوں کہ پہلے حکومت کا موقف تھا کہ وہ ہائی جیکروں کے سامنے نہیں جھکے گی لیکن بالآخر ہائی جیکروں کے مطالبے پر سیاسی قیدیوں کو رہا کر کے ہی اس مشکل سے جان چھڑانی پڑی۔ ہائی جیکنگ کے نتیجے میں جن قیدیوں کو رہا کرایا گیا تھا انہیں ہائی جیکروں کے مطالبہ پر لیبیا بھیج دیا گیا۔

اس واقعے کے بعد جنرل ضیاء الحق کی حکومت نے انٹیلی جنس ایجنسیوں کے سیکرٹ فنڈ میں خاطر خواہ اضافہ کر دیا اور اس کوشش میں لگ گئے کہ کسی طرح افغان حکومت کے سربراہ دونوں بھائیوں کو افغانستان سے نکال دیں چنانچہ آئی ایس آئی اور افغان فوج کے درمیان مذاکرات کے نتیجے میں مرتضٰی بھٹو اور شاہنواز بھٹو کو افغانستان سے نکالنے پر اتفاق رائے ہو گیا اور ببرک کارمل جو ملک کی سیاسی صورت حال میں ابتری کی وجہ سے پہلے ہی پریشان تھے انہوں نے بہتری اسی میں سمجھی کہ مرتضٰی بھٹو کو افغانستان سے نکال دیا جائے۔ انہوں نے 1983ء کے آغاز میں مرتضٰی بھٹو اور شاہنواز بھٹو کو بلا کر کہا کہ وہ کچھ عرصہ کے لئے افغانستان چھوڑ کر کسی دوسرے ملک چلے جائیں کیوں ان کے افغانستان میں موجود تمام ٹھکانوں کی جنرل ضیاء الحق کو خبر ہو چکی ہے، اس بات کا خدشہ کہ کہیں کوئی مجاہد ان پر حملہ نہ کر دے۔ مرتضٰی بھٹو اور شاہنواز بھٹو نے بھی ببرک کارمل کی مشکلات کو مدنظر رکھتے ہوئے افغانستان چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

ان کے اس فیصلے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ اس وقت تک ان کے سینکڑوں ساتھیوں

Marfat.com

کو گوریلہ وار کی تربیت دی جا چکی تھی۔ مرتضٰی بھٹو اور شاہنواز بھٹو افغانستان چھوڑ کر چلے گئے تاہم ان کے جانے کے بعد ملک بھر میں دہشت گردی کی وارداتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور دوسری طرف حکومت پاکستان نے بھی الذوالفقار کے خلاف بڑے پیمانے پر کارروائیوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس دوران پیپلز پارٹی کے سینکڑوں کارکنوں کو شاہی قلعہ کے عقوبت خانوں میں اذیتیں دے دے کر ہلاک یا زخمی کیا گیا۔

''فوج اور انٹیلی جنس ایجنسیوں کے ذمہ 1983ء میں جو ڈیوٹی لگائی گئی تھی اس میں الذوالفقار کے کارکنوں اور ان کے ٹھکانوں کا پتہ چلانا سر فہرست تھا۔ اس کارروائی کے دوران پیپلز پارٹی کے درجنوں رہنما اور سینکڑوں کارکن زیر عتاب آئے اور انہیں بدنام زمانہ شاہی قلعہ کے عقوبت خانے میں اذیتیں دے دے کر ہلاک اور زخمی کر دیا گیا۔ شاہی قلعہ کے عقوبت خانے میں الذوالفقار اور پی پی پی کے کارکنوں کو بدترین تشدد کا نشانہ بنایا جاتا تھا اور خواتین قیدیوں کے ساتھ اس طرح کا شرمناک سلوک روا رکھا گیا جسے احاطہ تحریر میں لانا بھی مناسب نہیں۔ شاہی قلعے کے عقوبت خانے کے علاوہ پشاور اور اٹک کے قلعے میں بھی مبینہ دہشت گردوں کو اذیتیں دے دے کر اس بات پر مجبور کیا گیا کہ وہ ان گناہوں کا بھی اعتراف کریں جو ان کی بجائے دوسروں سے سرزد ہوتے رہے'' (بھٹو خاندان کا قتل، منیر احمد)

ان عقوبت خانوں میں روا رکھے جانے والے سلوک کی خبریں جب مرتضٰی اور شاہنواز تک پہنچیں تو انہوں نے ضیاء الحق کو قتل کرنے کے لئے موت کے دستے روانہ کر دیئے۔ الذوالفقار نے جن افراد کو قتل کرنے کے لئے موت کے دستے کو فہرست دی تھی ان میں ٹاپ موسٹ پر مولوی مشتاق حسین کا نام تھا کیونکہ انہوں نے نواب محمد احمد خان کے مقدمہ قتل کی سماعت انصاف کے تقاضوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے انتہائی جانبداری سے کی تھی۔ چنانچہ ان پر 25 ستمبر 1983ء کو اس وقت قاتلانہ حملہ کیا گیا جب وہ چوہدری ظہور الٰہی کی کار میں سوار ماڈل ٹاؤن بلاک کی بیرونی سڑک پر مولوی مشتاق حسین کے گھر جا رہے تھے۔ ان کی گاڑی پر ایک ہینڈ گرنیڈ بھی پھینکا گیا۔ اس حملے میں مولوی مشتاق حسین معمولی زخمی ہوئے تاہم چوہدری ظہور الٰہی اپنے ڈرائیور سمیت ہلاک ہو گئے۔ اس کے بعد ملک میں دہشت گردی کی وارداتوں کا سلسلہ شروع ہو

Marfat.com

گیا ان میں سے بہت سی وارداتیں ایسی بھی تھیں جنہوں نے مرتضٰی بھٹو اور شاہنواز بھٹو کو بھی حیران کر دیا کیوں ان وارداتوں سے ان کا یا ان کی تنظیم کا بالواسطہ بھی کوئی تعلق نہ تھا۔ عام خیال یہ تھا کہ یہ وارداتیں جنرل ضیاء الحق کے حکم پر ہو رہی تھیں تا کہ اپوزیشن کو بدنام کیا جائے اور فوجی حکومت کو اپوزیشن تحریک کچلنے کے لئے جواز میسر آ جائے۔

1983ء میں ہی مرتضٰی بھٹو ضیاء الحق کے خلاف دو مرتبہ فوجی بغاوت کی کوشش کی لیکن وہ دونوں مرتبہ ناکام رہے اور منصوبے کا راز افشاء ہو گیا۔ اس کے بعد مرتضٰی اور شاہنواز بھٹو نے لیبیا میں بیٹھ کر بین الاقوامی دہشت گردوں سے رابطے کئے جس کی اطلاع جنرل ضیاء الحق کو مصر میں موجود پاکستانی سفارت خانے ذریعے ملی جہاں متعین ایک انٹیلی جنس آفیسر کو کسی طرح ایسے کاغذات تک رسائی حاصل ہو گئی جن میں مغربی جرمنی کے چانسلر ہلمٹ کوہل، سعودی عرب کے شاہ فہد، مصر کے حسنی مبارک اور پاکستان کے ضیاء الحق کو قتل کرنے کا ذکر کیا گیا تھا۔ چنانچہ الذوالفقار کا یہ منصوبہ بھی دھرے کا دھرا رہ گیا اور 3 جنوری 1984ء کو سیکورٹی حکام نے لاہور سے بھاری مقدار میں سمگل شدہ سونا چاندی اور جدید ترین ہتھیار برآمد کر لئے۔ حکام کے مطابق یہ سب کچھ ایک ہمسایہ ملک (افغانستان) سے پاکستان میں تخریب کاری کے لئے سمگل کر کے لایا گیا تھا۔ اس سلسلے میں الذوالفقار اور پی پی پی کے متعدد رہنماؤں کو گرفتار کر لیا۔ اس واقعے کے بعد بھی درجنوں افراد کو پھانسی یا اذیتیں دے دے کر ہلاک کیا گیا۔

☆☆☆

Marfat.com

شاہنواز بھٹو کا قتل

بھٹو شہید کی گرفتاری کے بعد شاہنواز بھٹو اپنی بڑی بہن بے نظیر بھٹو کے ساتھ لاہور آ۔۔۔ اس وقت ان بہن بھائیوں کے معصوم چہروں کو دیکھ کر کون کہہ سکتا تھا کہ ان کے باپ کو سفا ۔انہ ہتھکنڈوں سے شہید کر دیا جائے گا اور وہ بہن بھائی اتنی چھوٹی عمر میں در بدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کر دیئے جائیں گے۔ قائد عوام یہ بھی جانتے تھے کہ جمہوریت کے دشمن نہ صرف ان کی جان لینے کے لئے منصوبے بنا رہے ہیں بلکہ ان کے بعد ان کے بیٹوں کو سیاسی منظر سے ہٹانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے۔

بالآخر وہی ہوا جس کا خدشہ تھا جنوبی ایشیا کے عظیم لیڈر کو سزائے موت سنادی گئی اور جناب بھٹو کی ہدایت پر ان کے ملازم دوست محمد نے میر مرتضیٰ بھٹو اور شاہنواز بھٹو کو ملک سے باہر روانہ کرنے کا بندوبست کر دیا۔ اس طرح دونوں بھائی وقتی طور پر جنرل ضیاء الحق کے شکنجے سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔

پاکستان میں 1977ء کی تحریک کے دوران جنرل ضیاء الحق اور ان کے ساتھ روابط رکھنے والے سیاستدانوں کا خیال تھا کہ پاکستان میں فوجی اقتدار کے قیام کے بعد پیپلز پارٹی بے اثر ہو کر رہ جائے گی اور جو پارٹی بچ رہے گی وہ ضیاء الحق حکومت کے ظلم و ستم سے اس قدر مفلوج ہو کر رہ جائے گی کہ انتخاب لڑنے اور کامیابی حاصل کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہے گی۔ لیکن عملاً ہوا یہ کہ جنرل ضیاء الحق کے لئے شہید بھٹو زندہ بھٹو سے زیادہ خطرناک ثابت ہوا۔ آج اٹھائیس سال گزرنے کے باوجود ذوالفقار علی بھٹو عوام کے دلوں میں رہتے ہیں۔ فوجی حکومت کو

Marfat.com

اس بات کا احساس اس وقت ہوا جب اس نے بھٹو شہید کو پھانسی دینے کے بعد بے نظیر بھٹو اور بیگم نصرت بھٹو کو رہا کر کے عوامی ردعمل کا مشاہدہ کیا۔ انہیں یہ بھی خدشہ تھا کہ اگر مرتضیٰ بھٹو اور شاہنواز بھٹو پاکستان آ کر سیاست کرنے لگے تو فوجی حکومت کے لئے بے نظیر اور بیگم نصرت بھٹو سے زیادہ مشکلات پیدا کریں گے۔ چنانچہ ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دینے کے بعد جنرل ضیاء الحق نے مرتضیٰ بھٹو اور شاہنواز بھٹو کو بھی ٹھکانے لگانے کے لئے منصوبہ بندی شروع کر دی۔

یہ وہی میر مرتضیٰ بھٹو اور شاہنواز بھٹو تھے جن کے بارے میں قائد عوام نے مذاکرات کی پیش کش کرتے ہوئے بھارت سے کہا تھا ''تم میرے مرتضیٰ اور شاہنواز کو لے لو لیکن میرے جنگی اسیروں کو واپس کر دو۔''

شاہنواز نے اپنے والد کی شہادت سے صرف چار ہفتے قبل جب وہ ابھی بیس سال کے تھے لندن میں ایک اخبار کو ایک انٹرویو دیا جس میں انہوں نے کہا: ہم ایسا گھرانہ ہیں جہاں ہر کوئی دوسرے کو بہت چاہتا ہے میں پاپا سے پیار کرتا ہوں وہ میرے باپ بھی ہیں اور استاد بھی۔ انہوں نے میری بڑی اچھی تربیت کی ہے۔ آج میں اور میرا بھائی یہاں بیرون ملک پاپا کی جان بچانے کے لئے کوشش کر رہے ہیں، اگر پاپا چاہیں کہ میں ان کے قریب آ جاؤں تو میں آج رات ہی اپنے ملک واپس چلا جاؤں گا پرواہ نہیں اگر میری جان بھی چلی جائے۔ میرے پاپا لوگوں کی غربت دیکھتے تو ان کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑتے لیکن وہ اپنے لئے کبھی آنسو نہیں بہائیں گے، وہ کمزور نہیں ہیں۔ میں بھی اپنے پاپا کی طرح کسی کو غریب نہیں دیکھ سکتا میرا تو نام ہی شاہ نواز ہے یعنی بادشاہوں کو نوازنے والا۔

شاہنواز بھٹو نے دیار غیر میں رہ کر جس جدوجہد کا آغاز کیا تھا وہ ان کے شوق کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ حالات اس بات کے متقاضی تھے کہ وہ جمہوریت کی بالادستی اور حق کی فتح کے لئے ان تھک کوشش کریں۔ وہ کابل میں رہ کر رات دن اپنے نظریاتی بھائیوں کی تربیت میں مصروف رہتے تاکہ انہیں آزادی کی جنگ لڑنے کے لئے تیار کیا جا سکے۔ وہ اپنا کام بڑی لگن اور دیوانگی سے کرتے تھے۔

ایک مرتبہ جب کابل میں افغان انتظامیہ زبردست بحران سے دوچار تھی اور کابل کی سڑکوں پر کرفیو تھا اور ہر طرف سوویت فوجی گشت کرتے نظر آتے تھے رات گئے شاہنواز آدھی رات

Marfat.com

کے وقت کابل کی سڑکوں پر نکل گئے۔ صبح ناشتے کی میز پر جب انہوں نے اس بات کا تذکرہ کیا تو وہ سخت ناراض ہوئے اور انہیں سختی سے منع کیا اور کہا کہ وہ احتیاط سے کام لیں۔ ایک مرتبہ پیپلز پارٹی کے وفادار قبائلی شخص نے اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے سرحد پار کی اور انہیں بتایا کہ جنرل ضیاء الحق کا حکم ہے کہ اسے پہلے شاہنواز کا سر چاہئے اور اس مقصد کے لئے انہوں نے ایک پانچ رکنی کمانڈوز کا دستہ ترتیب دے کر اور اسے یہ ذمہ داری سونپ کر افغانستان روانہ کر دیا ہے۔ بے نظیر بھٹو کے دل میں ہمیشہ اسی بات کا کھٹکا لگا رہتا تھا کہ کہیں وہ جنرل ضیاء الحق کی سازش کا شکار نہ ہو جائے۔ بے نظیر ہمیشہ شاہنواز کو سمجھایا کرتی تھیں کہ وہ آزادی کی اس جدوجہد سے دستبردار ہو کر سیاسی دھارے میں شامل ہو جائے۔ شاہنواز شہید ہمیشہ انکار کر دیتے اور کہتے جنرل ضیاء الحق ظلم و تشدد کر رہا ہے اسے اس کے تشدد کا جواب اسی انداز میں دینا چاہئے۔

"بے نظیر بھٹو اس خونی کھیل کے مضرات سے بھی واقف تھیں جوان کے بھائیوں اور پاکستان کی فوجی حکومت کے درمیان جاری تھا وہ شاہنواز سے کہتیں بھائی پھونک کر قدم اٹھانا کہیں جنرل ضیاء الحق کے بھیجے ہوئے کارندے تمہیں اغوا کر کے اس کے سامنے پیش نہ کر دیں۔ وہ فوراً جواب دیتے اگر بدقسمتی سے ایسی صورت پیش آ گئی تو میں جنرل ضیاء الحق کے سامنے پیش ہونے کے بجائے موت کو ترجیح دوں گا، میں ہر وقت اپنے پاس زہر رکھتا ہوں تاکہ جنرل ضیاء الحق کے سامنے بے عزت اور اپنے خاندان کے لئے غداری کا الزام پانے سے پہلے اپنی زندگی کا خاتمہ کر لوں۔ (شاہ نواز کی شہادت کے بعد پاکستان کی فوجی حکومت نے اسی بنیاد پر شاہنواز کی شہادت کو خودکشی ثابت کرنے کی کوشش کی) (دختر پاکستان بے نظیر بھٹو)

جنرل ضیاء الحق اپنے مخالفین اور خصوصاً پاکستان پیپلز پارٹی کے رہنماؤں سے بے انتہا نفرت کرتے تھے۔ 4 جنوری 1984ء کو لاہور میں ایک فوجی سازش کو ناکام بنا دیا گیا جس کے بعد ان کی نفرت دو چند ہو گئی۔ اس کے باوجود اگر جنرل ضیاء الحق نے بے نظیر بھٹو کو 10 جنوری 1984ء کو بیرون ملک علاج کے لئے جانے کی اجازت دی تھی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ بھٹو خاندان کے افراد کو مزید قید میں رکھ کر امریکہ یورپ اور انسانی حقوق کی بین الاقوامی تنظیموں کی تنقید کا نشانہ

Marfat.com

نہیں بننا چاہتے تھے۔فوجی حکومت کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ اسی زمانے میں مرتضیٰ بھٹو اور شاہنواز بھٹو کی بے چینی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی چنانچہ ان کے جذبات کو ٹھنڈا کرنے کے لئے ضروری تھا کہ بھٹو خاندان کے افراد کی نظر بندی کو ختم کر دیا جائے۔

اس کے بعد میر مرتضیٰ بھٹو نے بیگم نصرت بھٹو اور بے نظیر بھٹو سے متعدد ملاقاتیں کیں ان ملاقاتوں میں ان سب کا موضوع گفتگو ضیاء الحق اور انقلاب ہی ہوتا تھا۔ان ملاقاتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک تو بھٹو خاندان کے افراد کی بے چینی ختم ہوگئی اور قدرے اطمینان کا سانس لیا اور دوسری طرف 1985-1984ء کے درمیان دہشت گردی کی وارداتوں کا سلسلہ کافی حد تک تھم گیا۔اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ ضیاء الحق کے قریبی ساتھیوں نے شاہنواز اور مرتضیٰ کو پیغام دیا تھا کہ اگر انہوں نے جنرل ضیاء الحق کے قتل کے منصوبے ترتیب دینے بند نہ کیے اور پاکستان میں دہشت گردی کی وارداتوں کا سلسلہ بند نہ کیا تو ان کے خاندان کو بھی ایسی سرگرمیاں کا نشانہ بنایا جا سکتا ہے۔چنانچہ دونوں بھائیوں نے جنرل ضیاء الحق کی طرف سے ملنے والی اس دھمکی پر ٹھنڈے دل سے تبادلہ خیال کیا اور طے کیا کہ وہ آئندہ جنرل ضیاء الحق کے خلاف ایسی کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔مرتضیٰ بھٹو اور شاہنواز بھٹو کے اس فیصلے سے جنرل ضیاء الحق کو بھی آگاہ کر دیا گیا۔

بے نظیر بھٹو اور بیگم نصرت بھٹو مرتضیٰ کے اس فیصلے سے بہت خوش ہوئیں کیوں کہ 1985ء میں جنرل ضیاء الحق کی حکومت عام انتخابات کرانا چاہتی تھی اگرچہ اس سے پہلے بھی فوجی حکومت کئی مرتبہ انتخابات کی تاریخ کا اعلان کر کے وعدہ خلافی کر چکی تھی تاہم اس مرتبہ امکان تھا جنرل ضیاء الحق انتخابات ضرور کرانے کا ارادہ رکھتے ہیں اور پاکستان پیپلز پارٹی نے اس وقت تک انتخابات کے بائیکاٹ کا فیصلہ نہیں کیا تھا۔

میر مرتضیٰ بھٹو اور شاہنواز بھٹو مارچ 1985ء میں ایک مرتبہ پھر متحرک ہو گئے جب 5 مارچ کو ناصر بلوچ اور 26 مارچ کو ایاز سموں کو پھانسی اور 6 مارچ کو الذوالفقار کے 54 ارکان کو فوجی عدالت نے عمر قید کی سزائیں دیں۔ان دونوں پر الذوالفقار کی مدد سے ملک میں دہشت گردی کی وارداتیں کرنے کا الزام تھا۔مرتضیٰ بھٹو نے اپنی والدہ سے فون پر بات کی اور کہا کہ میں اب خاموش نہیں رہ سکتا میں جنرل ضیاء الحق سے اس کا انتقام لوں گا۔یہ وہ زمانہ تھا جب شاہنواز بھٹو کے اپنی بیوی کے ساتھ پہلے سے خوشگوار تعلقات نہیں رہے تھے کیوں کہ انہیں شک ہو گیا تھا

Marfat.com

کہ ان کی افغان بیوی ریحانہ پاکستانی انٹیلی جنس ایجنسیوں کے ہاتھوں استعمال ہو رہی ہے۔ ایک مرتبہ تو انہوں نے اپنی بیوی ریحانہ کو قتل کرنے کا ارادہ بھی کر لیا تھا لیکن وہ اپنی بیٹی سسی کی وجہ سے ایسا نہ کر سکے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب بیگم نصرت بھٹو جولائی 1985ء میں فرانس کے شہر پیرس میں رہائش پذیر تھیں اور شدید علیل تھیں۔ بے نظیر بھٹو اپنی والدہ کی علالت کی اطلاع پا کر 17 جولائی کو لندن سے پیرس پہنچیں، بے نظیر بھٹو کی چھوٹی بہن صنم بھٹو کو بھی لندن سے پیرس بلا لیا گیا۔ جب شاہنواز کو معلوم ہوا کہ ان کی دونوں بہنیں اپنی والدہ سے ملنے پیرس آئی ہوئی ہیں تو شاہنواز بھی وہاں پہنچے۔
17 جولائی 1985ء ان کی زندگی کا خوشگوار ترین دن تھا کیوں کہ اس روز کئی سال کے بعد خاندان کے تمام افراد نے اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھایا اور گپ شپ کی اس وقت کسی کو معلوم نہیں تھا کہ خوشی کے یہ لمحات ہمیشہ کی جدائی کا داغ دے جائیں گے کیوں کہ بھٹو خاندان کی خوشی کے ان لمحات کی خبر فرانس میں موجود پاکستانی سفارتخانے میں موجود انٹیلی جنس آفیسر کے ذریعے جنرل ضیاء الحق کو بھی ہو گئی اور اس سے اگلے روز شاہنواز بھٹو اپنے کمرے میں مردہ پائے گئے۔ شاہنواز کی بیوی ریحانہ اپنے شوہر کی لاش دیکھ کر چیخیں مار کر رونے لگیں تاہم انہوں نے اپنے ہوش وحواس قائم رکھے اور فوری طور پر پیرس میں موجود بیگم نصرت بھٹو کو فون پر شاہنواز کی موت کی اطلاع دی جس پر خاندان کے تمام افراد ایک طیارے کے ذریعے کنز پہنچے۔

پیپلز پارٹی کی مرکزی قیادت کا فوری ردعمل یہ تھا کہ شاہنواز بھٹو کو جنرل ضیاء الحق نے قتل کرایا ہے لیکن اس بات کا ثبوت کسی کے پاس نہ تھا۔ اس خیال میں دو رائے پائی جاتی تھیں کیوں کہ جس رات شاہنواز فوت ہوئے شاہنواز کے کراہنے کی آواز آئی تو ان کی بیوی ریحانہ جو دوسرے کمرے میں موجود تھی نے کوئی توجہ نہ دی کیوں کہ وہ سمجھ رہی تھی کہ شاہنواز ڈرامہ کر رہے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ فرانس کی پولیس نے ریحانہ کو گرفتار کر کے ان پر مقدمہ چلایا۔ ریحانہ جو شاہنواز کی موت کے راز سے بے خبر تھی یہ بات اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھی کہ شاہنواز کو قتل بھی کیا جا سکتا ہے کیوں کہ انہوں نے کسی کو گھر داخل ہوتے نہیں دیکھا تھا چنانچہ ان کا موقف تھا کہ شاہنواز نے خودکشی کی ہے لیکن مرتضیٰ بھٹو اس بات کو ماننے پر تیار نہ تھے بالآخر ایک ہفتے کے بعد ریحانہ کو رہا کر دیا گیا۔

Marfat.com

شاہنواز کی موت 18 جولائی 1985ء کو ہوئی اور ان کی موت کے ایسے خفیہ انتظامات کیے گئے تھے فرانس کے جاسوسی ادارے تمام وسائل کے باوجود بھی شاہنواز کی موت کی حقائق منظر عام پر نہ لا سکے۔ مرتضٰی بھٹو نے بھی جو الذوالفقار تنظیم کا جاسوسی ونگ قائم کر رکھا تھا اس بات کا پتہ نہ چلا سکا کہ آخر شاہنواز کی موت کا ذمہ دار کون ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مرتضٰی بھٹو اور شاہنواز بھٹو کی بیویاں جو کہ دونوں بہنیں تھیں فرانس کے شہر ''کانز'' سے ٹرین پر بیٹھ کر ''مارسے'' جایا کرتی تھیں وہاں انہیں ایک پاکستانی ملتا تھا جو انہیں ایک پیکٹ فراہم کرتا تھا جس میں رقم ہوتی تھی، اسی رقم کی مدد سے دونوں بہنیں فرانس سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئیں۔ فرانس میں موجود بعض پاکستانیوں کے ذریعے یہ پراپیگنڈہ بھی کرایا گیا کہ شاہنواز کو مرتضٰی نے قتل کیا ہے لیکن جس رات شاہنواز کا قتل ہوا اس رات مرتضٰی بہت سے لوگوں کے درمیان تھا اس لئے الزام کا تیر نشانے پر نہیں بیٹھا۔

جنرل ضیاء الحق کو شاہنواز کی موت کی خبر 18 جولائی کو ہی مل گئی تھی۔ یہ خبر بے نظیر بھٹو نے اپنی کزن فخری بیگم کو فون کر کے دی اور لوگ جوق در جوق لاڑکانہ پہنچنا شروع ہو گئے۔ محمد خان جونیجو جو 1985ء کے انتخابات کے نتیجے میں ملک کے وزیراعظم بن چکے تھے نے فوراً بیگم نصرت بھٹو کے نام ایک تعزیتی پیغام بھیجا، اس کے بعد جنرل ضیاء الحق نے بھی شاہنواز کی موت پر دلی افسوس کا اظہار کیا۔ بیگم نصرت بھٹو، مرتضٰی، صنم اور بے نظیر بھٹو نے فیصلہ کیا کہ شاہنواز کی میت لاڑکانہ لے جا کر اپنے آبائی قبرستان گڑھی خدا بخش میں سپرد خاک کیا جائے۔ مرتضٰی بھٹو بھی اپنے بھائی کی میت کے ساتھ پاکستان آنا چاہتے تھے لیکن بیگم نصرت بھٹو نے انہیں سختی سے منع کر دیا کیوں کہ وہ جانتی تھیں کہ مرتضٰی بھٹو کو ائیرپورٹ پر ہی گرفتار کر لیا جائے گا۔ ان کا ایک بیٹا تو پہلے ہی کسی کی نفرت کا شکار ہو چکا تھا وہ اپنے دوسرے بیٹے کو گنوانا نہیں چاہتی تھیں اس کی وجہ یہ تھی کہ مرتضٰی کے خلاف دہشت گردی کے درجنوں مقدمات درج کئے جا چکے تھے اور جنرل ضیاء الحق انہیں پھانسی کی سزا دلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے۔

آخر بے نظیر بھٹو نے شاہنواز کی میت پاکستان لانے کا فیصلہ کیا بیگم نصرت بھٹو پر یہ خبر بجلی بن کر گری اور انہوں نے فوراً گھبرا کر کہا ''نہیں وہ تمہیں بھی ختم کر دیں گے۔'' خاندان کے تمام افراد بے نظیر کو روکنے کے لئے دباؤ ڈالنے لگے آخر مرتضٰی نے بھی اپنا فیصلہ سنا دیا کہ اگر بے

Marfat.com

نظیر جائیں گی تو میں بھی ساتھ جاؤں گا۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح وہ اپنی بہن کو پاکستان جانے سے باز رہنے پر مجبور کر دیں گے کیوں کہ پاکستان جانا بے نظیر کی نسبت مرتضٰی کے لئے زیادہ خطرناک تھا ان کے پاکستان جانے کی صورت میں انہیں ایئر پورٹ پر ہی گرفتار کر کے دہشت گردی کے مقدمات چلا کر سزائے موت سنا دی جاتی۔

بے نظیر بھٹو اپنے فیصلے پر ڈٹی رہیں ان کا استدلال تھا کہ وہ نہیں چاہتیں کہ شاہنواز کو خفیہ اور سرسری طور پر دفن کر دیا جائے وہ شاہنواز کی میت کو پورے احترام عزت اور اعزاز کے ساتھ دفن کرنا چاہتی تھیں جس کے وہ مستحق تھے۔ جنرل ضیاء الحق شاہنواز کو وطن واپس جانے سے روک سکتا تھا لیکن اب ایک مسلمان کی تدفین سے نہیں روک سکتا۔ شاہنواز کی شہادت کی خبر دنیا بھر میں پھیل چکی تھی اور 70 کلفٹن اور المرتضٰی میں ہزاروں افراد کا اجتماع ہر روز تعزیت کے لئے جمع ہوتا تھا۔

فرانسیسی حکام نے 6 اگست کو شاہنواز کی میت بھٹو خاندان کے حوالے کر دی تھی لیکن پاکستانی سفارتخانے نے متعلقہ کاغذات کی تیاری میں جان بوجھ کر تاخیر کی اس کی وجہ یہ تھی کہ جنرل ضیاء الحق نہیں چاہتے تھے کہ شاہنواز کی میت پاکستان لائی جائے اور لوگوں کی ہمدردیاں حاصل ہونے کی وجہ سے پیپلز پارٹی کی مقبولیت ظاہر ہو۔ مرتضٰی بھٹو نے فرانس سے مخدوم خلیق الزماں کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ شاہنواز بھٹو کی تدفین کے انتظامات کریں لیکن جب یہ بات جنرل ضیاء الحق کے علم میں آئی تو مخدوم خلیق الزماں کو گرفتار کر لیا گیا۔

21 اگست 1985ء کو شاہنواز کی میت پاکستان لا کر دفن کی گئی۔ اس روز لاڑکانہ شہر میں تمام دفاتر دکانیں اور کاروباری ادارے بند رہے۔ بے نظیر بھٹو شاہنواز کے تابوت کو 70 کلفٹن اور المرتضٰی لے جانا چاہتی تھیں جہاں انہوں نے اپنا بچپن گزارا تھا لیکن مارشل لاء حکام بمشکل تمام گڑھی خدا بخش میں ان کی آخری رسومات ادا کرنے کی اجازت دی جس پر بے نظیر بھٹو رضامند نہ ہوئیں تو کافی تگ ودو کے بعد میت المرتضٰی میں لے جانے کی اجازت تو دے دی گئی لیکن 70 کلفٹن میں لے جانے سے روک دیا گیا۔

کراچی اور لاڑکانہ کی سڑکوں پر فوج کا قبضہ تھا، مارشل لاء حکام کو ایجنسیوں نے جو اطلاعات فراہم کی تھیں ان کے مطابق جولائی کے مہینے میں شدید گرمی کی وجہ سے لوگ اندرون

Marfat.com

سندھ کے دور افتادہ قصبے تک کا سفر کرنے سے گریز کریں گے لیکن عوامی غیض و غضب پر بند باندھنا مشکل ہو رہا تھا چنانچہ عین اس روز جب بے نظیر بھٹو اپنے چھوٹے بھائی کی میت لے کر وطن واپس آرہی تھیں ملک میں مارشل لاء اٹھانے کی قطعی تاریخ کا اعلان کر دیا گیا تاکہ عوام کے غصے کو کم کیا جا سکے۔ سخت رکاوٹوں کے باوجود ہزاروں لوگ ''بھٹو زندہ رہے گا'' کے نعرے لگاتے ہوئے کراچی کے ہوائی اڈے پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ چند سال قبل اس خاندان کے عظیم فرزند ذوالفقار علی بھٹو کی تدفین بڑی راز داری کے ساتھ کر دی گئی تھی اس وقت خاندان کا کوئی بھی فرد پاس موجود نہیں تھا لیکن اب صورت حال بدل چکی تھی، ماتمی جلوس جب گڑھی خدا بخش پہنچا تو ہزاروں لوگ شاہنواز کی میت کو کندھا دینے اور اظہار ہمدردی کرنے کے لئے موجود تھے۔

بے نظیر بھٹو جب شاہنواز بھٹو کی تدفین اور سوئم سے فارغ ہوئیں تو انہیں بھی تین ماہ کے لئے نظر بند کر دیا گیا آخر بین الاقوامی دباؤ پر 3 نومبر کو کڑی نگرانی میں فرانس روانہ کر دیا گیا۔ فرانس پہنچ کر 6 نومبر کو بے نظیر بھٹو نے فرانس کی عدالت میں شاہ نواز کے مقدمہ قتل کے حوالے سے اپنا بیان ریکارڈ کرایا جس کے نتیجے میں شاہنواز کی بیوہ ریحانہ کو رہا کر دیا گیا۔ بے نظیر بھٹو نے اپنے دوسرے دور اقتدار میں خفیہ طور پر ایف آئی اے کی ایک ٹیم فرانس روانہ کی تاکہ وہ شاہنواز کے قاتلوں کا پتہ چلا سکے لیکن اس سے پہلے کہ ٹیم کسی نتیجے پر پہنچتی بے نظیر بھٹو کی حکومت برطرف کر دی گئی۔

☆☆☆

Marfat.com

میر مرتضٰی بھٹو کی پاکستان واپسی

پاکستان میں مارشل لاء کے نفاذ کے بعد ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے دونوں بیٹوں کو ملک سے باہر بھیج دیا کیوں کہ انہیں خدشہ تھا کہ فوجی حکومت ان کے دونوں بیٹوں کو قتل نہ کرا دے کیوں کہ وہ بھٹو شہید کے سیاسی وارث تھے لیکن آگے چل کر حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ بھٹو صاحب کے ان دونوں بیٹوں کے سیاسی وارث ہونے کے امکانات معدوم ہوتے چلے گئے خاص طور پر ''الذوالفقار'' کے قیام اور ضیاء دشمنی میں شاہنواز بھٹو اور مرتضٰی بھٹو اس قدر آگے چلے گئے کہ ان کی وطن واپسی ممکن نہ رہی۔ جناب بھٹو کے دور حکومت میں مرتضٰی اور شاہنواز ابھی بہت چھوٹے تھے چنانچہ بھٹو صاحب نے بے نظیر بھٹو کی سیاسی تربیت کی، مختلف ممالک کے وفود سے ان کا تعارف کراتے اور اپنے غیر ملکی دوروں میں انہیں اپنے ساتھ رکھتے۔ تاہم اگر مرتضٰی اور شاہنواز ملک میں ہوتے تو وہ بھی سیاسی میدان میں بھٹو صاحب کے بہترین سیاسی جانشین ثابت ہو سکتے تھے لیکن یہ بدقسمتی ہی تھی کہ انہوں نے ابتداء میں ہی تشدد کا راستہ اختیار کر لیا اور پی آئی اے کا طیارہ اغوا ہونے کے بعد تو رائے عامہ بھی ان کے خلاف ہو گئی اور وہ سیاسی میدان سے بہت دور چلے گئے۔

مرتضٰی اور شاہنواز جانتے تھے کہ جنرل ضیاء الحق کے کارندے موت بن کر ان کا پیچھا کر رہے ہیں چنانچہ وہ جنرل ضیاء الحق کو جھانسہ دینے کے لئے پہلے کسی پروگرام کو طے کرتے اور عین آخری وقت پر تبدیل کر لیتے اور اکثر اوقات تو وہ فرضی پروگرام بھی ترتیب دیا کرتے تھے۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک 1988ء میں جنرل ضیاء الحق بہاولپور کے نزدیک جہاز کے حادثے میں ہلاک نہ ہو گئے۔

جنرل ضیاء الحق کی موت کے بعد چیئرمین سینٹ غلام اسحاق خان ملک کے صدر بن گئے۔ بے نظیر بھٹو نے 1986ء میں وطن واپسی کے بعد فوج کے ساتھ تعلقات استوار کرنے کی کوشش کی اور وہ اس میں کامیاب بھی رہیں۔ بے نظیر بھٹو کے پہلے دور حکومت میں مرتضٰی بھٹو واپس

Marfat.com

وطن آنا چاہتے تھے لیکن بے نظیر بھٹو نے اپنی والدہ کے ذریعے انہیں واپس آنے سے روک دیا ورنہ وہ سمجھتے تھے کہ ضیاء الحق کی موت کے بعد ان کی واپسی کا راستہ صاف ہو گیا ہے اور وہ واپس آنے کے لئے تیاریوں میں مصروف تھے۔ اس کے فوراً بعد مرتضیٰ بھٹو اور بے نظیر بھٹو کے درمیان اختلافات شروع ہو گئے اس کی وجہ یہ تھی کہ مرتضیٰ سمجھتے تھے کہ بے نظیر انہیں جان بوجھ کر وطن واپس آنے سے روک رہی ہیں جبکہ حقیقت یہ تھی کہ پاکستان میں جنرل ضیاء الحق کی باقیات بہت مضبوطی کے ساتھ اپنا تسلط قائم رکھے ہوئے تھی اگر مرتضیٰ واپس آتے ان کی جان کو خطرہ لاحق ہو سکتا تھا۔

ان بہن بھائی کے درمیان اختلاف کی ایک دوسری بڑی وجہ یہ تھی کہ بیگم نصرت بھٹو نے تمام فنڈز جو مارشل لاء کے نفاذ کے بعد اور جناب بھٹو کو پھانسی دیئے جانے کے بعد اسلامی ممالک سے ملے تھے مرتضیٰ کی نگرانی میں دے دیئے تھے۔ تیسری وجہ یہ تھی کہ بھٹو صاحب کے تمام غیر ملکی اکاؤنٹس مرتضیٰ کے کنٹرول میں تھے تاہم پاکستان میں موجود خاندانی اثاثوں کی دیکھ بھال بے نظیر بھٹو کر رہی تھیں۔ آصف علی زرداری پاکستان سے باہر اپنے یا کسی اور کے نام سے بیرون ممالک میں جو بھی اکاؤنٹ کھلواتے مرتضیٰ بھٹو اس کی خبر رکھتے تھے چنانچہ مرتضیٰ بھٹو نے بے نظیر بھٹو کے پہلے دور حکومت میں ان غیر ملکی اثاثوں کے بارے میں اپنی والدہ کو ثبوتوں کے ساتھ آگاہ کیا۔ یہ وہ اثاثے تھے جن کی بیگم نصرت بھٹو یا بے نظیر بھٹو کو خبر نہ تھی۔

6 اگست 1990ء کو بے نظیر کے اقتدار کے خاتمے کے بعد غلام مصطفیٰ جتوئی نگران وزیر اعظم بن گئے۔ نگران حکومت کے زیر نگرانی انتخابات کے بعد جب میاں نواز شریف برسر اقتدار آئے تو بے نظیر بھٹو کے ساتھ شدید اختلافات کی وجہ سے میاں نواز شریف نے اپنے زمانے کے انٹیلی جنس بیورو کے سربراہ بریگیڈیئر امتیاز احمد کی وساطت سے میر مرتضیٰ بھٹو کو پیغامات بھجوائے کہ وہ وطن واپس آ کر سندھ کی سیاست میں حصہ لیں۔ ان کا مقصد مرتضیٰ بھٹو کو وطن واپسی کا راستہ فراہم کرنا نہیں تھا بلکہ ان کا مقصد محض بے نظیر بھٹو کی قوت کو توڑنا تھا لیکن بیگم نصرت بھٹو نے ایک مرتبہ پھر مرتضیٰ بھٹو کا راستہ روک لیا اور انہیں وطن واپس نہیں آنے دیا۔

جب 1993ء میں غلام اسحاق خان نے میاں نواز شریف کی حکومت کو بھی چلتا کر دیا اور میر بلخ شیر مزاری کی سربراہی میں نگران حکومت قائم ہوئی۔ میاں نواز شریف نے اپنی حکومت کی معزولی کو عدالت میں چیلنج کر دیا اور عدالت عظمیٰ نے میاں نواز شریف کی حکومت بحال کر دی

Marfat.com

جس کے نتیجے میں نگران حکومت ختم ہو گئی۔ میاں نواز شریف کے خلاف ایوان صدر میں ہونے والی سازشوں کا سلسلہ جاری رہا تو فوج نے درمیان میں مداخلت کر کے غلام اسحاق خان اور میاں نواز شریف دونوں کو اقتدار سے علیحدہ کر دیا۔ میاں نواز شریف کی برطرفی کے نتیجے میں بین الاقوامی مالیاتی اداروں کے حمایت یافتہ معین قریشی کو نگران وزیر اعظم بنایا گیا۔ یہ وہی معین قریشی ہیں جن کی وزارت عظمیٰ نے عوام کا خون چوس کر عالمی مالیاتی اداروں کے مفادات کی تکمیل کی۔

4 جولائی 1993ء کو بیگم نصرت بھٹو نے ایک سندھی روزنامے کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ میر مرتضیٰ بھٹو واپسی کے بعد بے نظیر کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنے گا بلکہ وہ اپنی بہن کا بازو بن کر کام کرے گا۔ وہ پی پی پی کے پلیٹ فارم سے ہی سیاست کرے گا، بے نظیر اور مرتضیٰ میں کوئی اختلاف نہیں ہے بے نظیر جب وزیر اعظم تھی تو انہوں نے کہا تھا کہ ''وہ بھائی کو واپس لانا چاہتی ہے اب بھی جب بے نظیر لندن میں تھی تو بھائی سے فون پر بات کی تھی اور آصف نے مرتضیٰ کے لئے سالگرہ کا تحفہ بھیجا تھا اور مرتضیٰ نے بہن کے لئے پھول بھیجے تھے، انہوں نے کہا تھا کہ دشمن ہم کو مضبوط دیکھنا نہیں چاہتے ، ہمارے خاندان میں سیاست پر کسی تصادم کا کوئی امکان نہیں۔''

(مرتضیٰ بھٹو پاکستان آمد سے شہادت تک، نواز بھٹو)

16 اگست 1993ء کو اخبارات میں ایک خبر جو نمایاں طور پر شائع ہوئی وہ یہ تھی کہ بیگم نصرت بھٹو نے اپنے جلاوطن بیٹے میر مرتضیٰ بھٹو کی معافی اور وطن واپسی کے لئے فوج کے سربراہ جنرل عبدالوحید، قائم مقام صدر وسیم سجاد اور نگران وزیر اعظم معین قریشی سے رابطہ کیا ہے۔ اس کے بعد خبر آئی کہ بیگم نصرت بھٹو نے کہا ہے کہ قائم مقام صدر وسیم سجاد نے وعدہ کیا ہے کہ اگر نگران وزیر اعظم ان کو مشورہ دیں تو وہ مرتضیٰ کو معافی دینے کے لئے تیار ہیں۔ یہ ایک ماں اپنے بیٹے کی محبت میں کر رہی تھی ورنہ میر مرتضیٰ بھٹو کا موقف تھا کہ معافی کی اپیل کرنے کا مقصد اپنے تمام جرائم کو قبول کرنا تھا۔ مرتضیٰ معافی کے بجائے مقدمات کو عدالت میں فیس کرنا چاہتے تھے وہ صرف اور صرف انصاف کے طلب گار تھے۔ انہوں نے ایک پریس کانفرنس میں برملا کہا تھا کہ میں نے مسلح جدوجہد کر کے کوئی گناہ نہیں کیا اگر میں نے کوئی جرم کیا ہے تو میں عدالت میں آنے کے لئے تیار ہوں۔ یہ بات مقتدر طبقہ بھی اچھی طرح سمجھتا تھا یہی وجہ ہے کہ اسلام آباد

Marfat.com

میں 20 اگست کو ہونے والے ایک اجلاس میں کہا گیا کہ اعلیٰ فوجی وسول قیادت نے اعلان کیا ہے کہ ہراس شخص جس کے خلاف فوجداری مقدمات ہیں خواہ وہ کسی بھی سیاسی جماعت سے تعلق رکھتے ہوں یا اس کی سماجی حیثیت کوئی بھی ہو اس کے خلاف قانون کے مطابق کارروائی کی جائے گی۔

میر مرتضیٰ بھٹو وطن واپس آنے کے لئے بےچین تھے لیکن انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ پاکستان واپس جانے کا مطلب خودکو حکام کے حوالے کرنا تھا چنانچہ انہوں نے پہلے عوام کی عدالت میں جانے کا فیصلہ کیا اور دمشق میں بیٹھ کر 1993ء کے انتخابات میں حصہ لیا۔ 4 ستمبر 1993ء کو میر مرتضیٰ بھٹو نے جنگ اخبار کو ایک انٹرویو میں کہا کہ اگر دعوت دی جائے تو میں پاکستان پیپلز پارٹی میں شامل ہو کر بے نظیر بھٹو کی رہنمائی میں اپنے شہید والد کے مشن کو آگے بڑھانے کے لئے تیار ہوں۔

7 ستمبر کو الیکشن کمشن نے مرتضیٰ بھٹو کی پارٹی کو تسلیم کر لیا اور الیکشن لڑنے کے لئے پارٹی کو مکا کا نشان دیا۔ اسی روز اخبارات میں بے نظیر بھٹو کا بھی ایک بیان شائع ہوا جس میں کہا گیا تھا کہ مرتضیٰ کو چودہ سال قید کی سزا ہماری حکومت نے معاف کر دی تھی لیکن اسے آصف علی زرداری کی طرح عوام کے سامنے اپنی پوزیشن واضح کرنا ہوگی۔ اس وقت تک میر مرتضیٰ بھٹو ملٹری انٹیلی جنس اداروں کے بعض اہلکاروں کے ساتھ دوستانہ روابط استوار کر چکے تھے۔

محترمہ بے نظیر بھٹو جو میر مرتضیٰ بھٹو کو اپنے لئے سیاسی خطرہ تصور کرتی تھیں لیکن میر مرتضیٰ بھٹو متعدد مرتبہ یقین دہانی کرا چکے تھے کہ وہ ان کے لئے خطرہ نہیں بنیں گے۔ تاہم بے نظیر بھٹو نے میر مرتضیٰ بھٹو کی متوقع آمد کے پیش نظر کراچی میں اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ 10 ستمبر کو پیپلز پارٹی کراچی ڈویژن نے کراچی کے نشتر پارک میں ایک جلسہ عام منعقد کرنے کا اہتمام کیا۔ شام کو تقریباً پونے چھ بجے جب بے نظیر بھٹو جلسہ گاہ میں پہنچنے والی تھیں سینکڑوں کی تعداد میں نوجوان جو مرتضیٰ بھٹو اور ذوالفقار علی بھٹو کی تصاویر والی شرٹیں پہنے ہوئے تھے اچانک ایک طرف سے ''وزیراعظم مرتضیٰ'' کے نعرے لگاتے ہوئے نمودار ہوئے اور سٹیج پر قبضہ کر لیا۔ اس دوران پیپلز پارٹی کے کارکنوں اور مرتضیٰ کے حامیوں کے درمیان نعرے بازی ہوئی۔ مرتضیٰ کے حامیوں نے مرتضیٰ کے پورٹریٹ، پوسٹر اور انتخابی نشان مکہ والے بینر اٹھا رکھے تھے۔

Marfat.com

سٹیج پر قبضہ کیے جانے کے بعد بے نظیر بھٹو بھی جلسہ گاہ پہنچ گئیں تو انہیں صورت حال کے بارے میں آگاہ کیا گیا اس وقت بیگم نصرت بھٹو بھی ان کے ساتھ تھیں۔ بے نظیر بھٹو آدھا گھنٹہ اپنی گاڑی میں بیٹھی رہیں اور آخر کار پولیس کے اعلیٰ حکام نے مداخلت کر کے بے نظیر بھٹو اور دیگر کو سٹیج تک پہنچایا۔ بے نظیر بھٹو نے کوئی اعلان کیے بغیر اپنی تقریر شروع کر دی۔ اس دوران مرتضیٰ کے حامیوں نے کئی مرتبہ انہیں ڈسٹرب کیا اور بے نظیر کو تقریر روکنا پڑی تاہم بے نظیر بھٹو نے اس موقع پر کمال صبر کا مظاہرہ کیا اور مرتضیٰ کے حامیوں کو جلسہ سے باہر جانے کو کہتی رہیں۔

میری مرتضیٰ بھٹو کے حامیوں نے بے نظیر بھٹو کے جلسہ میں ہنگامہ آرائی کر کے بے نظیر بھٹو کو واضح طور پر پیغام دے دیا تھا کہ اگر بے نظیر بھٹو نے مفاہمت کی راہ اختیار نہ کی تو وہ ان کے لئے مشکلات بھی پیدا کر سکتے ہیں۔ میر مرتضیٰ بھٹو نے بھی اپنی والدہ پر واضح کر دیا تھا کہ وہ مزید جلاوطنی کی زندگی بسر نہیں کر سکتے، اس سلسلے میں انہوں نے شام کے صدر حافظ الاسد سے مشورہ کیا۔ حافظ الاسد ان کے مہربان سرپرست تھے جن کی مدد سے ضیاء الحق کی حکومت کے خلاف منصوبہ بندی کرنے میں کامیاب ہو سکے تھے۔

مرتضیٰ کی لبنانی بیوی غنویٰ بھٹو جسے سیاست سے کوئی دلچسپی نہ تھی 1993ء کے وسط میں پاکستان آ چکی تھیں اور انہوں نے 18 ستمبر 1993ء کو مرتضیٰ کی سالگرہ کے موقع پر 70 کلفٹن میں کیک کاٹا۔ میر مرتضیٰ بھٹو چاہتے تھے کہ وہ اپنی سالگرہ (18 ستمبر 1993ء) واپس وطن آ کر 70 کلفٹن میں منائیں لیکن بے نظیر بھٹو کے ساتھ اختلافات کی وجہ سے وہ ایسا نہ کر پائے۔ 18 ستمبر کو بیگم نصرت بھٹو، غنویٰ بھٹو، فاطمہ بھٹو اور ذوالفقار جونیئر کی قیادت میں ایک جلوس بھی نکالا گیا، جلوس کے شرکاء نے مرتضیٰ کے حق میں نعرے لگائے۔ راستہ میں بیگم نصرت بھٹو بھی "جیتے گا، جیتے گا، مرتضیٰ جیتے گا، رہبر و رہنما شاہنواز مرتضیٰ" کے نعرے لگاتی رہیں۔ بیگم نصرت بھٹو نے اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مرتضیٰ بھٹو انشاء اللہ جلد وطن واپس آئیں گے چاہے الیکشن سے پہلے یا الیکشن کے بعد لیکن مرتضیٰ آئے گا ضرور۔ اس تقریب میں میر مرتضیٰ بھٹو کا ایک پیغام پڑھ کر سنایا گیا:

> میرا کسی سے کوئی اختلاف نہیں، بھٹو شہید کے خون سے وفا اور پیپلز پارٹی کی بقاء میری بقیہ زندگی کا مشن ہے۔ میں نے جلاوطنی کی کربناکیاں دیکھی ہیں اور ہزاروں میل دور بیٹھ کر اپنے باپ کی شہادت کی خبر بے کسی کے

Marfat.com

عالم میں سنی ہے۔ بھائی کی موت اور ماں اور بہن پر ہونے والی سختیاں میری رگوں میں دوڑنے والے خون میں طغیانیاں پیدا کر گئی ہیں۔ میرے لئے اذیتیں سہنے والے پاکستان پیپلز پارٹی کے کارکن میرے دکھوں کا درماں ہیں میں نے انہیں رائیگاں ہونے سے بچانا ہے۔ ایک بہت خوبصورت لمحہ ہمارے وجود میں فاصلوں کو ختم کرنے کا منتظر ہے۔ آپ لوگ اس جذبے کو ہاتھ سے نہ جانے دیں جس کو ڈھال بنا کر آپ نے دور آمریت کے زخم سہے۔

اسی روز میر مرتضٰی بھٹو نے قومی اور سندھ اسمبلی کی 17 نشستوں پر الیکشن لڑنے کا اعلان کیا۔ تاہم بیگم نصرت بھٹو کے سمجھانے پر وہ 14 نشستوں سے دستبردار ہو گئے اور قومی اسمبلی کی تین اور صوبائی اسمبلی کی چھ نشستوں سے الیکشن لڑنے کا فیصلہ کیا۔

میر مرتضٰی بھٹو جانتے تھے کہ وطن واپسی پر ان کی زندگی کو خطرات لاحق ہوں گے انہوں نے دمشق سے فون پر اپنی والدہ اور بیوی کو انہیں قتل کرنے کے لئے تیار کی گئی سازش سے آگاہ کیا اور اپنی والدہ کے ذریعے بے نظیر بھٹو کو پیغام بھیجا کہ ہم دونوں کا دشمن ایک ہی ہے، میرے قتل کے بعد تمہارہ جانے کی صورت میں آپ پہلے سے زیادہ مشکلات میں گھر جائیں گی۔ بے نظیر بھٹو کو جب یہ پیغام ملا تو وہ چونک گئیں کیوں کہ وہ مرتضٰی سے سیاسی اختلاف ضرور رکھتی تھیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ اپنے بھائی کی جان کی دشمن بن گئی ہیں۔ وطن واپسی سے پہلے شام کی انٹیلی جنس ایجنسی نے میر مرتضٰی بھٹو کو پاکستان کے سیاسی حالات کے بارے میں ایک بریفنگ دی اور انہیں باور کرایا کہ پاکستان میں اگرچہ ان کی بہن وزیراعظم ہیں لیکن انہیں قومی سطح کی سیاست میں حصہ لینے کے لئے مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

میر مرتضٰی بھٹو نے کراچی کے لئے روانہ ہونے سے پہلے الطاف حسین سے بھی رابطہ کیا اور ان دونوں کے درمیان طے پایا کہ دونوں جماعتیں ایک دوسرے کی مخالفت کر کے اپنی توانائیاں ضائع نہیں کریں گی۔ حافظ الاسد نے مرتضٰی کو پاکستان جانے کے لئے ایک خصوصی طیارہ فراہم کیا اور اس سلسلے میں حکومت پاکستان سے درخواست کی کہ مرتضٰی کو لانے والے طیارے کو کراچی ائیرپورٹ پر اترنے کی اجازت دی جائے لیکن حکومت نے مرتضٰی کے طیارے کو کراچی ائیرپورٹ اترنے نہ دیا جس کے بعد مرتضٰی کا طیارہ دوبئی چلا گیا جہاں بھٹو شہید کے ایک اور دوست شیخ زید بن سلطان النہیان نے ان کی ہر طرح سے مدد کی اور شیخ زید کی مداخلت پر ہی

Marfat.com

ایک دوسرے طیارے کے ذریعے نومبر 1993ء میں کراچی ائیر پورٹ پہنچے۔ کراچی ائیر پورٹ پر ملٹری انٹیلی جنس کے بعض اہلکار موجود تھے اور مرتضٰی کی حفاظت کے خصوصی انتظامات کئے گئے تھے۔ کراچی ائیر پورٹ پر بیگم نصرت بھٹو نے اپنے بیٹے کا استقبال کیا اور امام ضامن باندھا اور گلے میں تعویذ ڈالا۔

محترمہ بے نظیر بھٹو نے اپنی والدہ کے ہاتھ مرتضٰی کے لئے مبارک باد کا پیغام بھیجا اور یہ بھی واضح کر دیا کہ اگر چہ پاکستان میں بھٹو خاندان کی حکومت ہے لیکن اس کے باوجود مرتضٰی کو تمام قانونی مراحل سے گزر کر سندھ اسمبلی پہنچنا پڑے گا جس کے وہ رکن تھے۔ چنانچہ مخدوم خلیق الزماں بیگم نصرت بھٹو کو لے کر ائیر پورٹ سے باہر چلے گئے اور مرتضٰی بھٹو کو قانون نافذ کرنے والے اداروں کی بھاری جمعیت نامعلوم مقام پر لے گئی۔ بیگم نصرت بھٹو اس بات پر خوش تھیں کہ ان کا بیٹا سولہ سالہ جلاوطنی کے بعد وطن واپس لوٹ آیا ہے۔ 4 نومبر کو بیگم نصرت بھٹو نے اخبار نویسوں کو بتایا کہ انہوں نے اپنے بیٹے کے ساتھ جیل میں کھانا کھایا لیکن وہ اس بات پر خوش ہیں کہ ان کا بیٹا اپنے وطن میں ہے چاہے وہ جیل میں ہی کیوں نہ ہو۔

مرتضٰی بھٹو کو 72 گھنٹے کی نظر بندی اور تفتیش کے بعد 6 نومبر 1993ء کو کراچی کی ایک خصوصی عدالت میں لایا گیا جہاں ان کے خلاف پی آئی اے کے طیارے کا اغوا اور ایک فوجداری مقدمہ زیر سماعت تھا عدالت نے 18 نومبر تک مرتضٰی بھٹو کا جسمانی ریمانڈ دے دیا۔ عدالت میں پیشی کے وقت عدالت کے اندر اور باہر لوگوں کا ہجوم تھا اور بیگم نصرت بھٹو بھی کمرہ عدالت میں موجود تھیں۔ مرتضٰی سے وعدہ کیا گیا کہ اسمبلی کے رکن کی حیثیت سے انہیں 6 نومبر کو حلف لینے کی اجازت دے دی جائے گی لیکن عملاً ایسا نہیں کیا گیا اور انہیں سندھ اسمبلی بھجوانے کے بجائے دوبارہ سیکورٹی ایجنسیوں کے حوالے کر دیا گیا۔ تاہم بعد میں 8 نومبر کو مرتضٰی نے سندھ اسمبلی کے رکن کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔

8 نومبر کو حلف اٹھانے کے بعد اخبار نویسوں سے بات چیت کرتے ہوئے مرتضٰی بھٹو نے کہا کہ انہیں فوج کی طرف سے پیغام بھیجا گیا تھا کہ وہ وطن واپسی کا ارادہ کم از کم 6 ماہ کے لئے موخر کر دیں تاہم یہ نہیں بتایا کہ یہ پیغام کس کے ذریعے دیا گیا تھا۔ اس کے بعد مرتضٰی بھٹو کو شاہ بندر کیس کے سلسلے میں 25 نومبر کو کراچی کی خصوصی عدالت میں پیش کیا گیا جہاں عدالت نے سماعت مکمل کر کے فیصلہ محفوظ کر لیا۔

Marfat.com

مرتضیٰ پر بعض دیگر مقدمات زیر سماعت تھے اس لئے انہیں ضمانت پر رہا نہ کرایا جا سکا تاہم بیگم نصرت بھٹو مرتضیٰ بھٹو کی طول پکڑتی ہوئی جیل کی زندگی اور اس بات پر تشویش تھی کہ ملک پر میری بیٹی کی حکومت ہے اور میرا بیٹا جیل میں بند ہے چنانچہ جب 4 دسمبر کو مرتضیٰ بھٹو کو ایک مقدمہ کے سلسلے میں کراچی کی خصوصی عدالت میں لایا گیا تو مرتضیٰ کے ساتھیوں نے عدالت میں زبردست ہنگامہ آرائی کی اور کافی دیر تک کمرہ عدالت ''بھٹو زندہ ہے، بھٹو زندہ ہے'' کے نعروں سے گونجتا رہا اس صورت حال میں عدالت نے ضمانت کے بجائے مرتضیٰ کو جیل بھیج دیا۔

غنوئی بھٹو کا خیال تھا کہ بے نظیر مرتضیٰ کو اتنی جلدی رہا نہیں کریں گی کیوں کہ 4 دسمبر کو مرتضیٰ نے جیل سے اپنی والدہ کو پیغام بھیجا تھا کہ بے نظیر بھٹو 5 دسمبر کو پارٹی کے مستقبل کے حوالے سے اہم فیصلے کرنے والی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ 4 دسمبر کو مرتضیٰ کی ضمانت پر رہائی کی صورت میں اسی شام بیگم نصرت بھٹو 70 کلفٹن پر ایک ہنگامی پریس کانفرنس منعقد کر کے مرتضیٰ بھٹو کو پاکستان پیپلز پارٹی کا سربراہ نامزد کرنے والی تھیں۔ بیگم نصرت بھٹو اس کا اختیار بھی رکھتی تھیں کیوں کہ بے نظیر کی موجودگی میں بھٹو شہید نے پھانسی کی کوٹھری میں بیگم نصرت بھٹو کو پی پی کا تاحیات چیئرپرسن نامزد کیا تھا۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو یہ عہدہ اپنے ایک رفیق یحییٰ بختیار کو دینے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن ان کے انکار کے بعد انہوں نے بیگم نصرت بھٹو کو نامزد کیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جناب بھٹو کے بعض ساتھی بھٹو صاحب کی شہادت کے بعد پیپلز پارٹی کی قیادت کرنے کی خواہش رکھتے تھے جب انہوں نے دیکھا کہ قیادت بھٹو کی بیٹی نے سنبھال لی ہے تو انہوں نے جنرل ضیاء الحق کے ساتھ ساز باز کر لی تھی۔

انٹیلی جنس بیورو کے ذریعے مرتضیٰ بھٹو اور بیگم نصرت بھٹو کی گفتگو پر مبنی ایک ریکارڈنگ وزیراعظم بے نظیر بھٹو کو ملی تو وہ بہت سیخ پا ہوئیں کیوں کہ اس گفتگو سے صاف واضح ہوتا تھا کہ ان کی والدہ نے مرتضیٰ بھٹو کو ذوالفقار علی بھٹو شہید کا جانشین نامزد کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور اس سلسلے میں انہوں نے پارٹی کے متعدد سینئر رہنماؤں سے مشاورت بھی کی ہے۔ چنانچہ محترمہ بے نظیر بھٹو نے 5 دسمبر 1993ء کو پاکستان پیپلز پارٹی کی سنٹرل ایگزیکٹو کمیٹی کا اجلاس لاہور میں طلب کیا جس میں بیگم نصرت بھٹو نے شرکت نہیں کی۔

پارٹی کی سنٹرل ایگزیکٹو کمیٹی کے ارکان کی کل تعداد 55 تھی جبکہ اس اجلاس میں 25 ارکان شریک ہوئے اس کا مطلب یہ تھا کہ بعض ارکان بیگم نصرت بھٹو کے ساتھ بھی تھے۔ اس

Marfat.com

اجلاس میں بے نظیر بھٹو کے ساتھیوں نے ایک قرارداد پیش کی جس میں کہا گیا تھا کہ وہ باضابطہ طور پر پارٹی کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ اس طرح پاکستان پیپلز پارٹی کے یوم تاسیس کے موقع پر الحمرا ہال لاہور میں منعقدہ سنٹرل ایگزیکٹو کمیٹی کے اجلاس میں پی پی پی کی سربراہ بن گئیں۔ حسب توقع بیگم نصرت بھٹو نے اس فیصلے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور بے نظیر بھٹو بیگم نصرت بھٹو کو پارٹی کی سرپرست بنانا چاہتی تھی مگر بیگم صاحبہ نے بیٹی کی فون کال سننے سے بھی انکار کر دیا۔ بیگم نصرت بھٹو نے 6 دسمبر 1993ء کو اپنی رہائش گاہ پر ایک پریس کانفرنس طلب کر کے 5 دسمبر کے فیصلے کو مسترد کر دیا اور انہوں نے آنسوؤں میں ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے اخبار نویسوں کو بتایا کہ ذوالفقار علی بھٹو نے انہیں تاحیات چیئر پرسن نامزد کیا تھا۔

میر مرتضیٰ بھٹو حکومت اور بعض حکومتی شخصیات پر تنقید کرتے تھے مگر وہ پیپلز پارٹی کو نقصان بھی نہیں پہنچانا چاہتے تھے جب بیگم نصرت بھٹو کو پیپلز پارٹی چیئر پرسن شپ سے الگ کیا گیا تھا تو ان کا سب سے بڑا مطالبہ یہی تھا کہ انہیں اس عہدے پر بحال کیا جائے۔ جب بے نظیر بھٹو پیپلز پارٹی کی چیئر پرسن بن گئیں تو اس بات کا بیگم نصرت بھٹو کو سخت صدمہ پہنچا اور یہ صورت حال دیکھ کر ''الذوالفقار'' کے ورکروں کے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہو گیا اور انہوں نے اپنے قائد کی رہائی کے لئے ملک بھر میں خصوصاً کراچی میں مظاہرے شروع کر دیئے چنانچہ محترمہ بے نظیر بھٹو نے کراچی پولیس کو حکم دیا کہ امن عامہ کی صورت حال خراب کرنے والوں کو حراست میں لے لیا جائے۔ ان میں 10 دسمبر کو ہونے والے مظاہرے زیادہ شدید تھے، خاص طور پر جب 11 دسمبر کو مرتضیٰ کو عدالت میں پیش کیا گیا تو مظاہرین میں خواتین بھی شریک تھیں تاہم مرتضیٰ کی رہائی عمل میں نہ آسکی۔

17 دسمبر کو مرتضیٰ بھٹو کے بچے فاطمہ اور ذوالفقار جونیئر بھی وطن واپس پہنچ گئے اور صنم بھٹو جو مرتضیٰ کی وطن واپسی سے پہلے ہی مرتضیٰ بھٹو اور بے نظیر بھٹو کے درمیان صلح کرانے کی کوششوں میں مصروف تھیں، انہوں نے اپنی کوششیں تیز کر دیں اور بے نظیر بھٹو کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ کم از کم مرتضیٰ کے بیوی بچوں سے ملنے کے بہانے 70 کلفٹن چلی جائیں۔ اس خوشگوار تعلق کا آغاز کرانے کے لئے 17 دسمبر کو مدینۃ الحکمت کراچی میں حکیم سعید کی نگرانی میں ہونے والی ایک تقریب کا انتخاب کیا گیا تھا۔ صنم بھٹو نے بیگم نصرت بھٹو اور بے نظیر بھٹو کو اس تقریب میں ملوایا اور اس موقع پر بے نظیر بھٹو نے بڑی گرمجوشی سے والدہ کو گلے لگا لیا اس کے

Marfat.com

جواب میں بیگم صاحبہ نے بھی اپنی بیٹی کا اسی گرمجوشی سے بوسہ لیا اور دعائیں دیں۔

اسی وقت صنم بھٹو نے بے نظیر بھٹو کی غنوی اور اس کے بچوں کے ساتھ ملاقات کے لئے 19 دسمبر کا دن طے کیا اس روز بے نظیر بھٹو نے اپنے بھائی کے بیٹے اور بیٹی کے ساتھ کافی دیر تک گپ شپ کی اور انہیں یقین دلایا کہ مرتضیٰ بھٹو بہت جلد رہا ہو جائیں گے۔ بے نظیر بھٹو کی اس یقین دہانی کے بعد بیگم نصرت بھٹو نے شہید بھٹو کی سالگرہ کے موقع پر منعقدہ تقریب میں مرتضیٰ کی شرکت کو یقینی بنانے کے لئے سندھ کے سیکرٹری داخلہ کو ایک درخواست ارسال کی جس میں مرتضیٰ کی پیرول پر رہائی کے لئے استدعا کی گئی تھی۔ بے نظیر بھٹو چاہتیں تو مرتضیٰ کو پیرول پر رہا کیا جا سکتا تھا لیکن بے نظیر بھٹو نے سندھ کے وزیر اعلیٰ اور عبداللہ شاہ اور گورنر کمال اظفر کو ہدایت کی کہ ان کے والد کی 66 ویں سالگرہ کے موقع پر نوڈیرو میں منعقدہ تقریب میں کسی قسم کی بدمزگی نہ ہونے پائے۔

بیگم نصرت بھٹو نے جب یہ دیکھا کہ بے نظیر بھٹو ان کے بیٹے کی رہائی کے سلسلے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتیں تو انہوں نے المرتضیٰ میں اپنے شوہر کی سالگرہ کی تقریب منعقد کرنے کا اعلان کر دیا اور مرتضیٰ کے ساتھیوں سے کہا گیا کہ وہ 5 جنوری کو المرتضیٰ پہنچیں، بیگم صاحبہ اب دباؤ کے ذریعے مرتضیٰ کو رہا کرانا چاہتی تھیں۔ اس موقع پر انٹیلی جنس بیورو نے بھٹو شہید کی سالگرہ کے حوالے سے وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کو رپورٹ ارسال کی جس میں کہا گیا تھا کہ مرتضیٰ کو پیرول پر رہا نہ کیا جائے کیوں کہ مرتضیٰ اور بے نظیر کی سندھ میں موجودگی کے باعث امن عامہ کی صورت حال خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔

بے نظیر کو بھجوائی جانے والی ایک رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ مرتضیٰ کے ساتھیوں نے اندرون سندھ اسلحہ منتقل کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس طرح کی رپورٹیں اگرچہ معمول کا حصہ بن کر رہ گئیں تاہم بھٹو شہید کی سالگرہ کی تقریب میں شرکت کے لئے حکومت نے خصوصی پاس جاری کئے اور سیکورٹی کے خصوصی انتظامات کئے گئے۔ اس طرح بے نظیر بھٹو نے نوڈیرو میں، بیگم نصرت بھٹو نے المرتضیٰ میں بھٹو شہید کی سالگرہ کا کیک کاٹا اور مرتضیٰ جیل میں اس انتظار میں رہے کہ کب ان کی رہائی کا پروانہ آتا ہے۔ اس طرح خوشی کا یہ موقع مرتضیٰ بھٹو اور بے نظیر بھٹو کے درمیان موجود خلیج کو مزید وسیع کر گیا۔ بیگم نصرت بھٹو جانتی تھیں کہ بھٹو خاندان میں پائے جانے والے اختلافات کا کوئی آسانی کے ساتھ فائدہ اٹھا سکتا ہے اسی لئے وہ ہمیشہ بہن بھائیوں کو آپس میں متحد رہنے کی نصیحت کرتی رہیں۔ 13 فروری 1994ء کو میر مرتضیٰ بھٹو نے اپنے قتل کی ایک سازش سے پردہ

Marfat.com

اٹھاتے ہوئے کہا تھا:

"اگر مجھے پھانسی نہ دی گئی تو قید کرنا پڑے گا ویسے میں بھلا آدمی ہوں مگر میری لاش بھلی نہیں ہوگی"

انہوں نے اس امر کی طرف اشارہ کر دیا تھا کہ اگر انہیں قتل کیا گیا تو حالات ٹھیک نہیں رہیں گے۔ یہ بھی اطلاعات تھیں کہ ان کی رہائش گاہ "المرتضیٰ" میں "را" کے ایجنٹ گھسے ہوئے ہیں۔ حکومت کے ذمہ دار حلقوں نے کہا کہ 200 ایجنٹوں نے المرتضیٰ میں پناہ لی ہوئی ہے جس پر میر مرتضیٰ بھٹو نے ہمیشہ یہ موقف اختیار کیا کہ "را" کے ایجنٹ کابینہ میں بھی شامل ہیں۔ انہوں نے سندھ کابینہ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اگر سندھ میں بھارت کی کوئی مدد کر رہا ہے تو وہ عبداللہ شاہ ہیں جنہوں نے سندھ کی جیلوں کو عقوبت خانوں میں تبدیل کر دیا ہے۔ جس کے لئے انہوں نے ایمنسٹی انٹرنیشنل سمیت انسانی حقوق کی متعدد دوسری تنظیموں سے بھی رابطہ کیا تھا تاکہ وہ سندھ میں پولیس اور انتظامیہ کی زیادتیوں کے خلاف معاملات کو عالمی سطح پر اٹھائیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ بھٹو کے یوم پیدائش کے موقع پر دو افراد قتل ہوئے تھے اس میں سندھ کی ایک اہم شخصیت کا ہاتھ ہے۔

میر مرتضیٰ بھٹو کو 5 جون 1994ء کو رہا کر دیا گیا تو بے نظیر بھٹو نے ایک بیان میں کہا کہ مرتضیٰ کی رہائی سے ہمیں کوئی نقصان نہیں ہوا انہوں نے پارٹی ڈسپلن کی پابندی کی تو خیر مقدم کریں گے۔ کچھ ہی دن بعد 18 جولائی کو شاہنواز بھٹو کی نویں برسی تھی جہاں بے نظیر بھٹو کے علاوہ خاندان کے تمام افراد موجود تھے۔ میر مرتضیٰ بھٹو نے پیش کش کی کہ اگر بے نظیر اپنی والدہ کو پھر سے پارٹی کی چیئر پرسن بنا دیں تو میرا ان کے ساتھ کوئی اختلاف نہیں رہے گا بلکہ ہم مل کر میاں نواز شریف کا مقابلہ کریں گے۔ میر مرتضیٰ بھٹو نے بے نظیر کی طرف سے اس پیش کش کا جواب نہ پا کر عوامی رابطہ مہم شروع کرنے کا اعلان کر دیا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اب شہید بھٹو کے صحیح پیروکاروں اور ان کے نام کا غلط استعمال کرنے والوں کے درمیان اصل لڑائی ہوگی۔ انہوں نے پیپلز پارٹی کی تنظیم نو کے لئے ملک بھر کا دورہ کرنے کا بھی عندیہ دیا۔

مرتضیٰ بھٹو نے سیاسی قوت کا اظہار کرنے کے لئے جس سرزمین کو منتخب کیا وہ لاہور کی سرزمین تھی۔ وہ 20 جولائی 1994ء کو جب لاہور پہنچے تو ہزاروں کارکنوں نے ان کا استقبال کیا۔ انہوں نے 22 جولائی کو لاہور کی بادشاہی مسجد میں نماز جمعہ ادا کی۔ جب وہ بادشاہی مسجد میں پہنچے

Marfat.com

تو بادشاہی مسجد کے خطیب مولانا آزاد اس وقت خطبہ دے رہے تھے وہ مرتضیٰ کو دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے کیوں کہ ان کے والد بھٹو شہید بھی کئی مرتبہ یہاں نماز ادا کر چکے تھے۔ انہوں نے اپنے خطبے کے دوران مرتضیٰ کو پیش کش کی کہ اگر وہ راضی ہوں تو وہ ان کے اور بے نظیر بھٹو کے درمیان ثالث بننے کو تیار ہیں نماز جمعہ کے بعد مرتضیٰ نے ان کا شکریہ ادا کیا اور ان کی پیش کش قبول کر لی لیکن بد قسمتی سے مولانا آزاد کی طرف سے ایسی کوئی کوشش کیے جانے سے پہلے ہی مرتضیٰ کو اطلاع ملی کہ ان کی پھوپھی اور ذوالفقار علی بھٹو کی بہن بیگم منور الاسلام کا انتقال ہو گیا ہے۔ مرتضیٰ بھٹو اپنی تمام مصروفیات منسوخ کر کے فوراً کراچی روانہ ہو گئے جہاں بے نظیر بھٹو اور ان کے شوہر بھی موجود تھے۔ مرتضیٰ بھٹو اور آصف علی زرداری نے بیگم منور کے جنازے میں شرکت کی دونوں کا کئی مرتبہ سامنا ہوا لیکن دونوں کے درمیان کوئی بات چیت نہ ہوئی۔

میر مرتضیٰ بھٹو نے کہا تھا کہ ان کے وزیر اعظم کے ساتھ اختلافات سیاسی نوعیت کے ہیں جائیداد کا جھگڑا نہیں۔ میر مرتضیٰ بھٹو کے ساتھ اندرون کے چھوٹے زمیندار اور عام آدمی تھے جبکہ بڑے بڑے جاگیردار پیپلز پارٹی میں شامل تھے لہٰذا انہیں ان کی مشکلات کو سمجھنے کا موقع بہتر طور پر مل سکا اسی لئے وہ کہتے تھے کہ

''ہم اب تک صحیح معنوں میں آزاد نہیں ہوئے ملک پر اور پیپلز پارٹی پر وڈیروں کا قبضہ ہے، ملک کے بعض اہم اداروں کو دکانیں بنا دیا گیا ہے جہاں سے عوام کے کام نہیں ہوتے روزگار فروخت ہوتا ہے۔''

اسی لئے وہ کہتے تھے کہ محروم طبقہ ہر جگہ محروم ہے خواہ وہ پیپلز پارٹی میں ہو یا دوسری جماعتوں میں اسی لئے وہ سندھیوں اور مہاجرین میں اتفاق رائے کے لئے کام کر رہے تھے۔ سندھ اسمبلی میں وہ فاروق ستار کے کمرے میں بھی وہ کافی وقت گزارا کرتے تھے وہ یہی کہتے تھے کہ انتخابات میں سندھ کی 29 ایم کیو ایم وغیرہ کی نشستوں کے علاوہ باقی نشستیں جیت لوں گا۔ وہ پیر پگاڑا اور غلام مصطفیٰ جتوئی کے ساتھ بھی مفاہمت کے راستے پر عمل پیرا تھے انہوں نے پیر پگاڑا سے ملاقاتیں بھی کیں اور یہاں تک کہا کہ پیر پگاڑا نے بھٹو مرحوم کی پھانسی کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔

محترمہ بے نظیر بھٹو کے ساتھ جن امور پر وہ اختلاف رائے کا ذکر کیا کرتے تھے وہ سیاسی نوعیت کے تھے وہ کہتے تھے کہ:

''ضیاء الحق کی مجلس شوریٰ کے لوگ کابینہ میں شامل کر لئے گئے ہیں

Marfat.com

(گورنر) الطاف حسین، (گورنر) محمود ہارون، (وزیر اعلیٰ) شاہ عبداللہ، یوسف رضا گیلانی (سپیکر قومی اسمبلی)، اقبال حیدر (وفاقی وزیر)، بریگیڈیئر اصغر (وفاقی وزیر) اور پیر مظہر الحق (سندھ کابینہ کے رکن) میرے والد کے قتل میں ملوث تھے اور میں ان کے ساتھ پارٹی میں نہیں بیٹھوں گا۔ عبداللہ شاہ جنرل ضیاء الحق کے ریفرنڈم میں پولنگ ایجنٹ تھے جبکہ پیر مظہر الحق نے انہیں اجرک پہنائی تھی، میں بے نظیر کی مدد کرنا چاہتا ہوں مگر مجھے ان کے کہنے پر پاکستان آنے سے روکا گیا۔"

اسی دوران وزیر اعظم بے نظیر بھٹو اور ان کے بھائی کے درمیان سیاسی اختلافات دور کرنے کی کوششیں کی جاتی رہیں۔ صنم بھٹو نے 94ء میں سوئیزر لینڈ میں وزیر اعظم بے نظیر بھٹو سے ملاقات کی اور نصرت بھٹو کو پارٹی کا چیئر پرسن بنانے کا مطالبہ قبول نہ کرنے پر بات آگے نہ بڑھ سکی۔ صنم بھٹو نے پاکستان میں بھی بے نظیر بھٹو سے ملاقات کی تھی جس کے بعد وہ لندن واپس چلی گئیں۔ اس عرصے میں بے نظیر بھٹو نے بھی نصرت بھٹو سے ملاقات کی، غنویٰ بھٹو سے بھی ملیں اور ان کے ساتھ خاندانی معاملات کو آگے بڑھانے کی کوشش کی۔ اس کے بعد بے نظیر بھٹو فروری 1994ء میں ہی رخسانہ بنگش کے گھر گئیں یہ ملاقات بغیر پروٹوکول کے کھلے ماحول میں ہوئی کچھ اختلافات دور ہوئے لیکن کچھ دور نہ ہو سکے تاہم ملاقاتوں اور مفاہمت کی کوششوں کا سلسلہ آگے بڑھتا رہا۔

بیگم نصرت بھٹو کا خیال تھا کہ ان کے بیٹے سے زیادتی ہو رہی ہے جو بھٹو خاندان کی نمائندگی کرتا ہے وہ چاہتی تھیں کہ حکومت کا مرکز "المرتضیٰ" کو بنایا جائے جو ان کے مرحوم شوہر اور پیپلز پارٹی کے بانی کی رہائش گاہ ہے بلکہ وہ انہیں سندھ کی وزارت اعلیٰ دینے کی بات بھی کر چکی تھیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ سیاسی ڈھانچے میں ان کے بیٹے کو کوئی عہدہ ملنا چاہئے۔ جب وزیر اعظم بے نظیر بھٹو نے 2 فروری کو یہ بیان دیا کہ "مجھے مرد کی بالادستی کے خلاف لڑنا پڑ رہا ہے" تو یہ بیان اگرچہ مرتضیٰ بھٹو کے بارے میں نہیں تھا مجموعی قومی سیاست کے حوالے سے تھا لیکن نصرت بھٹو نے اس کی چبھن محسوس کی اور کہا:

"ان کی اس بات پر مجھے افسوس ہوا ہے وہ یہ کیوں بھول گئی ہیں کہ انہیں دوبارہ وزیر اعظم میں نے بنوایا ہے، ان کے لئے جدوجہد کی ہے

Marfat.com

۔میں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ میرا بیٹا وزیر اعظم بن رہا ہے تین ماہ گزرنے کے باوجود فوری سماعت کی خصوصی عدالت نے فیصلہ نہیں سنایا، مرتضیٰ بھٹو کی جان کو خطرہ ہے۔''

اس دوران میر مرتضیٰ بھٹو کے بعض ساتھی انہیں وزیر اعظم بنانے کا مطالبہ کرتے رہے مخدوم خلیق الزماں تواتر کے ساتھ اس بات کا اعلان کرتے رہے کہ میر مرتضیٰ بھٹو کو وزیر اعظم بنوانا ہماری اولین ذمہ داری ہے البتہ نصرت بھٹو نے اس امر کی طرف کبھی اشارہ بھی نہیں کیا تھا۔ خود میر مرتضیٰ بھٹو نے بھی اتنی بات کی تھی کہ اگر میں کسی پوزیشن میں ہوا تو سب کا احتساب کروں گا۔

میر مرتضیٰ بھٹو جب پہلی بار اپنی اٹھارہ سالہ جلاوطنی ختم کر کے پاکستان واپس آئے تھے تو اس وقت پیپلز پارٹی کی مرکزی مجلس عاملہ کے بعض لوگ بھی اس کی سیاسی طاقت کا جائزہ لے رہے تھے اور حالات کے مطابق فیصلہ کرنے کے لئے پر تول رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر وہ پاکستان کی سیاست میں داخل ہوتے ہی پذیرائی حاصل کر لیں گے تو پھر وہ بھی انہی کا ساتھ دیں گے۔ چند ایک رہنماؤں نے خیال ظاہر کیا تھا کہ وہ فوری مقبولیت بھی حاصل کر لیں گے لیکن انہیں آتے ہی جیل میں ڈال دیا گیا اور ان کے خلاف مختلف نوعیت کے مقدمات کی سماعت سندھ اور پنجاب میں ہوتی رہی جن میں وہ بری ہوتے رہے۔

جب سیاست دانوں نے دیکھا کہ انہوں نے سندھ اسمبلی میں بھی بڑی تعداد میں امیدوار کھڑے کئے ہیں جنہیں کامیابی حاصل نہ ہوئی، پنجاب میں بھی مقبولیت کا گراف بہتر صورت حال ظاہر نہیں کر رہا تھا چنانچہ انہوں نے جہاں ہیں وہیں رہنے کا فیصلہ کر لیا تاہم اس عرصے میں وہ ایم کیو ایم کے زیادہ قریب ہوگئے جس کے باعث سندھ کے بعض بڑے زمینداران سے شاکی رہتے۔

میر مرتضیٰ بھٹو نے 15 اگست 1994ء کو سرحد کا دورہ کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اہل سرحد اور پنجاب کے درمیان کالا باغ ڈیم کے مسئلہ پر اختلافات ہو چکے تھے سرحد کے لوگ کالا باغ ڈیم کی حمایت میں ایک لفظ بھی سننے کو تیار نہ تھے چنانچہ مرتضیٰ نے بھی ہوا کا رخ دیکھتے ہوئے کالا باغ ڈیم کے خلاف بیان دیا جس کے نتیجے میں سرحد میں انہیں زبردست پذیرائی ملی۔

جب مرتضیٰ نے دیکھا کہ سرحد کے لوگ ان کی بات سننے کو تیار ہیں تو انہوں نے انکشاف کیا کہ ضیاء الحق نے پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کا غیر سرکاری طور پر معائنہ کروا کر امریکی

Marfat.com

امداد حاصل کی تھی۔ میر مرتضیٰ بھٹو کا یہ الزام ملکی اور بین الاقوامی پریس میں نمایاں طور پر شائع کیا گیا۔اس کے بعد انہوں نے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی حمایت میں متعدد مرتبہ بیانات دیئے اس کی وجہ یہ تھی اس زمانے میں پاکستان پر امریکہ کی طرف سے ایٹمی پروگرام رول بیک کرانے لئے شدید دباؤ تھا امریکہ چاہتا تھا کہ پاکستان کے عظیم ایٹمی سائنسدان کی مدت ملازمت مکمل ہونے کے بعد ریٹائر کر دیا جائے۔ میر مرتضیٰ بھٹو نے ڈاکٹر عبدالقدیر کو ریٹائر کرنے کے فیصلے کی کھل کر مذمت کی کیوں کہ وہ جانتے تھے ڈاکٹر عبدالقدیر کا کہوٹہ پراجیکٹ کے ساتھ منسلک رہنا کتنا ضروری ہے۔

کہا جاتا ہے کہ میر مرتضیٰ بھٹو نے اپنی جلاوطنی کے زمانے میں متعدد مرتبہ ان پاکستانی ایٹمی سائنسدانوں کی رہنمائی کی تھی جو ایٹمی پرزوں کی خریداری کے لئے یورپ اور امریکہ کا دورہ کیا کرتے تھے۔اس کی وجہ وطن پرستی کے علاوہ ایک یہ بھی تھی کہ پاکستان کا ایٹمی پروگرام ان کے شہید بابا کا شروع کیا ہوا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ اسے بہر صورت پایہ تکمیل تک پہنچنا چاہئے۔

☆☆☆

Marfat.com

میر مرتضیٰ بھٹو کا قتل

1995ء کے آخر میں بے نظیر بھٹو مختلف قسم کی سازشوں کا شکار ہو چکی تھیں اور ان سازشوں سے نکلنے کے لئے انہوں نے جہاں پارٹی کے ناراض کارکنوں کو منانے کا سلسلہ شروع کیا وہیں اپنے خاندان افراد کے ساتھ صلح کی کوششیں شروع کر دیں۔ جب انہوں نے اپنے چچا ممتاز بھٹو کے ساتھ صلح کی تو انہوں نے بے نظیر بھٹو کو مشورہ دیا کہ وہ مرتضیٰ کے ساتھ تمام اختلافات ختم کر کے 70 کلفٹن میں غنویٰ اور اپنی والدہ کی موجودگی میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کریں۔ بے نظیر بھٹو مرتضیٰ سے صلح کرنے کو تو تیار تھیں لیکن وہ چاہتی تھیں کہ پہلے مرتضیٰ کے ساتھ تمام اختلافی امور طے کر لئے جائیں۔

جب سے مرتضیٰ بھٹو وطن واپس آئے تھے تب سے ہی صنم بھٹو اور خاندان کے دوسرے افراد نے بے نظیر بھٹو پر دباؤ ڈالے رکھا کہ وہ مرتضیٰ کے ساتھ صلح کر لیں۔ چنانچہ دسمبر 1995ء کے اوائل میں بے نظیر بھٹو نے میر مرتضیٰ بھٹو کے ساتھ مذاکرات کا سلسلہ شروع کیا۔ بے نظیر بھٹو کی خواہش تھی کہ مرتضیٰ آصف علی زرداری سے بھی اپنے تعلقات درست کریں کیوں کہ پچھلے دو سال میں انٹیلی جنس ایجنسیوں نے فرضی رپورٹیں تیار کر کے آصف علی زرداری اور مرتضیٰ کے درمیان اختلافات کی دیوار حائل کر دی تھی۔

میر مرتضیٰ بھٹو کی بہن صنم بھٹو نے خاندان کو متحد رکھنے کی کوششیں جاری رکھیں اور اس سلسلے میں کئی مرتبہ اپنی والدہ بیگم نصرت بھٹو اور بڑی بہن بے نظیر بھٹو سے ملاقاتیں کیں پھر وہ وقت بھی آ گیا جب برف پگھلنے لگی اور حالات معمول پر آنے کی توقع ہو رہی تھی۔ میر مرتضیٰ بھٹو نے اگلے انتخابات میں اندرون سندھ سے بائیس سیٹیں حاصل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا اور ان کا ٹارگٹ سندھ کی وزارت اعلیٰ حاصل کرنے کا تھا۔ ان کی بہن بے نظیر بھٹو کے ساتھ اختلافات ختم یا کم

Marfat.com

ہونے کے بھی امکانات پیدا ہو رہے تھے۔ اسلام آباد کے حلقوں کے مطابق مقدمات سے بری ہونے کے بعد وزیراعظم کی حیثیت سے ان کی بہن انہیں سیاسی مقام دینے کے لئے اہم فیصلے کرنے والی تھیں اور اس سلسلے میں وزیراعظم بے نظیر بھٹو ڈاکٹر ظفر نیازی کے گھر بھی گئیں جن کا بیگم نصرت بھٹو بڑا خیال کرتی تھیں اور اس خاندان کی بات کو بڑا وزن دیتی تھیں۔ یاسمین نیازی ان کی سہیلی تھیں بعض حلقوں کا کہنا تھا کہ یاسمین نیازی نے موبائل فون پر میر مرتضیٰ بھٹو سے بات بھی کی تھی انہوں نے میر مرتضیٰ بھٹو کو باور کرایا کہ اگر وہ دونوں بہن بھائی اچھے تعلقات قائم کر لیں تو اس سے بے نظیر بھٹو کی بھی اہمیت بڑھے گی اور وہ پارٹی کے معاملات کو بھی بہتر طور پر سلجھا سکیں گی اور ان لوگوں کے اثر سے بھی نکل سکیں گی جنہیں میر مرتضیٰ اپنے والد کا مخالف سمجھتے تھے۔ میر مرتضیٰ بھٹو کو یہ بھی بتایا گیا کہ اگر وہ کھچے کھچے رہیں گے تو وزیراعظم کے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہیں رہے گا کہ وہ انہی کی سیاسی مدد حاصل کریں جنہیں میر مرتضیٰ بھٹو پسند نہیں کرتے تھے۔

اس کے سات آٹھ روز بعد ہی وزیراعظم ہاؤس میں دونوں کی ون ٹو ون ملاقات ہوئی جس میں میر مرتضیٰ بھٹو کو پیپلز پارٹی کی سنٹرل ایگزیکٹو کمیٹی رکنیت دینے کا فیصلہ کیا گیا جس کے بعد وزیراعظم نے انہیں سیاسی عمل میں شریک کرنا تھا تاہم اس عمل کی رفتار سست تھی۔ یہ بھی کہا جا رہا تھا کہ ایک ایجنسی نے وزیراعظم کو باور کرایا کہ ان کا بھائی دوبارہ مسلح ونگ بنا رہا ہے جس کے باعث انہوں نے اس امر کی اجازت طلب کر لی کہ میر مرتضیٰ بھٹو کو مسلح ونگ سے دور رکھنے کے لئے ڈرایا جائے اسی لئے جب اپریشن کیا گیا تو وزیراعظم نے سوال کیا کہ گولی چلانے کا حکم کس نے دیا تھا؟ انہوں نے یہ نہیں پوچھا کہ 70 کلفٹن کا اتنے بڑے پیمانے پر محاصرہ کس کے حکم سے کیا گیا تھا۔

جس زمانے میں بے نظیر حکومت کے خلاف مخالفین نے ہر طرح کے حربے اختیار کرنے شروع کر دیئے تھے خاص طور پر ملک کے مختلف حصوں میں بم دھماکے کر کے کوشش کی جا رہی تھی کہ لوگ بے نظیر حکومت سے تنگ آ کر اس کے خاتمے کی دعائیں کرنے لگیں اور یہ وہ مناسب موقع ہوگا جب صدر فاروق لغاری بعض الزامات لگا کر بے نظیر کی حکومت برطرف کر دیں۔ اسی زمانے میں یعنی ستمبر 1996ء کے آغاز میں بے نظیر بھٹو نے اپنے خاندان کے اثاثوں کو مرتضیٰ بھٹو کی خواہش کے مطابق تقسیم کرنے پر آمادگی ظاہر کر دی اور وہ اس بات پر بھی

Marfat.com

آمادہ ہوگئیں کہ پارٹی کی قیادت بیگم نصرت بھٹو کے حوالے کر دی جائے گی اور آئندہ تمام فیصلے 70 کلفٹن پر ہوا کریں گے۔ تاہم بیگم نصرت بھٹو کی ذہنی کیفیت ایسی ہوگئی تھی کہ مرتضیٰ بخوبی جانتے تھے کہ وہ اب پارٹی امور چلانے کے قابل نہیں رہیں چنانچہ مرتضیٰ اور بے نظیر بھٹو کے درمیان پارٹی کی قیادت، از سر نو تنظیم اور خاندانی اثاثہ جات کی منصفانہ تقسیم کے حوالے سے غور و خوض جاری تھا کہ 18 ستمبر 1996ء کو کراچی میں سول سیکرٹری ایٹ اور کمشنر آفس میں بم دھماکے ہوگئے۔ کراچی پولیس اور انٹیلی جنس بیورو نے اس شام کو وزیراعظم بے نظیر بھٹو کو ان دھماکوں کے بارے میں جو رپورٹیں پیش کیں ان میں واضح طور پر یہ اشارہ موجود تھا کہ دہشت گردی کی اس واردات میں بھارتی انٹیلی جنس راء کا ہاتھ ہوسکتا ہے جو مرتضیٰ کے ایک قریبی ساتھی علی سنارا کو رہا کروانے کے لئے حکومت پر دباؤ ڈال رہی ہے۔ اگلے روز کراچی پولیس مرتضیٰ کے باڈی گارڈز کو گرفتار کرنا چاہتی تھی لیکن بے نظیر بھٹو نے نصیر اللہ بابر جو اس وقت وزیر داخلہ تھے کو ہدایت کی کہ وہ اس بات کو یقینی بنائیں کہ مرتضیٰ بھٹو یا کوئی اور رکن اسمبلی پولیس کی زیادتی کا نشانہ نہ بنے۔ لیکن کراچی پولیس نے مرتضیٰ بھٹو کے خلاف بنائے جانے والے منصوبے پر عمل درآمد نہ کرنے کے بجائے ایسا انتظام بھی کر لیا جس کا مقصد مرتضیٰ بھٹو کو گرفتار کرنا نہیں بلکہ قتل کرنا تھا۔

میر مرتضیٰ بھٹو 20 ستمبر 1996ء کی صبح معمول کی کارروائی کے بعد شام کو جب کراچی میں ایک جلسے سے خطاب کرنے کے لئے 70 کلفٹن سے نکلے تو ان کے ساتھ ان کے باڈی گارڈز بھی موجود تھے جن کے بارے میں حکومت کو شبہ تھا کہ وہ بھارتی ایجنسی راء کے ایجنٹ ہیں یا ان کے پاس غیر لائسنس یافتہ اسلحہ موجود ہے۔ اس سے پہلے مرتضیٰ بھٹو نے اس روز سہ پہر کو کراچی پولیس کو وارننگ دی کہ اگر وہ انہیں گرفتار کرنا چاہتی ہے تو پہلے وارنٹ حاصل کرے۔ دراصل مرتضیٰ بھٹو اپنے ایک ساتھی علی سنارا کو پولیس کے تشدد سے بچانے کے لئے کراچی سی آئی اے سینٹر کا دورہ کر چکے تھے۔ مرتضیٰ بھٹو کے اس اقدام کو پولیس نے یہ رنگ دیا کہ مرتضیٰ نے سی آئی اے سینٹر پر حملہ کیا حالانکہ ایسی کوئی بات نہ تھی۔

مرتضیٰ بھٹو صدیق گوٹھ میں جلسہ کرنے کے بعد گاڑیوں کے ایک جلوس کی شکل میں 70 کلفٹن کو روانہ ہوئے تو اس رات طبیعت میں بے چینی سی محسوس کر رہے تھے کیوں کہ

Marfat.com

انہیں اطلاع ملی تھی کہ کراچی پولیس ان کے ساتھیوں کے خلاف ایک بڑی کارروائی کرنے والی ہے۔ مرتضیٰ کی گاڑی جوں ہی 70 کلفٹن کے قریب پہنچی تو پولیس کی متعدد گاڑیاں ان کا راستہ روکے کھڑی تھیں۔ مرتضیٰ کو "الذوالفقار" کا سربراہ ہونے کی حیثیت سے پہلے بھی اس قسم کی صورت حال سے واسطہ پڑ چکا تھا چنانچہ وہ خوفزدہ ہونے کے بجائے انتہائی اعتماد سے اپنی سیٹ پر بیٹھے رہے اسی اثنا میں پولیس نے انہیں گاڑی روکنے کا اشارہ کیا پولیس کمانڈوز نے جس انداز میں پوزیشن سنبھال رکھی تھی اس کو دیکھتے ہوئے مرتضیٰ نے فوراً ہی اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا کہ کوئی گولی نہیں چلائے گا۔ اس کے بعد انہوں نے ہاتھ سے پولیس آفیسرز کی طرف اشارہ کیا یعنی وہ چاہتے تھے کہ کوئی سینئر پولیس آفیسران سے بات کرے۔ ایس پی شاہد حیات نے مرتضیٰ کے ہاتھ کا اشارہ پا کر ان کی گاڑی کی طرف قدم بڑھانے شروع کئے۔ ایک سینئر پولیس آفیسر کو دیکھ کر مرتضیٰ کے چہرے پر نمایاں ہونے والے تفکرات کی جگہ اطمینان نے لے لی کیوں کہ اگر پولیس انہیں مارنا چاہتی تو کوئی سینئر پولیس آفیسران کی طرف نہ آتا شاہد حیات نے مرتضیٰ سے کہا: "سر ہم آپ کے باڈی گارڈز کی تلاشی لینا چاہتے ہیں کیوں کہ ہماری اطلاع کے مطابق ان کے پاس غیر قانونی اسلحہ موجود ہے۔" مرتضیٰ نے اس پر انتہائی اعتماد سے شاہد حیات سے کہا کہ وہ چند ایک پولیس آفیسرز اور ملازمین کے ساتھ ان کے پیچھے 70 کلفٹن آجائیں کیوں کہ اس طرح سڑک پر کھڑے ہو کر وہ تلاشی نہیں دیں گے۔ اس کے بعد پولیس اور مرتضیٰ کے ساتھیوں کے بیانات میں تضاد ہے۔ پولیس کا کہنا تھا کہ مرتضیٰ کے کمانڈوز نے اے ایس پی کو اغوا کرنے کی کوشش کی تھی جس پر پولیس کو فائرنگ کرنا پڑی جبکہ مرتضیٰ کے ساتھیوں کے مطابق اس وقت جب کہ پولیس اور مرتضیٰ کے درمیان مذاکرات جاری تھے اچانک فائرنگ شروع ہو گئی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے مرتضیٰ اور ان کے ساتھی زخمی ہو گئے۔ یہ کارروائی وزیر اعظم کے احکامات کو نظر انداز کرتے ہوئے کی گئی جن کے ذریعے ملک بھر کی پولیس اور سیکورٹی حکام کو حکم دیا گیا تھا کہ مرتضیٰ کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے۔ اس بات کا آج تک پتہ نہیں چل سکا کہ آخر وہ کون تھا جس کے حکم پر مرتضیٰ کو قتل کرنے کے لئے وزیر اعظم کے احکامات کو نظر انداز کر دیا گیا تھا۔

☆☆☆

Marfat.com

بے نظیر بھٹو کے حالات زندگی پر ایک نظر

پاکستان اور اسلامی دنیا کی پہلی خاتون حکمران بے نظیر بھٹو جنہیں وفاق پاکستان کی علامت کہا جاتا تھا 21 جون 1953ء کو کراچی میں پیدا ہوئیں۔ ابتدائی تعلیم لیڈی جیننگز نرسری سکول اور کانونٹ آف جیسز اینڈ میری کراچی سے حاصل کی۔ راولپنڈی کانونٹ میں دو سالہ تعلیم کے بعد جیسز اینڈ میری کانونٹ مری میں بھجوادیا گیا۔ پندرہ سال کی عمر میں بے نظیر بھٹو نے اولیول کا امتحان پاس کرلیا۔ انہوں نے کراچی گرائمر سکول سے اے لیول کیا جس کے بعد وہ اعلیٰ تعلیم کے لئے امریکہ چلی گئیں۔

1969ء کے سے لے کر 1973ء کے عرصہ کے دوران بے نظیر بھٹو ریڈ یف کالج اور ہاورڈ یونیورسٹی میں زیر تعلیم رہیں جہاں سے انہوں نے حکومتوں کے تقابلی جائزے میں امتیازی حیثیت سے گریجوایشن کی ڈگری حاصل کی اس دوران انہیں اکیڈمک سوسائٹی ''پی بیٹا کپا'' کے لئے بھی منتخب کرلیا گیا۔ امریکہ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد ان کی اگلی منزل برطانیہ تھی جہاں انہوں نے 1973ء سے لے کر 1977ء تک لیڈی مارگریٹ ہال آکسفورڈ میں فلسفہ، سیاست اور معاشیات کی تعلیم حاصل کی۔

آکسفورڈ میں تعلیم کے دوران انہوں نے عالمی قوانین اور سفارت کاری کے کورس بھی مکمل کئے۔ 1976ء میں بے نظیر کو آکسفورڈ یونین کا صدر بھی منتخب کرلیا گیا۔ وہ ایشیا کی پہلی خاتون تھیں جنہیں اس اہم سوسائٹی کا صدر ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔

بے نظیر بھٹو نے اپنے لئے سفارتکاری کا میدان چنا تھا کیوں کہ یہ شعبہ اس کی صلاحیتوں سے پوری طرح ہم آہنگ تھا لیکن قسمت نے اسے اپنے باپ کا جانشین بنا کر کارزار سیاست میں لا کھڑا کیا۔ بے نظیر بھٹو جب تعلیم مکمل کر کے واپس لوٹیں تو صرف دو ہفتے بعد انہیں گھر میں نظر بند کردیا گیا۔ 4 اپریل 1979ء کو جب فوجی آمر جنرل ضیاء الحق نے ذوالفقار علی بھٹو کی

Marfat.com

حکومت کی طرح ان کی زندگی پر بھی شب خون مارا تو ایک طرف باپ قربانی کا استعارہ بن گیا اور دوسری طرف بیٹی عزم و ہمت اور جدوجہد کی مثال بن گئی۔ اسی لمحے ایک نئی بے نظیر بھٹو کا جنم ہوا جسے مشہور شاعر حبیب جالب نے۔

''ڈرتے ہی بندوقوں والے ایک نہتی لڑکی سے''

کہہ کر خراج تحسین پیش کیا۔

بے نظیر بھٹو نے سیاست کے اسرار رموز اپنے والد سے سیکھے تھے جو نہایت زیرک اور کامیاب سیاستدان تھے۔ عین ممکن تھا کہ جناب ذوالفقار علی بھٹو شہید اپنی زندگی میں ہی بے نظیر بھٹو کو عملی سیاست میں لے آتے لیکن زندگی نے انہیں مہلت نہیں دی۔ تاہم بے نظیر بھٹو وزارت عظمیٰ سے اپنے والد کی معزولی اور پھانسی کے بعد بڑے دگرگوں حالات میں اپنے والد کے بیش قیمت سیاسی ورثے کی مالک بن گئیں۔

بے نظیر بھٹو کے سیاسی سفر کا آغاز بڑے پر مصائب حالات میں ہوا اور اس سفر کی ابتداء ہی کانٹوں کے راستے سے ہوئی اور ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی کے بعد انہیں اور ان کی والدہ بیگم نصرت بھٹو کو گرفتار کر لیا گیا۔ 1980ء میں بے نظیر بھٹو کے بھائی شاہنواز کو قتل کر دیا گیا جبکہ 1996ء میں ان کے دوسرے بھائی میر مرتضیٰ بھٹو کو بھی فائرنگ کے ایک واقعہ میں قتل کر دیا گیا۔ اپنے والد کی پھانسی کے بعد انہوں نے ایک طویل عرصہ قید و بند میں گزارا جس میں 1981ء کے موسم گرما کے دوران اندرون سندھ بتائی جانے والی قید تنہائی بھی شامل ہے۔

بے نظیر بھٹو کے بقول جس سیل میں وہ اسیری کاٹ رہی تھیں وہ گرمیوں میں کسی چولہے کی طرح سلگتا تھا آخر کار جنرل ضیاء الحق کی حکومت نے 1984ء میں بے نظیر بھٹو کو برطانیہ جانے کی اجازت دے دی۔ جلا وطنی کے دوران بے نظیر بھٹو اپنے والد ذوالفقار علی بھٹو کی سیاسی جماعت پیپلز پارٹی کی ایک طاقتور لیڈر کے طور پر سامنے آئیں۔ اے آر ڈی کی تحریک اور پیپلز پارٹی سمیت اس وقت کی حزب اختلاف کی جماعتوں کے کارکنوں کی بھرپور جدوجہد اور قربانیوں کے نتیجے میں 1985ء میں ملک سے مارشل لاء اٹھا لیا گیا اور ایک طویل مدت کے بعد ملک میں ایک جمہوری حکومت قائم ہو گئی۔ جمہوریت بحال ہونے کے بعد 10 اپریل 1986ء کو بے نظیر بھٹو جب پاکستان واپس پہنچیں تو لاہور میں ان کا عظیم الشان استقبال کیا گیا۔ ان کے استقبال میں لاکھوں افراد کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر موجود تھا اور فضا ''جئے بھٹو'' اور ''بھٹو کی تصویر، بے

Marfat.com

نظیر" کے فلک شگاف نعروں سے گونج رہی تھی۔ اپریل ہی میں وہ اپنی والدہ کے ساتھ پاکستان پیپلز پارٹی کی شریک چیئر پرسن بن گئیں اور اسی زمانے میں بے نظیر بھٹو ضیاء مخالف حلقوں کی امیدوں کا مرکز بن گئیں۔

وطن واپسی کے بعد انہوں نے ملک کے طول وعرض کا دورہ کیا اور عوامی جلسوں سے خطاب کر کے جنرل ضیاء الحق کی آمریت کو للکارا۔ ان کا مطالبہ تھا کہ جنرل ضیاء الحق اقتدار چھوڑ دیں اور ملک میں عام انتخابات کروا کر اقتدار عوام کے حقیقی نمائندوں کے حوالے کر دیں۔ جنرل ضیاء الحق کے لئے بے نظیر بھٹو کے مطالبے کو تسلیم کرنے کا سیدھا مطلب اقتدار پاکستان پیپلز پارٹی کے حوالے کرنا تھا جو جنرل ضیاء الحق کو کسی طور گوارا نہیں تھا تاہم حالات نے جنرل ضیاء الحق کو 1985ء میں انتخابات کرانے پر مجبور کر دیا۔

اس وقت پاکستان پیپلز پارٹی ایک سیاسی اتحاد ایم آر ڈی میں شامل تھی اور ایم آر ڈی کی جماعتوں نے غیر جماعتی بنیادوں پر ہونے والے عام انتخابات کا بائیکاٹ کرنے کا فیصلہ کیا چنانچہ پاکستان پیپلز پارٹی پارلیمانی سیاست سے باہر رہی۔ اس وقت کے وزیر اعظم محمد خان جونیجو کی حکومت برطرف کر کے جنرل ضیاء الحق نے ایک مرتبہ پھر انتخابات کرانے کا ڈول ڈالا مبصرین کے مطابق جنرل ضیاء الحق پاکستان پیپلز پارٹی کو آنے والے انتخابات میں شکست سے دوچار کرنے کے لئے تیاری مکمل کر چکے تھے لیکن کاتب تقدیر کچھ اور ہی فیصلہ لکھ چکا تھا اور جنرل ضیاء الحق بہاولپور کے قریب ایک فضائی حادثے میں ہلاک ہو گئے۔ 18 دسمبر 1987ء میں بے نظیر بھٹو کی آصف علی زرداری سے شادی ہوئی، شادی کی تقریب کراچی میں منعقد ہوئی۔ ان کے تین بچے ہیں جن کے نام بلاول، بختاور اور آصفہ ہیں۔

16 نومبر 1988ء کو ہونے والے عام انتخابات کے نتیجے میں ان کی پارٹی نے قومی اسمبلی میں اکثریت حاصل کی اور مخالفین کی تمام تر کوششوں کے باوجود بے نظیر بھٹو ملک کی وزیر اعظم بن گئیں۔ اس طرح وہ پاکستان اور اسلامی دنیا کی پہلی خاتون وزیر اعظم بن گئیں۔ بحیثیت وزیر اعظم ان پر سیاسی مخالفین کی طرف سے شدید تنقید کی گئی تاہم انہوں نے برسر اقتدار آ کر کئی ایسے اقدامات کئے جنہیں عوامی سطح پر سراہا گیا۔ انہوں نے اپنے غریب ہموطنوں کی حالت بہتر بنانے کے لئے "پیپلز پروگرام" کے نام سے معاشی منصوبہ شروع کیا۔ ان کے دور حکومت میں بیروزگاروں کی بڑی تعداد کو روزگار میسر آیا۔

Marfat.com

اگست 1990ء میں اس وقت کے صدر غلام اسحاق خان جو جنرل ضیاء الحق کے قریبی ساتھیوں میں شمار کئے جاتے تھے نے بے نظیر بھٹو کی حکومت کرپشن کے الزامات لگا کر برطرف کر دی۔ بے نظیر کی برطرفی کے بعد نگران حکومت نے ان کے خلاف بدعنوانی کے لاتعداد ریفرنسز دائر کر دیئے اور ان کے شوہر آصف زرداری کو مختلف الزامات کے تحت گرفتار کر لیا۔ والد کی پھانسی اور ضیاء دور کے مصائب کے بعد یہ بے نظیر بھٹو کے لئے دوسرا ابتلاء کا دور تھا جس کا مقابلہ انہوں نے بہادری سے کیا۔ نومبر 1990ء میں ہونے والے عام انتخابات میں پیپلز پارٹی کو شکست کا سامنا کرنا پڑا اور یوں بے نظیر بھٹو قائد حزب اختلاف کا کردار نبھانے لگیں۔

یہ نواز شریف کا دور حکومت تھا جو اس وقت جنرل ضیاء الحق وارث اور پیپلز پارٹی کے کٹر مخالف سمجھے جاتے تھے۔ اس دور میں بے نظیر بھٹو کو کافی مسائل کا سامنا کرنا پڑا مگر انہوں نے کمال سیاسی فراست کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان مسائل سے چھٹکارا پا لیا۔ انہوں نے سیاسی بساط پر شاندار چالیں چلتے ہوئے اپنے دو مخالفین صدر غلام اسحاق خان اور وزیراعظم میاں نواز شریف کو باہم ٹکرا دیا۔ اس ٹکراؤ کا نتیجہ جولائی 1993ء میں میاں نواز شریف کی برطرفی کی صورت میں نکلا اور ساتھ ہی غلام اسحاق خان کو بھی شدید تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔ جب سپریم کورٹ نے میاں نواز شریف کی حکومت بحال کر دی تو میاں نواز شریف کے ساتھ غلام اسحاق خان محاذ آرائی پہلے سے بھی زیادہ شدت اختیار کر گئی جس کے نتیجے میں میاں نواز شریف اور غلام اسحاق خان دونوں کو رخصت ہونا پڑا۔

اکتوبر 1993ء کے عام انتخابات میں بے نظیر کی زیر قیادت پاکستان پیپلز پارٹی ایک بار پھر بھرپور طریقے سے کامیاب ہوئی اور حکومت بنانے میں کامیاب ہوگئی اور بے نظیر بھٹو دوبارہ ملک کی وزیراعظم بن گئیں۔ اس مرتبہ بے نظیر بھٹو صدارتی انتخابات میں اپنے امیدوار سردار فاروق لغاری کو صدر منتخب کرانے میں کامیاب ہوگئیں۔ دوسری مرتبہ وزیراعظم بننے کے بعد بے نظیر بھٹو نے جو اقدامات کئے ان میں ان کی خارجہ پالیسی سرفہرست تھی جس کی بدولت عالمی سطح پر پاکستان کا امیج بہتر ہو گیا۔

اس دور میں بے نظیر کو شدید مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا، ایک طرف نواز شریف کی زیر قیادت مسلم لیگ نے ''تحریک نجات'' کے نام سے ان کی حکومت کے خلاف تحریک چلائی اور دوسری طرف ایم کیو ایم سے حکومت کے شدید اختلافات ہو گئے اور یہ صورت حال کراچی سمیت

Marfat.com

سندھ کے شہری علاقوں میں بدامنی پر منتج ہوئی۔ کراچی کی صورت حال کو بہتر بنانے کے لئے پی پی کی حکومت نے کراچی میں اپریشن کیا جس نے بعدازاں بے نظیر بھٹو حکومت کے خلاف الزامات کی فہرست میں اولین جگہ پائی۔

ادھر بے نظیر کے بھائی مرتضیٰ بھٹو نے طویل جلاوطنی کے بعد پاکستان واپس آ کر اپنی بہن کو مشکلات سے دوچار کر دیا۔ مرتضیٰ نے بے نظیر اور ان کے شوہر کو مستقل ہدف تنقید بنائے رکھا۔ بے نظیر بھٹو کو اس وقت شدید صدمے اور سیاسی نقصان کا سامنا کرنا پڑا جب ان کے بھائی مرتضیٰ بھٹو کو کراچی پولیس مقابلے کے نام پر مار ڈالا گیا۔ اس صدمے نے بے نظیر کی والدہ نصرت بھٹو کو شدید زک پہنچائی جو شوہر اور جوان بیٹے شاہ نواز بھٹو کی موت پر پہلے ہی غم سے نڈھال تھیں۔

اسی دوران بے نظیر بھٹو کے اپنے ہی منتخب کردہ صدر سے بھی اختلافات سامنے آنا شروع ہو گئے جنہوں نے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سنگین صورت اختیار کر لی اور آخر 5 نومبر 1996ء کو صرف تین سال کے بعد ان کی حکومت ایک مرتبہ پھر کرپشن کے الزامات لگا کر ختم کر دی گئی۔ 1997ء کے عام انتخابات میں ان کے دیرینہ حریف میاں نواز شریف بھاری مینڈیٹ کے ساتھ منتخب ہو کر ایک مرتبہ پھر وزیراعظم بن گئے۔

یہ بے نظیر بھٹو کے لئے مصیبتوں اور مشکلات کا ایک نیا دور شروع ہوا تھا اس دور میں انہیں لاتعداد مقدمات کا سامنا کرنا پڑا اور ان کے شوہر آصف زرداری مستقل قید میں رہے آخر نامساعد حالات کی وجہ سے بے نظیر ملک سے باہر چلی گئیں حتیٰ کہ 1999ء میں جنرل پرویز مشرف کے ہاتھوں میاں نواز شریف کی برطرفی کے بعد بھی بے نظیر بھٹو کے لئے حالات نہیں بدلے اور جنرل پرویز مشرف نے بے نظیر کے خلاف مقدمات کا سلسلہ جاری رکھا اور ان کے شوہر مسلسل اسیری کی زندگی گزارتے رہے۔ جنرل پرویز مشرف نے ایک آئینی ترمیم کے ذریعے مسلسل تیسری بار وزیراعظم بننے پر پابندی لگا کر نواز شریف کے ساتھ ساتھ بے نظیر بھٹو کے لئے بھی اقتدار کا دروازہ بند کر دیا اور ان دونوں رہنماؤں کو پاکستان کی سیاست سے ہمیشہ کے لئے آؤٹ کر دینے پر بضد رہے۔

جنرل پرویز مشرف کی ضد بالآخر آٹھ سال تک قائم رہنے کے بعد ڈھیلی پڑنے لگی اور بے نظیر بھٹو سے مصالحت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اس مصالحت کی ابتداء آصف زرداری اور پی پی پی کے اہم رہنما یوسف رضا گیلانی کے ذریعے ہوئی اور آخرکار جنرل پرویز مشرف نے بے نظیر بھٹو

Marfat.com

سے بیرون ملک ملاقات کی اور قومی مفاہمتی آرڈیننس جاری کر کے بے نظیر کے خلاف دائر مقدمات اور ریفرنسز واپس لے لئے۔ بے نظیر بھٹو دس سال کی جلاوطنی کے بعد 18 اکتوبر 2007ء کو ایک فاتحانہ شان کے ساتھ وطن واپس لوٹ آئیں۔ 1986 کی طرح اس مرتبہ بھی ان کے استقبال کے لئے لوگ جوق در جوق آئے جن کے فلک شگاف نعروں نے بے نظیر بھٹو کو سیاست سے بے دخل کر دینے کے دعوؤں کو دھول کی طرح فضا میں اڑا کر رکھ دیا۔

اس مرتبہ بے نظیر بھٹو کئی خدشات کے ساتھ واپس لوٹی تھیں، ان کے بقول انہیں انتہا پسندوں سے خطرہ تھا ان کے استقبالیہ جلوس میں ہونے والے خوفناک دھماکے کے ساتھ ہی یہ خدشہ درست ثابت ہوا اور ان کو مستقبل قریب میں حاصل ہونے والی خوشیاں مناتے لاتعداد لوگ پل کی پل میں جاں سے گزر گئے۔ بے نظیر بھٹو تمام تر خطرات کے باوجود بھی بڑی دلیری کے ساتھ اپنی انتخابی مہم چلا رہی تھیں۔ وہ اپنی پہچان بن جانے والی جرأت کے ساتھ ملک کے مختلف شہروں میں بڑے بڑے جلسوں سے خطاب کر رہی تھیں۔ سیاسی مبصرین ان کے وزیر اعظم بننے کی پیش گوئیاں کر رہے تھے کہ جنون، وحشت اور درندگی نے ایسی تمام پیش گوئیوں کو پیچھے چھوڑ کر اس رہنما کو شکار کر لیا جو حقیقی معنوں میں چاروں صوبوں کی زنجیر تھی اور واقعتاً بے نظیر تھی۔

کہا جاتا ہے کہ وہ صدر جنرل پرویز مشرف کے ساتھ ایک ڈیل کے ذریعے وطن واپس آئی تھیں بے نظیر بھٹو کا موقف تھا کہ انہوں نے جمہوریت کی بحالی کے لئے جنرل پرویز مشرف سے مفاہمت کی ہے اگر ہم پر واضح ہو گیا کہ جنرل پرویز مشرف جمہوریت کی بحالی کا ارادہ نہیں رکھتے تو ہماری مفاہمت ختم ہو جائے گی۔ بے نظیر بھٹو اور صدر پرویز مشرف کے درمیان مفاہمت اس وقت ختم ہو گئی جب جنرل پرویز مشرف نے 3 نومبر کو ملک میں ایمرجنسی نافذ کر دی جسے "ایمرجنسی پلس" کا نام دیا گیا۔ اس وقت بے نظیر بھٹو دوبئی میں اپنے بچوں سے ملنے کے لئے گئی ہوئی تھیں اور ایمرجنسی کے نفاذ کی اطلاع پا کر فوراً واپس لوٹ آئیں۔ وہ اپنی انتخابی مہم کے دوران بڑے بڑے عوامی جلسوں سے خطاب کر رہی تھیں کہ 27 دسمبر 2007ء کو لیاقت باغ راولپنڈی میں ایک بڑے جلسے سے خطاب کے بعد خودکش حملے اور فائرنگ کے نتیجے میں شہید ہو گئیں۔

☆☆☆

Marfat.com

بے نظیر بھٹو مارشل لاء کے بعد

4 اور 5 جولائی 1977ء کی رات جنرل ضیاء الحق نے جناب بھٹو کی حکومت ختم کر کے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ ان دنوں بے نظیر بھٹو آکسفورڈ یونیورسٹی میں سٹوڈنٹس یونین کی صدر تھیں اور چھٹیاں گزارنے پاکستان آئی ہوئی تھیں۔ اس غیر متوقع واقعہ پر انہوں نے اپنے ہوش و حواس قائم رکھے اور بھٹو صاحب پر مقدمہ چلنے کے دوران پارٹی کارکنوں اور رہنماؤں کے ساتھ رابطہ رکھا۔ ضیاء الحق نے ملک میں مارشل لاء نافذ کر کے تمام سیاسی رہنماؤں کو گرفتار کر لیا۔ اگلے روز ملک کو جمہوریت کے راستے پر گامزن کرنے کے لئے ہدایات جاری کر دی گئیں۔

13 جولائی کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے تمام سیاسی قیدیوں کی رہائی کا حکم دیا اور اعلان کیا کہ کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی۔ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے 18 اکتوبر 1977ء کو عام انتخابات کرانے کا اعلان کیا۔ قومی اتحاد اور پیپلز پارٹی کے رہنماؤں نے انتخابات میں حصہ لینے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ سیاسی سرگرمیاں بحال ہونے کے بعد ذوالفقار علی بھٹو نے پشاور میں ایک بڑے جلسہ عام میں خطاب کرتے ہوئے حکومت کو خبردار کیا کہ اگر ہم انتخابات سے دستبردار ہونے پر مجبور ہوئے تو بحران پیدا ہو جائے گا۔

اسی دوران پیپلز پارٹی کے خلاف مختلف نوعیت کے الزامات کی تفصیلات سامنے آنا شروع ہو گئیں اور کچھ عرصہ بعد ہی جناب بھٹو کو نواب محمد احمد خان کے قتل کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا۔ جناب بھٹو کی گرفتاری اور الزامات کے باوجود بھی فوجی حکومت کو اعتراف تھا کہ پیپلز پارٹی ہی واحد قومی جماعت ہے جس کی جڑیں عوام میں ہیں۔ 13 ستمبر کو ہائی کورٹ نے مسٹر بھٹو کو ضمانت پر رہا کر دیا اور 17 ستمبر کو دوبارہ نظر بند کر دیا۔ پیپلز پارٹی نے بھی ان واقعات سے دلبرداشتہ ہونے کے بجائے بھرپور طریقے سے انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کر دیا اور پارٹی کی باگ ڈور بیگم

Marfat.com

نصرت بھٹو نے سنبھال لی۔

23 ستمبر 1977ء کو ناصر باغ لاہور میں ایک بڑے جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے بیگم نصرت بھٹو نے کہا کہ ہم انتخاب اور انقلاب دونوں کے لئے تیار ہیں اگر انتخاب کا دروازہ بند کیا گیا تو انقلاب کا دروازہ کھل جائے گا۔ اس دوران جناب بھٹو اور ان کے ساتھیوں کے خلاف مختلف نوعیت کے مقدمات درج ہونے لگے اور فوجی حکومت کے منظور نظر سیاستدانوں نے انتخاب سے پہلے احتساب کا شور مچانا شروع کر دیا اس سلسلے میں پریس بھی ان کی ہمنوائی کر رہا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ جنرل ضیاء الحق نے جنرل فیض علی چشتی کے ذریعے بھٹو مخالف سیاستدانوں کو یہ پیغام پہنچایا کہ اگر بھٹو کو گرفتار نہ کیا گیا تو وہ دوبارہ الیکشن جیت کر حکومت بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اگر بھٹو کا راستہ نہ روکا گیا تو وہ کبھی اقتدار میں نہیں آسکیں گے۔

ضیاء الحق کی یہ سکیم کارگر ثابت ہوئی اور اپوزیشن کی مذہبی جماعتوں نے انتخابات کے بجائے بھٹو کو پھانسی دلانے میں زیادہ دلچسپی لینی شروع کر دی۔ جناب بھٹو کی گرفتاری کے بعد بیگم نصرت بھٹو اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکیں اور انہوں نے 22 ستمبر 1977ء کو اعلان کر دیا کہ اکتوبر 1977ء میں ہونے والے عام انتخابات میں کامیابی کے بعد ہم ضیاء الحق کو ریٹائر کر دیں گے۔

بیگم نصرت بھٹو کے اس بیان کے بعد جنرل ضیاء الحق نے بڑی سرعت کے ساتھ اقدامات کرنے شروع کر دیئے اور سب سے پہلے انہوں نے بعض جرنیلوں سے مشورہ کر کے سپریم کورٹ آف پاکستان کے چیف جسٹس یعقوب علی خان کو فارغ کر دیا کیوں کہ وہ مارشل لاء کے نفاذ کو غیر آئینی قرار دینے کے لئے ایک اہم رٹ پٹیشن کی سماعت کرنے والے تھے جو بیگم نصرت بھٹو نے دائر کی تھی۔ 29 ستمبر کو بے نظیر بھٹو نے اوکاڑہ میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا کہ اگر ان کے والد کو پھانسی دی گئی تو پانچوں دریاؤں کا پانی سرخ ہو جائے گا۔ بے نظیر کے اس اعلان کے بعد جنرل ضیاء الحق نے بے نظیر بھٹو کو نظر بند کرنے کے احکامات جاری کر دیئے اور صرف دو دن بعد یعنی یکم اکتوبر کو عام انتخابات ملتوی کر دیئے گئے۔

9 اکتوبر کو نواب محمد احمد خان کے مقدمہ قتل میں ذوالفقار علی بھٹو کی درخواست ضمانت منسوخ کر کے جناب بھٹو کو گرفتار کر لیا گیا۔

ذوالفقار علی بھٹو نے ایک آئینی پٹیشن داخل کرتے ہوئے لکھا کہ

Marfat.com

پاکستان کے کسی بھی حلقے سے میری بیٹی بے نظیر سے الیکشن لڑ کر دیکھ لو میں لکھ کر دے سکتا ہوں کہ وہ نہ صرف مدمقابل کو شکست دے گی بلکہ اس کی ضمانت بھی ضبط کرا دے گی۔ بھٹو نے مزید لکھا کہ آؤ (یہ اشارہ پاکستان قومی اتحاد کی طرف تھا) اور میرے اس چیلنج کو قبول کرو تم ایک مومن ہو اور میں ایک مجرم ہوں، پھر مجرم کی بیٹی سے ڈرتے کیوں ہو لیکن نہ تو حاکم وقت نے مرحوم بھٹو کا چیلنج قبول کیا اور نہ ہی انتخابات کے انعقاد کا اعلان کیا۔ ذوالفقار علی بھٹو کو اپنے بیٹوں سے زیادہ اپنی بیٹی پر اعتماد تھا وہ جانتے تھے کہ ان کی بیٹی کبھی ہمت نہیں ہارتی آکسفورڈ یونیورسٹی کا انتخاب ایک مرتبہ ہار کر جب بے نظیر نے دوبارہ کامیابی حاصل کی تو بھٹو شہید نے اپنی بیٹی کے نام ایک پیغام لکھا ''مجھے تم پر فخر ہے'' (بے نظیر حکومت کے بیس ماہ ''قیوم نظامی'')

اپنے دور حکومت میں بھٹو صاحب بے نظیر کو اکثر غیر ملکی دوروں پر لے جایا کرتے، دنیا کی اہم شخصیات سے ملنے اور ان کے ساتھ گفتگو کرنے کے باعث بے نظیر بھٹو میں خود اعتمادی پیدا ہو چکی تھی۔ پاک بھارت کے درمیان ہونے والے مشہور شملہ معاہدہ میں بھی بے نظیر طالب علم ہونے کی حیثیت سے جناب بھٹو کے ساتھ بھارت گئی تھیں۔

''سیاست میں ان کی آمد ایسے حالات میں ہوئی جب ان کے والد اور منتخب وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف لاہور ہائی کورٹ میں قتل کے مقدمہ کی سماعت جاری تھی۔ بے نظیر ان دنوں وکلاء کے ساتھ مقدمہ کی سماعت کے لئے آتی تھیں بعد میں وہ فلیٹیز ہوٹل میں قائم یحییٰ بختیار کے اس عارضی دفتر میں آجاتیں جہاں مقدمہ کی تیاری کے سلسلے میں درخواستیں تیار ہوتیں اور مقدمہ سے تعلق رکھنے والے امور طے کئے جاتے تھے۔ اس کے ساتھ وہ پیپلز پارٹی کے رہنماؤں اور کارکنوں سے بھی ملاقاتیں کرتی تھیں۔

لاہور میں ان کا سب سے پہلا عوامی جلسہ عارف اقبال بھٹی ایڈووکیٹ کے گھر سے ملحقہ گلی میں ہوا۔ حاضرین سے جن میں پیپلز پارٹی کے جوشیلے کارکنوں کی تعداد زیادہ تھی بے نظیر بھٹو نے خطاب کرتے ہوئے انہیں صبر و تحمل کی تلقین کی۔

Marfat.com

یہ وہ دن تھے جب مارشل لاء کے ضابطہ 13 اور 33 کے تحت سیاسی اجتماعات اور سیاسی سرگرمیوں پر مکمل پابندی تھی۔ اس طرح بے نظیر بھٹو نے شروع ہی سے مارشل لاء کے جبر کو پوری طاقت کے ساتھ للکارا، پرجوش کارکن انہیں دیکھتے ہی نعرے بلند کرنا شروع کر دیتے، ان دنوں بے نظیر بھٹو کو اردو پر عبور حاصل نہیں تھا وہ رک رک کر بولتی تھیں، دبلی پتلی بے نظیر کو شائد اس بات کا علم نہیں تھا کہ آنے والے دنوں میں یہی معمول ان کی زندگی کا مشن بن جائے گا۔" (دختر پاکستان بے نظیر بھٹو)

جنرل ضیاء الحق نے ایک مرتبہ انتخابات ملتوی کرنے کے بعد سیاستدانوں کو مئی 1978ء میں انتخابات کرانے کا عندیہ دیا، بیگم نصرت بھٹو کو اندازہ تھا کہ ان کے شوہر کو زندہ نہیں چھوڑا جائے گا اور اپنے اس خدشے کا اظہار انہوں نے 3 فروری 1978ء کو پیپلز پارٹی کی مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے کیا کہ فوجی حکومت نے ان کے شوہر کو سیاسی منظر سے ہٹانے اور پیپلز پارٹی کو کرش کرنے کے لئے تمام منصوبہ بندی مکمل کر لی ہے اس لئے اگر پی پی کے جانثار کارکنوں کو میدان میں نہ لایا گیا تو وقت ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ بیگم نصرت بھٹو کو یقین تھا کہ اگر ضیاء الحق نے 1978ء میں انتخابات کرا دیئے اور اقتدار کسی بھی سیاسی جماعت کو منتقل ہو گیا تو اس سے جناب بھٹو کی زندگی بھی محفوظ ہو جائے گی اور جمہوری ادارے بھی تباہی سے بچ جائیں گے۔

اس وقت مجموعی سیاسی صورت حال یہ تھی کہ جنرل ضیاء الحق نے الیکشن کرانے کا جھانسہ دے کر بھٹو مخالف قوتوں کو اپنا ہمنوا بنا رکھا تھا اور اس بات کی توقع کی جا رہی تھی کہ آنے والے چند ماہ کے اندر انتخابی سرگرمیوں کی اجازت دے دی جائے گی۔ 3 فروری 1978ء کو بیگم نصرت بھٹو نے جنرل ضیاء الحق سے مطالبہ کیا کہ وہ دو ماہ کے اندر انتخابات کرائیں۔ ضیاء الحق نے بیگم صاحبہ کے مطالبے کو مدنظر رکھتے ہوئے سیاستدانوں کی آمدن کے گوشواروں کی چھان بین کرنے والے سرکاری حکام نے 89 سیاسی رہنماؤں کے معاملات نا اہل قرار دینے والے ٹریبونل کے حوالے کر دیئے جن میں بیگم نصرت بھٹو کا نام سرفہرست تھا۔

ذوالفقار علی بھٹو پابند سلاسل تھے، بیگم نصرت بھٹو کو نا اہل قرار دیئے جانے کا امکان تھا ان حالات میں جناب بھٹو کے پاس اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ اپنی تربیت یافتہ صاحبزادی کو میدان

Marfat.com

میں لاتے اور یہ حقیقت بھی تھی کیوں کہ بے نظیر دوران تعلیم بھی ہاورڈ یونیورسٹی میں الیکشن لڑتی رہی تھیں۔ جناب بھٹو بھی بے نظیر کی سیاسی تربیت کے نکتہ نظر سے مختلف دوروں میں بے نظیر کو بھی اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ جب وہ نوے ہزار سیاسی قیدیوں کی رہائی کے سلسلے میں بھارت گئے تو اس وقت بھی بے نظیر ان کے ساتھ تھیں۔ بے نظیر نے جناب بھٹو کے ساتھ مختلف بین الاقوامی سیمناروں میں بھی شرکت کی۔ جناب بھٹو نے اپنے وکیل یحیٰی بختیار کے ذریعے اپنی اہلیہ کے نام پیغام دیا کہ وہ پنکی (بے نظیر) کو سیاسی دورے کرائیں۔

چنانچہ بھٹو صاحب کی ہدایات کی روشنی میں بے نظیر بھٹو نے 14 فروری 1978ء کو سندھ کے مختلف شہروں کا دورہ کیا اس دوران جنرل ضیاء الحق کو بھٹو خاندان کی سیاسی سرگرمیوں کی اطلاعات ملتی رہتی تھیں ان کی انٹیلی جنس رپورٹوں میں صاف طور پر بتایا گیا تھا کہ اگر بے نظیر کو گرفتار نہ کیا گیا تو وہ عوام کو مشتعل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گی۔ چنانچہ جنرل ضیاء الحق صرف تین دن تک صبر کر سکے اور پھر ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا دوسری طرف بھٹو صاحب کو بھی بے نظیر کے دورہ سندھ کی رپورٹیں مل رہیں تھیں اور انہیں 18 فروری کا بڑی شدت سے انتظار تھا کیوں کہ اس روز بے نظیر بھٹو سندھ کے ایک اہم علاقے نواب شاہ میں ایک بڑے جلسہ عام سے خطاب کرنے والی تھیں لیکن اس سے ایک روز پہلے فوجی حکام نے بے نظیر کو کراچی بھیج دیا اور ان سے سختی سے کہا گیا کہ وہ کراچی کی شہری حدود سے باہر نہ نکلیں۔

ذوالفقار علی بھٹو کی گرفتاری کے بعد سیاسی سرگرمیوں پر پابندی لگا دی گئی تاہم کچھ عرصہ بعد پابندی اٹھا لی گئی اور سیاستدانوں کو سیاسی سرگرمیوں کی اجازت بھی دے دی گئی کیوں کہ اس طرح وہ سیاستدانوں اور عالمی رہنماؤں کو یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ ان کا اقتدار سے چمٹے رہنے کا کوئی ارادہ نہیں اور وہ انتخابات کروا کر جمہوریت بحال کرنا چاہتے ہیں۔ فوج اور سول انٹیلی جنس ایجنسیوں کے ذریعے آرمی ہاؤس پہنچنے والی رپورٹوں سے فروری 1978ء میں ہی واضح ہو گیا تھا کہ عوام کی بڑی تعداد اب بھی بھٹو خاندان سے محبت کرتی ہے اور انتخابات کے بعد اگر پی پی پی واضح اکثریت حاصل نہ بھی کر سکی تو اسے مرکز اور صوبوں میں اتنی سیٹیں ضرور مل جائیں گی کہ وہ حکومت پر دباؤ ڈال سکے۔

اس صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے جنرل ضیاء الحق نے 22 فروری 1978ء کو سبی میں عوامی اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ان کی حکومت اس وقت تک انتخابات نہیں کرائے

Marfat.com

گی جب تک وہ اور ان کے ساتھ اس بات کا اطمینان نہ کرلیں کہ انتخابات سے مثبت نتائج ظاہر ہوں گے۔ "مثبت نتائج" سے ضیاء الحق کی کیا مراد تھی یہ سمجھنا مشکل نہیں اس سے مراد ان جماعتوں کی کامیابی جو ضیاء الحق کی منظور نظر تھیں۔

جنرل ضیاء الحق چشم تصور میں ایک ایسی حکومت کا قیام دیکھ رہے تھے جو بھٹو خاندان کے بغیر ہو اور پیپلز پارٹی کو کمزور کرنے کے منصوبے پر عمل پیرا تھے۔ ان کی مشکل اس طرح آسان ہوگئی کہ ذوالفقار علی بھٹو نے پیپلز پارٹی کی قیادت بے نظیر کو سونپ دی تو ان کے کچھ دیرینہ ساتھی ان سے ناراض ہو گئے جن میں غلام مصطفیٰ جتوئی، کوثر نیازی، عبدالحفیظ پیرزادہ، معراج محمد خان، ملک معراج خالد، اور غلام مصطفیٰ کھر شامل تھے۔ ان میں سے ہر ایک بھٹو کی جگہ لینے کے لئے بے چین تھا، مولانا کوثر نیازی نے 24 فروری 1978ء کو بیگم نصرت بھٹو کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی صاحبزادی بے نظیر بھٹو کو پارٹی پر مسلط کرنے کے بجائے جمہوری طریقہ کار اختیار کریں ان کا رویہ پارٹی کے لئے تباہ کن ہو سکتا ہے۔ لیکن بیگم نصرت بھٹو نے اپنے خاوند سے مشورہ کرنے کے بعد ان رہنماؤں کے احتجاج کو مسترد کر دیا۔ جنرل ضیاء الحق نے موقع غنیمت جانتے ہوئے ان سے کامیاب مذاکرات کئے۔

فروری 1978ء میں سیاسی حلقوں میں یہ بات پھیل گئی تھی کہ مولوی مشتاق حسین مارچ میں بھٹو کو سزائے موت کی سزا دینے والے ہیں چنانچہ 8 مارچ کو پی پی پی کی صوبائی قیادت کو گرفتار کرلیا گیا بیگم نصرت بھٹو کو لاہور میں 12 مارچ کو گرفتار کیا گیا۔ لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مولوی مشتاق حسین نے فیصلہ 16 مارچ تک لکھ لیا تھا اور 17 مارچ کو جنرل ضیاء الحق کے پاس تھا۔ چنانچہ نواب محمد احمد کیس کی سماعت مکمل ہونے پر بے نظیر بھٹو نے دوٹوک الفاظ میں کہا تھا کہ مولوی مشتاق حسین ان کے والد کو سزائے موت دینا چاہتے ہیں ان کا یہ خدشہ اس وقت درست ثابت ہوا جب بھٹو کو نواب محمد احمد خان کے قتل کا مجرم قرار دے کر سزائے موت سنادی گئی۔

اس وقت بیگم نصرت بھٹو لاہور کی ایک کوٹھی میں قید تھیں یہ خبر ان پر بجلی بن کر گری تاہم انہیں یقین تھا کہ اگر ہائی کورٹ میں ان کے ساتھ انصاف نہیں ہوا تو سپریم کورٹ ان کے ساتھ ضرور انصاف کرے گی۔ بھٹو کو پھانسی کی سزا سنائے جانے کے بعد چند گھنٹوں کے اندر ملک بھر سے سینکڑوں کارکنوں کو گرفتار کرلیا گیا۔ بیگم نصرت بھٹو اس وقت خود کو تنہا محسوس کر رہی تھیں کیوں کہ فوجی حکومت نے ان کی صاحبزادی کو 70 کلفٹن پر نظر بند کر رکھا تھا اور دونوں صاحبزادے دیار

Marfat.com

غیر میں در بدر کی ٹھوکریں کھا رہے تھے۔

بے نظیر بھٹو نے 20 مارچ 1978ء کو فوجی حکام کو ایک درخواست بھجوائی جس میں لکھا کہ میں اپنے والد سے ملنا چاہتی ہوں مجھے جلد از جلد لاہور منتقل کیا جائے۔ یہ درخواست سندھ کے ہوم سیکرٹری نے 21 مارچ کو ضیاء الحق کو بھیج دی یہ پہلا موقع تھا کہ بھٹو خاندان کے کسی فرد نے ان سے کوئی درخواست کی تھی، وہ دو روز تک فیصلہ نہ کر پائے کہ وہ بے نظیر بھٹو کو کراچی سے لاہور منتقل کریں یا نہیں۔ کافی سوچ بچار کے بعد جنرل ضیاء الحق نے بے نظیر بھٹو کو اپنے والد سے ملاقات کرنے کی اجازت دے دی چنانچہ بے نظیر بھٹو کو ایک طیارے کے ذریعے کراچی سے لاہور لایا گیا اور اسی روز ان کی ذوالفقار علی بھٹو سے ملاقات کرائی گئی۔

اس ملاقات میں جناب بھٹو نے بے نظیر بھٹو کو اپنا سیاسی جانشین مقرر کیا اور سیاسی امور کے بارے میں اپنے تجربات کی روشنی میں انہیں ہدایات دیں۔ بے نظیر بھٹو نے اپنے والد کو تسلی دی اور بتایا کہ آج (25 مارچ) یحییٰ بختیار اور ان کے رفقاء ہائی کورٹ لاہور کے فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر رہے ہیں۔ بے نظیر بھٹو کو اسی روز کراچی بھیج دیا گیا، ہائی کورٹ کے فیصلے کے خلاف اپیل دائر کی گئی تاہم کراچی میں نظر بند بے نظیر اور لاہور میں نظر بند نصرت بھٹو کے دل میں ہر وقت یہی خدشہ رہتا تھا کہ کہیں بھٹو کو تختہ دار پر نہ لٹکا دیا جائے۔

یکم اپریل 1978ء کو سپریم کورٹ میں سماعت شروع ہوئی۔ اس سے پہلے جناب بھٹو نے چیف جسٹس کی فل بینچ میں شمولیت پر اعتراض کرتے ہوئے ایک درخواست سپریم کورٹ میں پیش کی جسے مسترد کر دیا گیا۔ سپریم کورٹ میں مقدمے کی سماعت جاری رہی اور سپریم کورٹ کا فیصلہ آنے سے پہلے جنرل ضیاء الحق نے 16 ستمبر کو فضل الٰہی چوہدری کو صدارت کے عہدہ سے فارغ کر دیا اور خود صدر بن گئے کیوں کہ سپریم کورٹ کا فیصلہ آنے کے بعد صرف صدر کے سامنے ہی اپیل کی جا سکتی تھی اور انہیں خدشہ تھا کہ فضل الٰہی چوہدری جناب بھٹو کے قریب رہے ہیں کہیں وہ جناب بھٹو کی سزا معاف ہی نہ کر دیں۔

اس طرح ایک طرف ذوالفقار علی بھٹو کی زندگی کے گرد گھیرا تنگ کیا جا رہا تھا تو دوسری طرف عوام کے دلوں میں بھٹو خاندان سے نفرت پیدا کرنے کی مہم بھی چل رہی تھی اور اس سلسلے میں 7 اپریل 1978ء کو ایک خبر شہ سرخی کے طور پر شائع ہوئی جس میں کہا گیا تھا کہ لاہور میں سرکاری عمارتوں کو ڈائنامیٹ سے اڑانے کی سازش پکڑی گئی ہے جس میں پیپلز پارٹی کے ایک گروپ کا

Marfat.com

ہاتھ ہے۔خبر کے مطابق پولیس نے لارڈ ز ہوٹل کے قریب چھاپہ مار کر ایک گاڑی سے 90 پلاسٹک بم، دو دستی بم، ایک سونوے ڈیٹونیٹر اور آتش گیر مادہ برآمد کر کے تین افراد کو گرفتار کرلیا ہے جن کا تعلق پیپلز پارٹی کے ایک گروپ کے ساتھ ہے۔

تیسرے محاذ پر پیپلز پارٹی میں نقب لگانے کی کوشش بھی جاری تھی اور وہ کامیاب بھی رہی کیوں کہ ذوالفقار علی بھٹو کے دست راست مولانا کوثر نیازی اور کمال اظفر نے جنرل ضیاء الحق سے مل کر پیپلز پارٹی کو ہائی جیک کرنے کے لئے 19 مئی 1978ء کو پی پی کی وہ تنظیم جو ذوالفقار علی بھٹو نے قائم کی تھی توڑ دی اور پارٹی کی تنظیم نو کر کے نئے ڈھانچے کا اعلان کیا۔مولانا کوثر نیازی اس کے قائم مقام چیئر مین اور کمال اظفر سیکرٹری جنرل بن گئے۔اس موقع پر کمال اظفر نے کہا کہ جونہی سیاسی سرگرمیاں بحال ہوں گی اور حالات سازگار ہوئے پارٹی کی ایک قومی کانفرنس بلا کر نئے فیصلے کرائے جائیں گے۔اسی روز مولانا کوثر نیازی نے جنرل ضیاء الحق سے ملاقات بھی کی۔اس طرح جنرل ضیاء الحق نے پوری کوشش کی کہ کسی طرح پیپلز پارٹی کو بھٹو خاندان کے تسلط آزاد کرایا جائے۔اس دوران بے نظیر بھٹو اور نصرت بھٹو نظر بند تھیں اور اس کا مقصد یہ تھا کہ نان بھٹو قیادت کو سامنے لا کر دنیا کو بتایا جائے کہ پیپلز پارٹی کو سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے لئے ہر طرح سے آزادی حاصل ہے۔

یہ منظر بے نظیر بھٹو اور بیگم نصرت بھٹو نظر بندی کے مقام سے بڑی بے بسی کے ساتھ دیکھ رہی تھیں انہوں نے جیل حکام کو متعدد مرتبہ درخواست دی کہ وہ بھٹو صاحب سے ملاقات کرنا چاہتی ہیں۔چنانچہ بے نظیر کو 2 جون 1978ء کو کراچی سے راولپنڈی لایا گیا جہاں بھٹو نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا کہ وہ پارٹی کی تنظیم نو کے لئے منصوبہ بندی کرتی رہیں کیوں کہ کوثر نیازی پارٹی کا نظام چلانے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔جیل حکام نے 5 جون 1978ء کو بیگم نصرت بھٹو کی ان کے شوہر سے ملاقات کرائی گئی بیگم نصرت بھٹو کے پاس کچھ ایسے پیغامات تھے جو انہیں مرتضیٰ اور شاہنواز نے اپنے جانثار ساتھیوں کے ذریعے فوجی حکام کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ان تک پہنچائے تھے۔بیگم صاحبہ جیل پہنچیں تو فوجی انتظامیہ نے ان کی تلاشی لینے کی کوشش کی جس پر وہ غصے میں آگئیں اور ملاقات کرنے سے انکار کر دیا کیوں کہ اس طرح بہت سے راز عیاں ہو سکتے تھے۔مرتضیٰ بھٹو کا بیرون ملک سے راؤ رشید سے بھی رابطہ تھا جنہیں 5 جون 1978ء کو ان کی اہلیہ سمیت گرفتار کر کے ڈسٹرکٹ جیل اٹک بھیج دیا گیا۔

Marfat.com

بے نظیر بھٹو نے اپنی نظر بندی کو ہائی کورٹ میں چیلنج کر دیا یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ ان کی درخواست کی سماعت جسٹس فخر الدین جی ابراہیم اور جسٹس اجمل میاں پر مشتمل بینچ نے کی۔اس بینچ نے 14 جون 1978ء کو بے نظیر کی نظر بندی کو غیر قانونی قرار دے کر انہیں رہا کرنے کا حکم دے دیا۔ہائی کورٹ کے حکم پر بے نظیر بھٹو کو تو رہا کر دیا گیا لیکن اس کے بعد جنرل ضیاء الحق نے ان ججوں کی فہرستیں تیار کروالیں جو بھٹو فیملی کے ساتھ ہمدردی کے جذبات رکھتے تھے ان ججوں کو مختلف طریقوں سے انتقامی کارروائی کا نشانہ بنایا گیا۔

23 اگست 1978ء نئی سول کابینہ کا اعلان کرتے ہوئے جنرل ضیاء الحق نے عام انتخابات اکتوبر 1979ء کو کرانے کا اعلان کیا۔درحقیقت جنرل ضیاء الحق کا عام انتخابات کرانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا وہ صرف سیاستدانوں کھیل کھلا رہے تھے کیوں کہ وہ ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دینے تک سیاستدانوں کی مخالفت کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتے تھے۔24 ستمبر 1978ء کو لغاری ہاؤس میں پارٹی کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے بے نظیر بھٹو نے انکشاف کیا کہ راولپنڈی جیل میں ملاقات کے دوران میرے والد نے قرآن پاک پر مجھ سے حلف لیا تھا کہ میں ملک کے وسیع تر مفاد میں پارٹی کی قیادت سنبھال کر مارشل لاء کے خلاف جدوجہد جاری رکھوں۔چنانچہ بے نظیر بھٹو نے 15 اکتوبر 1978ء سے مارشل لاء کے خلاف ایک بڑی جدوجہد شروع کرنے کا اعلان کیا جس کے نتیجے میں 14 اکتوبر کو انہیں ایک مرتبہ پھر گرفتار کر لیا گیا۔

جب ہائی کورٹ کے فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کی سماعت شروع ہوئی تو اس وقت فل بینچ میں نو جج شامل تھے جن میں سے جسٹس قیصر خان 30 جولائی کو ریٹائر ہو گئے اور چیف جسٹس شیخ انوار الحق نے 4 دسمبر 1978ء کو اعلان کیا کہ بینچ میں شامل ایک معزز رکن جسٹس وحید الدین علیل ہیں اس لئے مقدمے کی سماعت اب سات جج کریں گے۔جس پر بھٹو نے راولپنڈی میں کہا کہ ملک کے ایک وزیراعظم کو اسی شہر میں قتل کر دیا گیا لیکن کسی نے ایف آئی آر تک درج نہ کی جب نواب محمد احمد خان مقدمہ قتل میں جب کہ کیس داخل دفتر ہو چکا تھا انہیں ایک جھوٹے مقدمے میں الجھا دیا گیا ہے۔مجھے اب پھانسی بھی دے دی گئی تو مجھے اس کی کوئی فکر نہیں، میں جانتا ہوں کہ زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا لیکن وقت ثابت کرے گا کہ میں بے گناہ تھا۔

23 دسمبر کو سپریم کورٹ نے سماعت مکمل کر کے اپنا فیصلہ محفوظ کر لیا اور 5 فروری کو 1979ء کو حکومت نے اچانک تمام تعلیمی ادارے غیر معینہ مدت کے لئے بند کر دیئے۔اس کی وجہ

Marfat.com

یہ تھی کہ اگلے روز سپریم کورٹ فیصلہ سنانے والی تھی اور وہ جنرل ضیاء الحق کو مل چکا تھا جس میں ہائی کورٹ کا فیصلہ برقرار رکھتے ہوئے جناب بھٹو کو پھانسی کی سزا دینے کا حکم درج تھا۔ اگلے روز سپریم کورٹ نے اپنا فیصلہ سنایا۔ 8 فروری 1979ء کو بیگم نصرت بھٹو نے اپنے شوہر سے ملاقات کی اور انہیں اس بات پر رضامند کیا کہ سپریم کورٹ میں نظر ثانی کی درخواست دائر کریں بھٹو اس بات کے حق میں نہ تھے کیوں کہ ان کا خیال تھا کہ ضیاء الحق نے ججوں پر دباؤ ڈال کر اپنی مرضی کے فیصلے لینے کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے اس لئے اپیل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ تاہم وہ یحییٰ بختیار کے اصرار پر رضامند ہو گئے اس کی وجہ یہ تھی کہ پی پی نظر ثانی کی اپیل دائر کر کے کچھ وقت حاصل کرنا چاہتی تھی تاکہ ملکی اور بین الاقوامی حمایت سے ضیاء الحق پر دباؤ ڈالا جا سکے، یحییٰ بختیار کو یقین تھا کہ ضیاء الحق عالمی دباؤ کے باعث جناب بھٹو کی سزا کو عمر قید میں بدل دیں گے۔ اس طرح بھٹو خاندان جناب بھٹو کی جان بچانے کو سر توڑ کوششیں کر رہا تھا۔

بے نظیر بھٹو 70 کلفٹن پر نظر بند تھیں اس مرتبہ ضیاء الحق نے درخواست کے باوجود انہیں اپنے والد سے ملاقات کی اجازت نہ دی، اس کی وجہ یہ تھی کہ ذوالفقار علی بھٹو ہر ملاقات میں اپنی بیٹی کو سیاسی اسرار و رموز سے آگاہ کرتے رہتے تھے۔ 23 مارچ کو جنرل ضیاء الحق نے انتخابات کے لئے ایک نئی تاریخ کا اعلان کیا اور 24 مارچ کو سپریم کورٹ کے چیف جسٹس شیخ انوار الحق نے بھٹو کے وکیل کی طرف سے فیصلے پر نظر ثانی کی درخواست محض دس سیکنڈ میں مسترد کر دی۔ 26 مارچ 1979ء کو بیگم نصرت بھٹو اور بے نظیر بھٹو نے ذوالفقار علی بھٹو سے ملاقات کی۔ 3 اپریل کو دونوں ماں بیٹیوں کی جناب بھٹو سے آخری ملاقات کرائی گئی جو تین گھنٹے جاری رہی۔ اس دوران خاندان کی دونوں اہم خواتین زار و قطار روتی رہیں اور جناب بھٹو انہیں حوصلہ دیتے رہے۔ اسی روز ضیاء الحق نے سپریم کورٹ کے فیصلے کی توثیق کی اور اگلے روز جنوبی ایشیا کے اس عظیم رہنما کو پھانسی دے دی گئی۔

☆☆☆

Marfat.com

بے نظیر کی شہید بھٹو سے آخری ملاقات

(بے نظیر بھٹو کی زبانی)

3 اپریل 1979ء کو ایک تیز رفتار جیپ میں ہمیں سہالہ سے راولپنڈی جیل میں پہنچا دیا گیا۔ جیل کی میٹرن نے میری والدہ اور میری تلاشی لی۔ ایک مرتبہ جب ہم سہالہ کے قید خانہ سے روانہ ہوئیں اور دوسری مرتبہ جب ہم راولپنڈی جیل پہنچیں۔ ''آج تم دونوں اکٹھی کیوں آئی ہو'' میرے والد نے کال کوٹھری کے دوزخ سے آواز دی۔

میری والدہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

''کیا یہ آخری ملاقات ہے؟'' انہوں نے پوچھا

اس وقت میری والدہ جواب دینے کی سکت نہ رکھتی تھیں۔

''میرا خیال ہے ایسا ہی ہے'' میں نے جواب دیا

وہ جیل سپرنٹنڈنٹ کو اشارہ کرتے ہیں جو پاس ہی کھڑا تھا۔ (یہ لوگ ہمیں پاپا کے ساتھ تنہا چھوڑنے پر کبھی تیار نہیں ہوئے۔)

''کیا یہ آخری ملاقات ہے؟'' میرے والد پوچھتے ہیں۔

''ہاں'' جواب میں جیلر کہتا ہے۔ حکومت کا پیغام دیتے ہوئے شرمسار محسوس ہوتا ہے۔

''کیا تاریخ کا تعین ہو گیا ہے؟''

''کل صبح'' جیل سپرنٹنڈنٹ کا جواب ہے۔

''کتنے بجے؟''

''جیل قواعد کے مطابق صبح پانچ بجے''

Marfat.com

''یہ اطلاع تمہیں کب ملی؟''

''کل رات''اس نے رکتے رکتے جواب دیا۔

میرے والد اسے نظر بھر کر دیکھتے ہیں۔

''اپنے اہل وعیال سے ملاقات کا کتنا وقت دیا گیا ہے؟''

''نصف گھنٹہ''

''جیل قواعد کے مطابق ہمیں ایک گھنٹہ ملاقات کا حق ہے۔''وہ کہتے ہیں۔

''صرف نصف گھنٹہ''سپرنٹنڈنٹ دہراتا ہے''یہ میرے احکامات ہیں''

''غسل اور شیو کرنے کے لئے انتظامات کرو''میرے والد اسے کہتے ہیں''دنیا خوبصورت ہے اسے میں اسی حالت میں الوداع کہنا چاہتا ہوں۔''

''صرف نصف گھنٹہ''اس شخص سے ملاقات کے لئے صرف نصف گھنٹہ جو مجھے زندگی کی ہر شے سے زیادہ عزیز ہے، سینے میں درد سے گھٹن محسوس ہوتی ہے مجھے رونا نہیں چاہئے، مجھے اپنے ہوش بھی نہیں کھونے چاہئیں کیوں کہ اس طرح میرے والد کی اذیت بڑھ جائے گی۔

وہ فرش پر پڑے ہوئے گدے پر بیٹھے ہوئے ہیں،ان کی کوٹھری میں اب صرف یہی فرنیچر باقی رہ گیا ہے، جیل حکام کرسی اور میز لے جاچکے ہیں۔چارپائی بھی وہاں سے اٹھائی جاچکی ہے، میگزین اور کتابیں جو میں پاپا کے لئے لاتی رہی تھی وہ میرے حوالے کرتے ہوئے کہتے ہیں ''میں نہیں چاہتا یہ لوگ میری کسی چیز کو ہاتھ لگائیں۔''

وہ چند سگار جوان کے وکلاء وہاں چھوڑ گئے تھے میں آج شب کے لئے صرف ایک رکھ لیتا ہوں، شالیمار کولون کی شیشی بھی رکھ لیتے ہیں، وہ اپنی انگوٹھی بھی مجھے دینا چاہتے ہیں لیکن میری والدہ انہیں کہتی ہیں''اسے پہنیں رکھیں''وہ کہتے ہیں''اچھا میں رکھ لیتا ہوں لیکن بعد میں بے نظیر کے حوالے کردی جائے۔''

''میں نے ایک پیغام باہر کی دنیا تک پہنچا دیا ہے''میں نے بہت آہستہ آہستہ انہیں بتایا (جیل کے حکام میری بات سننے کی کوشش کرتے ہیں)

میں تفصیلات بتاتی ہوں، وہ اطمینان محسوس کرتے ہیں''یہ سیاست کے اسرار ورموز میں

Marfat.com

ماہر ہو چکی ہے‘‘ ان کے چہرے کے تاثرات سے ظاہر ہوتا ہے موت کی کوٹھری میں روشنی مدھم سی ہے۔ میں انہیں صاف طور پر نہیں دیکھ سکتی۔ اس سے قبل ہر ملاقات کوٹھری میں ان کے پاس بیٹھ کر ہوتی رہی لیکن آج ایسا نہیں ہے۔ کوٹھری کے باہر دروازے کی سلاخوں کے ساتھ میں اور میری والدہ سکڑ کر بیٹھی ہوئی ہیں، باتیں کھسر پھسر کے انداز میں کرتے ہیں ’’دوسرے بچوں کو میرا پیار دینا‘‘ وہ میری ممی سے کہتے ہیں۔ ’’میر، سنی اور شاہ کو بتانا میں نے ہمیشہ ایک اچھا باپ بننے کی کوشش کی ہے اور میری خواہش ہے کہ کاش انہیں بھی الوداع کہہ سکتا‘‘ میری والدہ سر ہلاتی ہیں منہ سے کچھ نہیں بول سکتیں۔

’’تم دونوں نے بہت تکالیف اٹھائی ہیں۔‘‘ وہ کہتے ہیں ’’وہ آج مجھے قتل کرنے جا رہے ہیں میں تمہیں تمہاری مرضی پر چھوڑتا ہوں، اگر چاہو تو پاکستان سے اس وقت تک باہر چلے جاؤ جب تک آئین معطل ہے اور مارشل لاء نافذ ہے، اگر تمہیں ذہنی سکون چاہئے اور زندگی نئے سرے سے گزارنا چاہتی ہو تو یورپ چلی جاؤ، میری طرف سے اجازت ہے۔‘‘

(ہمارے دل ٹوٹ رہے ہیں) ’’نہیں نہیں‘‘ ممی کہتی ہیں۔ ’’ہم نہیں جا سکتے ہم کبھی نہیں جائیں گے۔ جرنیلوں کو کبھی یہ تاثر نہیں دیں گے کہ وہ جیت چکے ہیں۔ ضیاء کے انتخابات کا دوبارہ پروگرام بنایا ہے اگرچہ کوئی نہیں جانتا کہ وہ ایسا کرنے کی جرأت کرے گا یا نہیں۔ ہم باہر چلی جائیں تو پارٹی کی رہنمائی کے لئے کوئی نہیں ہوگا اور یہ وہ پارٹی ہے جس کی آپ نے بنیاد رکھی اور پروان چڑھایا‘‘

’’اور تم پنکی؟‘‘ میرے والد پوچھتے ہیں۔

’’میں کبھی نہیں جا سکتی‘‘ میرا جواب ہے۔

وہ مسکراتے ہیں ’’میں بہت خوش ہوں تم نہیں جانتی مجھے تم سے کتنا پیار ہے۔‘‘

’’تم میری لعل ہو اور ہمیشہ رہی ہو۔‘‘

’’وقت ختم ہو چکا‘‘ سپرنٹنڈنٹ پکارتا ہے ’’وقت ختم ہو چکا‘‘ میں سلاخوں کو پکڑ لیتی ہوں۔

’’برائے مہربانی کوٹھری کا دروازہ کھول دو‘‘ میں اسے کہتی ہوں ’’میں اپنے پاپا کو الوداع کہنا چاہتی ہوں۔‘‘

سپرنٹنڈنٹ انکار کر دیتا ہے میں دوبارہ التجا کرتی ہوں۔

Marfat.com

''میرے والد پاکستان کے منتخب وزیر اعظم ہیں، میں ان کی بیٹی ہوں، یہ ہماری آخری ملاقات ہے مجھے ان سے مل لینے دو۔''

سپرنٹنڈنٹ انکار کر دیتا ہے سلاخوں کے درمیان سے میں اپنے والد کے جسم کو چھونے کی کوشش کرتی ہوں وہ اس قدر نحیف و ناتواں ہو چکے ہیں۔ ملیریا، پیچش اور ناکافی خوراک کھانے کی وجہ سے جسم بالکل نحیف اور باریک ہو چکا ہے لیکن وہ سیدھا اٹھ بیٹھتے ہیں اور میرے ہاتھ کو چھو لیتے ہیں۔

''آج شب ملائم دنیا سے آزاد ہو جاؤں گا'' چہرے پر ایک چمکتی روشنی لئے کہتے ہیں ''میں اپنی والدہ اور والد کے پاس چلا جاؤں گا۔ میں لاڑکانہ میں اپنے اجداد کی زمینوں کی طرف واپس جا رہا ہوں تا کہ اس سرزمین کا اس کی خوشبو اور اس کی فضا کا حصہ بن جاؤں۔''

''خلق خدا میرے بارے میں گیت گائے گی، میں اس کی کہانیوں کا جاوداں حصہ بن جاؤں گا'' وہ مسکراتے ہوئے کہتے ہیں ''لیکن لاڑکانہ میں آج کل بہت گرمی ہے۔''

''میں وہاں ایک سائبان تعمیر کر دوں گی۔'' میں بمشکل کہہ سکی، جیل حکام آگے بڑھتے ہیں۔

''الوداع پاپا'' میں والد کی طرف دیکھ کر پکار اٹھتی ہوں اور میری ممی سلاخوں میں سے ان کو چھو لیتی ہیں۔ ہم گرد آلود صحن سے گزرتے ہیں میں مڑ کر پیچھے دیکھنا چاہتی ہوں لیکن حوصلہ نہیں پڑتا۔ مجھے معلوم ہے میں ضبط نہیں کر سکوں گی ''ہم جب پھر ملیں گے اس وقت تک خدا حافظ'' مجھے ان کی آواز سنائی دیتی ہے، تاہم میں چل پڑتی ہوں مجھے چلنے کا مطلق احساس نہیں ہو رہا، میں پتھر بن چکی ہوں۔ جیل حکام ہمیں جیل وارڈ کے اندر واپس لے جاتے ہیں صحن میں فوجیوں کے متعدد ٹینٹ ایستادہ ہیں، میں مدہوشی کے عالم میں چلی جا رہی ہوں صرف اپنے سر کی موجودگی کا احساس ہے۔ ''سر بلند رہنا چاہئے وہ لوگ ہماری طرف متوجہ ہیں۔''

مقفل دروازوں کے اندر کار ہماری منتظر ہے تا کہ باہر ہجوم ہمیں دیکھ نہ سکے میرا جسم اس قدر بوجھل ہو گیا ہے کہ کار کے اندر داخل ہونا بھی مشکل معلوم ہوتا ہے۔ کار دروازوں کے بیچ میں سے تیزی سے حرکت کرتی ہے۔ اسے دیکھتے ہی ہجوم کے ایک سرے پر کھڑی اپنی دوست یاسمین پر اچانک میری نظر پڑتی ہے جس کے ہاتھ میں والد کو دینے کے لئے خوراک کا ٹفن کیریئر ہے

Marfat.com

۔"یاسمین وہ آج رات انہیں مار دیں گے" میں کار کے شیشے میں سے چلاتی ہوں" کیا اس نے میری آواز سنی؟۔۔۔کیا میں نے کوئی آواز نکالی بھی یا نہیں؟۔۔۔کیا کہہ سکتی ہوں۔"

صبح کے پانچ بج گئے پھر چھ بجے۔۔۔ہر سانس جو میں لیتی مجھے اپنے والد کی آخری سانسوں کی یاد رلاتا۔"اے خدا! کوئی معجزہ رونما ہو جائے" میری ماں اور میں نے دعا مانگی۔" کچھ نہ کچھ ہو جانا چاہئے" میری چن چن جسے میں اپنے ساتھ قید خانے میں لے آئی تھی وہ بھی تناؤ محسوس کر رہی تھی۔اس نے اپنے بلونگڑوں کو کہیں چھپا دیا تھا وہ کہیں نظر نہیں آر ہے تھے۔ہم ناقابل یقین کے ساتھ چپکے ہوئے تھے۔سپریم کورٹ نے متفقہ طور پر سفارش کی تھی کہ میرے والد کی سزائے موت کو عمر قید میں بدل دیا جائے۔مزید برآں پھانسی دیئے جانے کی صورت میں پاکستانی قانون کے مطابق ایک ہفتہ قبل دن اور تاریخ کا تعین اعلانیہ کر دیا جائے لیکن ایسا کوئی اعلان سرے سے کیا ہی نہیں گیا۔

پی پی پی کے رہنماؤں نے بھی یہ پیغام ارسال کیا کہ ضیاء الحق نے سعودی عرب، متحدہ عرب امارات اور دوسرے ملکوں کو یہ یقین دلایا تھا کہ وہ میرے والد کی سزائے موت کو تبدیل کر دے گا لیکن ضیاء کا ریکارڈ قانون سے بے اعتنائی اور جھوٹے مواعید سے بھرا پڑا تھا۔ہمارے مستقل خدشات کی بدولت جب بھی پھانسی کی حتمی تاریخ کا حکومت کی طرف سے اعلان کیا گیا۔سعودی عرب کے وزیر خارجہ اور لیبیا کے وزیر اعظم نے فوراً بذریعہ طیارہ پاکستان پہنچنے کا وعدہ کیا ہوا تھا۔" کیا انہوں نے بی بی سی پر میرا پیغام سن لیا تھا؟ کیا ابھی بھی ان کے پاس پاکستان پہنچنے کا وقت تھا؟"

چینیوں کا ایک وفد اسلام آباد میں تھا، میرے والد ہی نے پاکستان اور چین دوستی کا آغاز کیا تھا" کیا وہ ضیاء کو اس کے فیصلے سے منحرف کرا سکیں گے؟"

میری والدہ اور میں سہالہ کی شدید گرمی میں بے حس و حرکت اور خاموش بیٹھی تھیں، ضیاء نے یہ بات بھی پھیلائی تھی کہ وہ رحم کی اپیل اس وقت ہی سنے گا اگر یہ میرے والد یا ہماری طرف سے کی گئی۔میرے والد نے ایسا کرنے کو سختی سے منع کر دیا تھا۔

"موت کی جانب گنتی کے یہ لمحات کیسے گزرتے ہیں؟" میں اور میری والدہ گم سم بیٹھی

Marfat.com

تھیں بعض اوقات ہم چلاتی بھی تھیں۔ جب ہم میں بیٹھنے کی سکت باقی نہ رہی تو ہم بستر کے تکیوں پر گر گئیں۔ وہ ان کی زندگی ختم کر دیں گے، میں متواتر سوچتی رہی۔ وہ ان کی زندگی ختم کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ ان کے اپنے احساسات اس بھرپور تنہائی میں کیسے ہوں گے جبکہ ان کے پاس کوئی بھی نہیں، انہوں نے اپنے پاس کوئی کتاب بھی نہیں رکھی، انہوں نے اپنے پاس کچھ بھی نہیں رکھا، صرف ایک سگار ان کے پاس تھا۔ میرا گلہ گھٹن سے جڑ گیا اور میں اسے پھاڑ کر کھول دینا چاہتی تھی لیکن میں ان پہرے داروں کو جو ہماری کھڑکی کے باہر ہر وقت ہنستے اور باتیں کرتے رہتے تھے اپنی چیخوں سے استہزاء کا کوئی موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔ ''ممی میں برداشت نہیں کر سکتی، بالکل نہیں کر سکتی۔'' آخر میں ڈیڑھ بجے کے قریب بالکل ٹوٹ گئی وہ میرے لئے مسکن دوائی کی گولیاں لائیں۔ ''سونے کی کوشش کرو'' انہوں نے کہا۔

آدھ گھنٹے کے بعد اپنے بستر پر میں اچانک اٹھ بیٹھی۔۔۔ والد کے گلے میں پھندا میں نے اپنے گلے کے اردگرد محسوس کیا۔ آسمانوں سے اس شب برف کے آنسو برسے، لاڑکانہ میں ہماری خاندانی زمینوں پر اولے پڑے، گڑھی خدا بخش میں ہمارے آبائی قبرستان میں فوجی دستوں کی ہلچل سے لوگ جاگ اٹھے۔ جب میری والدہ اور میں اپنے قید خانے میں رات کے وقت کرب کی گھڑیاں گزار رہی تھیں، میرے والد کی میت گڑھی میں دفنانے کے لئے بذریعہ طیارہ لے جائی جا رہی تھی۔

☆☆☆

Marfat.com

بے نظیر کی سیاسی جدوجہد جناب بھٹو کے بعد

جنرل ضیاء الحق جیسا آمر جو جنوبی ایشیا کے عظیم رہنما کو پھانسی پر چڑھانے کے بعد شاہنواز بھٹو کو بھی زہر دلوا کر ہلاک کر چکا تھا تو اس کی باقیات آنے والے دنوں میں بے نظیر بھٹو کو بھی سیاسی منظر سے ہٹانے کی کوشش کر سکتی تھیں۔ اگر ایسا ہو جاتا تو یہ ایک عظیم سانحہ ہوتا کیوں کہ پاکستان پیپلز پارٹی کا وجود بھٹو خاندان سے تھا اگر بھٹو خاندان نہ رہتا تو پیپلز پارٹی کا شیرازہ ضیاء الحق کے دور میں ہی بکھر کر رہ جاتا کیوں کہ کوئی دوسرا بھٹو خاندان کے متبادل کے طور پر پیپلز پارٹی کو متحد نہیں رکھ سکتا تھا۔ بھٹو خاندان کو صرف پندرہ سال حکومت کرنے کا موقع ملا اور اس دوران ان کے چار افراد سیاست کی بھینٹ چڑھے اور بے نظیر بھٹو پر متعدد مرتبہ قاتلانہ حملہ ہو چکا تھا۔ شاہنواز بھٹو اور میر مرتضٰی بھٹو کے قاتلوں کے چہرے سے نقاب اٹھنا ابھی باقی تھا، قاتلوں کے چہروں کا بے نقاب نہ ہونے کا واضح مطلب یہ تھا کہ بے نظیر بھٹو بھی اپنے بھائیوں جیسے انجام سے دوچار ہو سکتی تھیں چنانچہ 1993ء کے انتخابات کے نتیجے میں جب محترمہ بے نظیر بھٹو دوسری مرتبہ برسراقتدار آئیں تو انہوں نے انتہائی خاموشی سے ایک سینئر انٹیلی جنس آفیسر کو فرانس بھیجا تاکہ وہ شاہنواز بھٹو کے قاتلوں کا سراغ لگائیں۔ اس انٹیلی جنس آفیسر کے ذمہ بظاہر یہ کام لگایا گیا تھا کہ وہ فرانس جا کر اپوزیشن سے تعلق رکھنے والے سیاستدانوں خاص طور پر میاں نواز شریف کے اثاثوں کے بارے میں چھان بین کریں تاہم بے نظیر بھٹو کا یہ منصوبہ خفیہ نہ رہ سکا کیوں کہ شاہنواز بھٹو کے قاتل اتنے بے خبر نہیں تھے۔ بے نظیر بھٹو اپنے منصوبوں پر عمل کرتی رہیں اور قاتل ان کے منصوبوں کو ناکام ثابت کرتے رہے۔

بھٹو کی پھانسی کے بعد بے نظیر بھٹو اور نصرت بھٹو پر غموں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے بھٹو شہید کا ہمیشہ کے لئے جدا ہو جانا اور بعد کے حالات کو سنبھالا دینا یہ تمام بوجھ بے نظیر بھٹو کے کاندھوں پر

Marfat.com

آن پڑا۔ ان دنوں بیگم نصرت بھٹو ایام عدت کے تحت گوشہ نشین رہیں اور بے نظیر بھٹو غمزدہ پارٹی کارکنوں کو بھی حوصلہ دیا، اپنے بہن بھائیوں اور عزیز واقارب کو صبر کی تلقین کی۔

بے نظیر بھٹو لکھتی ہیں:

ضیاء حکومت نے میرے والد کو 4 اپریل 1979ء کو صبح چار بجے راولپنڈی جیل میں پھانسی دے دی۔ جبکہ میں اور میری والدہ سنٹرل جیل کی عمارت سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر پولیس کے ٹریننگ کیمپ میں قید تھیں۔ میں نے اپنے والد کی موت کے لمحات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ میں اس رات کو کیسے بھول جاؤں جو بڑی اذیت ناک تھی۔ رات دو بجے اچانک بوکھلا کر اٹھ بیٹھی، میرے حلق سے آواز تک نہیں نکل رہی تھی، میں پاپا، پاپا پکار رہی تھی، اتنی شدید گرمی کے باوجود مجھ پر کپکپی طاری تھی۔

ہم دونوں ماں بیٹیاں لاچاری اور بے بسی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہی تھیں مگر زبانیں گنگ تھیں۔ میں بڑی بیٹی ہونے کے ناطے سے خود اپنے پاپا کی میت وصول کر کے انہیں آبائی قبرستان میں دفنانا چاہتی تھی میں نے اس بارے میں جب والدہ سے بات کی تو وہ کہنے لگیں: ''میں ملاقاتیوں سے نہیں مل سکتی کیوں کہ میں عدت میں ہوں۔'' اس دوران جب جیلر آیا تو والدہ نے مجھ سے کہا: ''پنکی تم بات کرو'' میں ٹوٹے ہوئے فرش پر چلتی ہوئی سامنے والے کمرے میں گئی جو ہماری رہائش کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ گرمی کی شدت سے یہ کمرہ تنور کی طرح تپ رہا تھا۔ میرے سامنے انتہائی نروس حالت میں ڈپٹی جیلر کھڑا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ ہم وزیراعظم کی باڈی لے کر جانے کے لئے تیار ہیں، جس پر ڈپٹی جیلر نے کہا: ''انہوں نے تو اسے دفنا بھی دیا ہے۔'' ڈپٹی جیلر کے الفاظ سے مجھے ایک جھٹکا لگا۔ ''کیا ان کی فیملی کے بغیر ہی ان کی میت کو دفنا دیا گیا ہے؟'' میں نے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔ یہ بات فوج میں آمرانہ ذہنیت رکھنے والے بھی جانتے تھے کہ ہمارے خاندان کی کچھ اپنی مذہبی روایات ہیں۔ پاپا کو دفنانے سے پہلے ہمیں ان کا چہرہ دیکھنا تھا اور ان کی مغفرت کے لئے اجتماعی دعا بھی کرنا تھی۔ ''مگر وہ باڈی لے

Marfat.com

جا چکے ہیں'' جیلر نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔''وہ اسے کہاں لے گئے ؟'' میرے اس سوال پر جیلر خاموش رہا پھر وہ دھیرے دھیرے افسردہ لہجے میں کہنے لگا: ''ان کے چہرے پر بڑا سکون تھا یوں لگتا تھا جیسے وہ سو رہے ہیں۔'' تب اس نے موت کی کوٹھری میں موجود میرے والد کے استعمال کی چیزیں ایک ایک کرے میرے حوالے کرنا شروع کیں جن میں شلوار قمیض، لمبی شرٹ اور ڈھیلا ڈھالا سا ٹراؤزر تھا جو انہوں نے آخری وقت تک پہن رکھا تھا کیوں کہ پاپا نے سیاسی قیدی کی حیثیت سے جیل کا لباس پہننے سے انکار کر دیا تھا۔

(دختر مشرق)

سابق وزیر اعظم کو پھانسی دینے کے نتیجے میں ملک بھر میں مظاہرے شروع ہو گئے لیکن لیڈر شپ کے فقدان کے باعث یہ مظاہرے نہ تو منظم انداز میں ہوئے اور نہ ہی زیادہ دیر تک جاری رہ سکے۔ بھٹو شہید کی تدفین کے بعد 6 اپریل 1979ء کو بیگم نصرت بھٹو اور بے نظیر کو ایک خصوصی طیارے کے ذریعے لاڑکانہ جانے کی اجازت ملی تو انہوں نے بھٹو کی قبر پر فاتحہ خوانی کی جس کے بعد اسی شام انہیں واپس راولپنڈی پہنچا دیا گیا۔ 28 مئی 1979ء کو دونوں ماں بیٹیوں کو رہا کر دیا گیا اس دوران پیپلز پارٹی کی طرف سے مظاہروں کا سلسلہ جاری رہا اور ان کی رہائی کے بعد دونوں ماں بیٹیاں راولپنڈی سے کراچی پہنچیں اور 70 کلفٹن پر آنسوؤں سے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں کے ساتھ ہزاروں کارکنوں نے ان کا استقبال کیا۔

جناب بھٹو کی پھانسی اور تدفین کے بعد پیپلز پارٹی کی قیادت بیگم نصرت بھٹو اور بے نظیر بھٹو نے اپنے ہاتھ میں لے لی اور پارٹی کارکنوں کو ہدایت کی کہ وہ نئے انتخابات میں حصہ لینے کے لئے تیاری کریں انہوں نے کہا: ''ہم انتخابات میں حصہ لیں گے چاہے یہ انتخابات فوجی آمر ہی کیوں نہ کرائے۔'' جناب بھٹو جب جیل میں تھے تو انہوں نے کہا تھا کہ میرا مشن میری بیٹی پورا کرے گی اور یقیناً قائد عوام کی بیٹی نے اپنے عظیم باپ کے مشن کو عوام تک پہنچایا۔ بے نظیر بھٹو نے سیاست میں باقاعدہ شمولیت کا اعلان کر دیا جس کے بعد انہیں نظر بند کر دیا گیا جیل میں انہیں بہت سی بیماریوں کا سامنا کرنا پڑا جس کے باعث وہ کافی کمزور ہو گئیں اور انہیں علاج کی غرض سے بیرون ملک جانے کی اجازت دے دی گئی۔ یہاں سے رہائی پا کر وہ برطانیہ چلی گئیں۔

پارٹی کے بعض لوگوں نے بیگم نصرت بھٹو کو مشورہ دیا کہ وہ انتخابات کا بائیکاٹ کر دیں

Marfat.com

لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور یہ درست فیصلہ تھا کیوں کہ بائیکاٹ کا مشورہ دینے والے فوجی آمر کے رابطے میں تھے جب مشورے سے کام نہ بنا تو حکومت نے 30 اگست 1979ء کو انتخابات میں حصہ لینے کے لئے رجسٹریشن کی پابندی عائد کر دی جسے پاکستان پیپلز پارٹی نے مسترد کر دیا۔ اس کے بعد 19 ستمبر 1979ء کو ایک آرڈیننس جاری کیا گیا جس کے تحت ایسی جماعت کے ارکان جس نے رجسٹریشن نہ کرائی ہو یا جس کی رجسٹریشن منسوخ کر دی گئی ہو کو پارلیمنٹ یا صوبائی اسمبلی کا انتخاب لڑنے سے نااہل قرار دے دیا گیا۔

یہ تمام اقدامات پیپلز پارٹی کو انتخابی عمل سے دور رکھنے کے لئے کیے جا رہے تھے کیوں کہ انٹیلی جنس ایجنسیاں اپنی رپورٹوں میں جنرل ضیاء الحق کو خبردار کر چکی تھیں کہ اگر 17 نومبر کو ہونے والے عام انتخابات میں پیپلز پارٹی حصہ لیتی ہے تو ملک میں ایک مرتبہ پھر پیپلز پارٹی حکومت بنانے میں کامیاب ہو جائے گی اسی قسم کی رپورٹیں جناب بھٹو کو سزائے موت دینے سے قبل بھی ضیاء الحق کو ملی تھیں جنرل ضیاء الحق کو بتایا گیا کہ بھٹو کو پھانسی کے دینے کے بعد عوام میں پیپلز پارٹی کی مقبولیت میں اضافہ ہو گیا ہے اور اس کے مقابلے میں جنرل ضیاء الحق کی منظور نظر مذہبی جماعتیں انتشار کا شکار ہیں۔ جنرل ضیاء الحق کو بھی اپنی سازشوں پر اعتماد تھا وہ جو بازی کھیل رہے تھے اس میں کامیابی کے امکانات واضح دکھائی دے رہے تھے چنانچہ پیپلز پارٹی کے امیدواروں کے کاغذات نامزدگی رجسٹریشن نہ ہونے کی وجہ سے مسترد کر دیئے گئے اور پیپلز پارٹی کی قیادت الیکشن میں حصہ لینے سے محروم ہو گئی کیوں کہ 16 اکتوبر کو جنرل ضیاء الحق نے ایک مرتبہ پھر الیکشن ملتوی کر کے سیاسی رہنماؤں کو گرفتار کر لیا ملک بھر میں فوجی عدالتیں قائم کر دی گئیں اور عوام کو بڑی شدت سے احساس ہوا کہ مارشل لاء کسے کہتے ہیں۔

بے نظیر بھٹو لکھتی ہیں:

> 16 اکتوبر 1979ء کو جنرل ضیاء الحق نے دوسرے عام انتخابات ملتوی کر دیئے تھے، مجھے اور میری غمزدہ والدہ کو گرفتار کر لیا گیا تھا، پریس پر بھی سنسر شپ لگا دی۔ مارشل لاء آرڈر 49 کے تحت اگر کوئی اشاعتی ادارہ پاکستان کی سالمیت، بقا اور آزادی و خودمختاری کے خلاف لکھتا تو اس کے لئے 10 کوڑے اور 25 سال قید کی سزا تجویز تھی۔ اگر ملٹری سنسر شپ کے برعکس کوئی معمولی اخباری سٹوری ہماری مظلومیت کے حوالے سے کسی نے شائع

Marfat.com

کرنا ہوتی تو اس کی حکام سے پیشگی منظوری لینا پڑتی تھی۔ مجھے یاد ہے ان دنوں تمام اخبارات کے کالم زیادہ تر خالی ہوتے تھے۔اگر کوئی ایسی ویسی خبر چھپنے لگتی تو اسے سنسر کر دیا جاتا تھا۔اس دور میں جو گھٹن اور جبر کا دور تھا پیپلز پارٹی کی بڑھتی ہوئی طاقت نے ضیاء الحق کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ سیاسی پارٹیوں پر مزید سختی کرے۔1977ء میں جب سے مارشل لاء لگا تھا جو بھی کسی سیاسی سرگرمی میں حصہ لیتا تھا اسے سزا دی جاتی تھی مگر 16 اکتوبر 1979ء میں فوجی حکومت نے اعلان کر دیا کہ تمام سیاسی پارٹیاں غیر قانونی ہیں۔اس پابندی کا مقصد میرے والد کی مقبول سیاسی جماعت اور ان کی عوامی پالیسیوں کا اثر ضائع کرنا تھا الغرض کہ پابندیوں کی انتہا کر دی گئی تھی۔ (دختر مشرق)

فوجی حکومت نے پی پی پی کے کارکنوں کو فوجی عدالتوں میں پیش کر کے قید و بند، جرمانے اور کوڑوں کی سزائیں دیں تو پیپلز پارٹی کے جانثاروں کے پاس صرف ایک ہی راستہ رہ گیا تھا کہ وہ ملک چھوڑ کر فرار ہو جائیں۔ان میں سے بیشتر نے تو حکومتی مظالم سے تنگ آ کر مارشل لاء حکام کو لکھ کر دے دیا تھا کہ ان کا پاکستان پیپلز پارٹی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ظاہر ان میں سے اکثریت ایسے ورکروں کی تھی جو ذہنی اور نظریاتی طور پر پیپلز پارٹی سے وابستہ تھے اور ان کی ہمدردیاں پیپلز پارٹی کے ساتھ تھیں لیکن وہ جنرل ضیاء الحق کی آمریت کے ظلم و ستم کی وجہ سے مایوس ہو گئے تھے۔

جنرل ضیاء الحق نے ہائی کورٹوں کے اختیارات کو بھی محدود کر دیا تھا اس کی وجہ یہ تھی ہائی کورٹ نے بعض کیسوں میں فوجی عدالت کی طرف سے دی گئی سزاؤں کو ختم کر دیا تھا۔ یہ صورت حال دیکھ کر بھٹو خاندان کے مخالف بھی خاموش نہ رہ سکے اور قومی اتحاد کی جماعتوں اور پی پی پی کے درمیان صلح کے امکانات نظر آنا شروع ہو گئے۔1980ء کے دوران بے نظیر بھٹو اور قومی اتحاد کی جماعتوں کے درمیان رابطہ رہا یہی وجہ ہے کہ 6 فروری 1981ء کو جنرل ضیاء الحق کے انتخابات کرانے کے نت نئے وعدوں سے ٹپٹائی ہوئی جمہوریت پسند جماعتوں نے ماضی کے اختلافات بھلا کر پیپلز پارٹی کے اشتراک سے ایم آر ڈی قائم کر لی جس کا مقصد جمہوریت کی بحالی کے لئے جدوجہد کرنا تھا۔اس وقت صورت حال یہ تھی کہ وہ سیاسی جماعتیں اور رہنما جنہوں نے جناب ذوالفقار علی بھٹو کو اقتدار سے محروم کرنے کے سلسلے میں مارشل لاء کا خیر مقدم کیا تھا اب انتخابات کو

Marfat.com

یقینی بنانے کے لئے جنرل ضیاء الحق کے خلاف صف آراء ہو چکے تھے۔ ان میں نواب زادہ نصر اللہ خان، اصغر خان، خان عبدالولی خان، غلام مصطفیٰ جتوئی، مولانا فضل الرحمن اور ملک قاسم جیسی زیرک اور سیاسی قدر رکھنے والی شخصیات نمایاں تھیں۔ یہ سیاسی جماعتیں اور سیاسی رہنما اگر انفرادی طور پر سیاسی جدوجہد کرتے تو وہ نہ صرف ناکامی سے دوچار ہو جاتے بلکہ اپنے کارکنوں کے سامنے اپنے قد کاٹھ کا بھرم بھی کھو دیتے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ پاکستان پیپلز پارٹی ملک کی سب سے بڑی پارٹی تھی اور سٹریٹ پاور صرف بے نظیر بھٹو کے پاس تھی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب بیگم نصرت بھٹو کا اپنی پارٹی کے رہنماؤں کے علاوہ کسی دوسری پارٹی کے رہنما سے براہ راست کوئی رابطہ نہیں تھا صرف پیار علی الانہ ان سے اکثر ملتے رہتے اور اپنے مشوروں سے نوازتے۔ بیگم نصرت بھٹو کی حکمت عملی تھی کہ تمام سیاسی جماعتوں کو بحالیٔ جمہوریت کے لئے چلائی جانے والی تحریک میں شامل کر لیا جائے لیکن وہ اس سلسلے میں ہچکچاہٹ کا شکار تھیں ان کا خیال تھا کہ ملک میں زیادہ تعداد ان جماعتوں کی تھی جنہوں نے مارشل لاء لگوانے میں اہم کردار ادا کیا تھا اور انتخاب سے پہلے احتساب کا مطالبہ بھی انہی جماعتوں نے کیا تھا بھٹو شہید کو سزا دلانے میں یہی لوگ پیش پیش رہے اب وہ ان کے ساتھ مذاکرات کیسے کریں۔ پیار علی الانہ نے انہیں سمجھایا کہ آپ ذوالفقار علی بھٹو کی بیوہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بڑی پارٹی کی سربراہ بھی ہیں آپ آئین کی بحالی اور ملک اور قوم کے وسیع تر مفاد میں ایک سیاسی فیصلہ بھی تو کر سکتی ہیں۔ چنانچہ بیگم نصرت بھٹو نے ملک کی تمام سیاسی جماعتوں کے ساتھ ایم آر ڈی میں شرکت کے لئے مذاکرات کرنے کا فیصلہ کیا۔

ایم آر ڈی کے قیام کا زمانہ وہ تھا جب شمع جمہوریت کے پروانوں کو قید اور کوڑوں کی سزاؤں کا سامنا تھا اور یہ اس لحاظ سے ایک انوکھا واقعہ تھا کہ مختلف نظریات کے حامل رہنما یک نکاتی ایجنڈے (جمہوریت کی بحالی) پر متحد ہو گئے تھے اور جنرل ضیاء الحق کے جھوٹے وعدوں اور چالوں کو سمجھنے والے سیاستدانوں کو باقاعدہ ایک پلیٹ فارم میسر آ گیا تھا۔ سابق پی این اے میں شامل جماعتوں کے علاوہ حکومت سے ناراض پارٹیوں کو بھی ایم آر ڈی میں شامل کر لیا گیا اور کوشش کی گئی کہ تمام چھوٹی بڑی پارٹیوں کے اتحاد کو مارشل لاء کے خلاف ایک موثر قوت کے طور پر استعمال کیا جائے۔ اس وقت خیال کیا جا رہا تھا کہ مارچ 1981ء میں ملک بھر میں ایک زبردست تحریک شروع ہو جائے گی لیکن ایم آر ڈی ابھی منصوبے بنا ہی رہی تھی کہ 2 مارچ 1981ء کو سلام

Marfat.com

اللہ ٹیپو اور ان کے ساتھیوں نے پی آئی اے کا ایک طیارہ اغوا کر کے کابل پہنچا دیا اس طیارے میں 148 مسافر سوار تھے۔ ہائی جیکنگ کے واقعے کے بعد سیکورٹی حکام نے ملک بھر میں گرفتاریوں کا سلسلہ شروع کر دیا اور اس سلسلے میں بے نظیر بھٹو کو قومی اسمبلی کی ڈپٹی سپیکر بیگم اشرف عباسی کے گھر سے 8 مارچ کو گرفتار کیا گیا اور بیگم نصرت بھٹو کو بھی جیل بھیج دیا گیا۔ بیگم نصرت بھٹو ایم آر ڈی کی تحریک کی ناکامی سے سخت دلبرداشتہ تھیں انہیں یقین تھا کہ جب تک افغانستان میں روسی افواج موجود ہیں ضیاء الحق کو منظر سے ہٹانا تقریباً ناممکن ہے۔ دوسری طرف ضیاء الحق خود کو سیاستدانوں کے رحم وکرم پر چھوڑنے کی غلطی نہیں کرنا چاہتے تھے چنانچہ انہوں نے انتخابات کرانے کے بجائے ایک مجلس شوریٰ قائم کر دی جو 1985 تک چلتی رہی۔ اس دوران ملک میں جمہوریت کی بحالی کی جدوجہد جاری رہی پاکستان کے عوام خصوصاً سندھ کے عوام نے اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہزاروں کارکنوں کو ظلم وستم اور جبر وتشدد کے ذریعے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، پنجاب کے ہزاروں کارکنوں کو گرفتار کر کے جیلوں میں ڈال دیا گیا۔ سرحد میں بھی تحریک کو طاقت کے ذریعے دبا دیا گیا۔ پریس پر سخت سنسر شپ کی وجہ سے عوام کو تحریک کی شدت کا اندازہ نہ ہو سکا حالانکہ سندھ کے بیشتر علاقوں میں حالات قانون نافذ کرنے والے اداروں کے بس سے باہر ہو چکے تھے۔ یہ جمہوریت پسند کارکنوں کی قربانیوں اور بے نظیر بھٹو کی ناقابل شکست جدوجہد کا نتیجہ تھا کہ فوجی آمریت ملک میں انتخابات کرانے پر مجبور ہوگئی۔ عام انتخابات سے قبل جنرل ضیاء الحق نے ایک ریفرنڈم کرایا جس میں عوام سے سوال کیا گیا تھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ اگر آپ ملک میں اسلامی نظام کا نفاذ چاہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے جنرل ضیاء الحق کو پانچ سال کے لئے صدر منتخب کر لیا ہے۔ یہ ایک ایسا ریفرنڈم تھا جس کی حمایت میں تو بہت کچھ کہا جا سکتا تھا لیکن اس کے خلاف کچھ کہنے کی کسی کو اجازت نہ تھی۔ جنرل ضیاء الحق سمیت ہر وزیر مشیر ریفرنڈم کی افادیت پر مدلل تقریریں کر رہا تھا لیکن اس کے باوجود بھی صرف سات فیصد ووٹ ڈالے گئے، تاہم جو بھی ووٹ ڈالنے کی عمر کو نہیں پہنچے تھے انہوں نے بھی جی بھر کے شوق پورا کیا۔ ریفرنڈم کے ذریعے صدر منتخب ہونے کے بعد جنرل ضیاء الحق نے حسب سابق ایک مرتبہ پھر عام انتخابات کی نئی تاریخ کا اعلان کیا۔ جنرل ضیاء الحق کو انٹیلی جنس اداروں کے ذریعے ملنے والی رپورٹ میں واضح کر دیا گیا تھا کہ تمام تر جبر وتشدد کے باوجود بھی پیپلز پارٹی کو ختم نہیں کیا جا سکا اور اگر انتخابات کرا دیئے گئے تو پیپلز پارٹی اب بھی واضح اکثریت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گی چنانچہ جنرل ضیاء الحق

Marfat.com

نے غیر جماعتی الیکشن کرانے کا فیصلہ کیا تا کہ اسمبلی میں یہ تخصیص نہ کی جا سکے کہ اسمبلی میں کون سی پارٹی کتنی قوت کی مالک ہے۔ بیگم نصرت بھٹو اور بے نظیر بھٹو 25 فروری 1985ء کو ہونے والے غیر جماعتی انتخابات میں حصہ لینا چاہتی تھیں لیکن ایم آر ڈی کی اکثر جماعتوں نے غیر جماعتی انتخابات کو خلاف جمہوریت قرار دے کر جنرل ضیاء الحق سے مطالبہ کیا کہ وہ جماعتی بنیادوں پر انتخابات کرائیں۔ جنرل ضیاء الحق نے ایم آر ڈی کی جماعتوں کے اندر اپنے ایجنٹ چھوڑ رکھے تھے جنہیں یہ مشن سونپا گیا تھا کہ وہ پیپلز پارٹی کو قائل کریں کہ غیر جماعتی انتخابات کا بائیکاٹ کیا جائے۔ چنانچہ جب 19 جنوری 1985ء کو ایبٹ آباد میں ایم آر ڈی کا اجلاس ہوا تو ایم آر ڈی کی مرکزی کمیٹی نے عام انتخابات میں حصہ نہ لینے کا فیصلہ کر لیا اور اس کے لئے دلیل پیش کی کہ بین الاقوامی دباؤ کی وجہ سے ضیاء الحق ایم آر ڈی کی جماعتوں کی عدم شرکت سے انتخابات نہیں کروا سکیں گے۔ اس طرح پیپلز پارٹی 1985ء میں ہونے والے عام انتخابات سے باہر رہی اور پارلیمانی سیاست سے محروم ہو گئی۔

جولائی 1985ء میں فرانس کے شہر کینز میں شاہنواز کے گھر پر خاندان کے تمام افراد نے کئی برس کے بعد پہلی مرتبہ اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھایا وہ ایک یادگار دن تھا جب شاہنواز نے بے نظیر سے وعدہ کیا تھا کہ اگلے روز وہ اسے اپنے ہاتھ سے کھانا پکا کر کھلائے گا لیکن بے نظیر اور شاہنواز کی اکٹھے مل بیٹھنے کی حسرت دل ہی میں رہ گئی کیوں کہ اگلے روز شاہنواز اپنے فلیٹ میں مردہ پائے گئے پیپلز پارٹی کی مرکزی قیادت کا پہلا ردعمل یہ تھا کہ اسے ضیاء الحق نے قتل کرایا ہے۔ مرتضیٰ نے فرانس سے مخدوم خلیق الزماں کو پیغام بھیجا کہ وہ شاہنواز کی تدفین کے انتظامات کریں۔ مخدوم خلیق الزماں نے بے نظیر کے کزن مشتاق بھٹو کے ساتھ مل کر تدفین کے انتظامات کا آغاز ہی کیا تھا کہ حکومت نے مخدوم خلیق الزماں کو گرفتار کر لیا۔ بے نظیر 21 اگست 1985ء کو شاہنواز کی میت لے کر کراچی ائیر پورٹ پر اتریں اور 27 اگست کو فوجی حکومت نے انہیں تین ماہ کے لئے نظر بند کر دیا باوجود اس کے کہ جنرل ضیاء الحق نے امریکہ مغربی اور اسلامی ممالک کے سفارتکاروں کو یقین دلایا تھا کہ بے نظیر کو شاہنواز کی میت لانے کے موقع پر گرفتار نہیں کیا جائے گا۔ بے نظیر کی گرفتاری پر امریکی سفیر ڈین ہنٹن نے سندھ کے گورنر جنرل جہانداد خان سے ملاقات کی اور انہیں امریکی حکومت کے جذبات سے آگاہ کیا اور کہا کہ بے نظیر بھٹو کی نظر بندی پر امریکہ کو سخت تشویش ہے۔ اگر عام حالات میں امریکی سفیر نے اس قسم کے ردعمل کا اظہار کیا ہوتا تو جنرل ضیاء الحق بے نظیر کی

Marfat.com

نظر بندی فوری طور پر ختم کر دیتے لیکن افغانستان کے مخصوص حالات کے پس منظر کے باعث جنرل ضیاء الحق نے امریکی موقف کو مسترد کر دیا اور کہا کہ وہ پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کریں۔ واشنگٹن حکام کے کہنے پر نہ تو کسی کو گرفتار کیا جائے گا اور نہ ہی کسی مجرم کی رہائی عمل میں آئے گی۔ ضیاء الحق اپنے اس موقف پر زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکے اور بیرونی دباؤ پر بے نظیر کو رہا کر کے فرانس روانہ کر دیا۔

جنرل ضیاء الحق جنہوں نے آتے ہی قوم سے نوے دن کے اندر انتخابات کرانے کا وعدہ کیا تھا تقریباً ساڑھے آٹھ سال بعد انتخابات کرانے پر مجبور ہو گئے، اس وقت تک جن جماعتوں نے منتخب ہو حکومت کے خلاف جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء کا خیر مقدم کیا تھا وہ اب جنرل کے جھوٹے وعدوں سے زچ ہو چکی تھیں۔ بہر حال مارشل لاء کا خاتمہ قابل تحسین اقدام تھا لیکن اس سے پہلے جنرل ضیاء الحق آئین میں ترامیم کر کے اسمبلی برطرف کرنے کا اختیار حاصل کر چکے تھے۔ جمہوریت کی بحالی کے نتیجے میں محمد خان جونیجو ملک کے وزیر اعظم بن گئے۔ 1985ء اگر چہ محمد خان جونیجو کوئی بڑے سیاسی پس منظر کی حامل شخصیت نہیں تھے تاہم انہوں نے حلف اٹھانے کے بعد اپنے پہلے بیان میں ہی ثابت کر دیا کہ ملک میں (کنٹرولڈ) جمہوریت بحال ہو چکی ہے انہوں نے کہا کہ ملک میں جمہوریت اور مارشل لاء ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے۔ جونیجو جیسے غیر مقبول لیڈر کو وزیر اعظم بنانے کا مقصد یہ تاثر دینا تھا کہ فوج کی سندھ کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں ہے۔ محمد خان جونیجو کوئی قومی سیاسی پس منظر بھی نہیں رکھتے تھے لیکن انہوں نے اقتدار سنبھالتے ہی غیر ملکی سفیروں کو یہ تاثر دینا شروع کر دیا کہ بھٹو خاندان پر سیاست میں حصہ لینے کی کوئی پابندی نہیں ہے، محمد خان جونیجو نے ہی بے نظیر کو فرانس بھجوایا اور شاہنواز کی وفات پر سب سے پہلے جونیجو نے بیگم نصرت بھٹو کے نام تعزیتی پیغام بھیجا۔ جونیجو غیر جماعتی طور پر منتخب ہونے والے ایوان کو ایک جماعت میں منظم کرنا چاہتے تھے لیکن ضیاء الحق نے اس کی اجازت نہ دی تاہم جب ایوان کے اندر پریشر گروپ قائم ہو گیا تو ضیاء الحق نے بھی ایک جماعت کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اس کی اجازت دے دی۔ چنانچہ محمد خان جونیجو کی کوششوں سے قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے اندر مسلم لیگ جماعت قائم ہو گئی۔ جونیجو کے بعض اقدامات پر جنرل ضیاء الحق کے ساتھ اختلافات رونما ہونا شروع ہو گئے۔ اسی دوران جونیجو نے بے نظیر بھٹو کو بھی پاکستان واپس آ کر سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی اجازت دے دی۔ یہ محمد خان جونیجو کا ایک تاریخی کارنامہ تھا جب محترمہ بے نظیر بھٹو کی

Marfat.com

واپسی کا اعلان کیا گیا تو کسی کو یقین ہی نہ آیا کہ بے نظیر بھٹو جنرل ضیاء الحق کی موجودگی میں وطن واپس آ کر ملک کی سیاست میں حصہ لے سکتی ہیں تاہم جب یہ بات واضح ہو گئی کہ بے نظیر بھٹو وطن واپس آ رہی ہیں تو پاکستان کی تاریخ کے سب سے بڑے استقبال کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ ملک کی سیاسی فضا کو خوشگوار بنانے کے لئے ایم آر ڈی کی جماعتوں نے 29 جنوری 1986ء کو ایک جلسہ عام کا اعلان کیا۔ اس روز لاہور میں جشن کا سا سماں تھا پیپلز پارٹی کے کارکن جو پہلے جنرل ضیاء الحق کی انتقامی کارروائیوں سے خوفزدہ تھے ''بھٹو جئے ہزاروں سال'' کے نعرے لگاتے ہوئے سڑکوں پر نکل آئے۔ محمد خان جونیجو نے پنجاب کے وزیر اعلیٰ میاں نواز شریف کو حکم دیا کہ وہ اپوزیشن رہنماؤں کی مناسب حفاظت کا بندوبست کریں اور پولیس کو جلسہ گاہ سے دور رکھیں تاکہ پولیس کو دیکھ کر عوام مشتعل نہ ہو جائیں۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ وہ ایم آر ڈی کا مقابلہ سیاسی میدان میں کریں گے اور اس مقصد کے لئے انہوں نے 8 فروری کو لاہور میں ایک ملک گیر کنونشن منعقد کرنے کا اعلان کیا تاہم اس کنونشن میں مسلم لیگ تمام سرکاری وسائل کے باوجود موچی دروازے کے مقابلے میں بڑا اجتماع نہ کر سکی۔

بے نظیر بھٹو جو جمہوریت کی بحالی کے بعد پاکستان واپس آنے کا فیصلہ کر چکی تھیں، نے پاکستان واپس آنے کے موقع پر کئے جانے والے انتظامات کے حوالے سے جہانگیر بدر کو لندن طلب کیا۔ 6 اپریل کو وطن واپس آنے سے پہلے بے نظیر بھٹو نے غیر ملکی اخبار نویسوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا میں پاکستان جا کر کوری اکینو جیسا کردار ادا کروں گی۔ انہوں نے توقع ظاہر کی کہ جونیجو کو اپنے رویئے سے ظاہر کرنا ہوگا کہ پاکستان میں واقعی جمہوریت بحال ہو گئی ہے یا ملک پر ایک بے بس وزیر اعظم مسلط ہے۔

بے نظیر بھٹو کے مطابق ان کی پاکستان واپسی کی اطلاع کے ساتھ ہی انہیں موت کی دھمکیاں ملنے لگیں پاکستان میں اے پی پی کے ایک رپورٹر نے سندھ میں ایک فوجی افسر کے حوالے سے ان تک پیغام پہنچایا جس میں کہا گیا تھا کہ:

''اسے کہو یہاں نہ آئے وہ اسے قتل کروا دیں گے۔''

صوبہ پنجاب سرحد اور پورے ملک سے اس نوع کے پیغام آنے شروع ہو گئے علی الصبح اور رات گئے تک ان کے فون کی گھنٹیاں بجنے لگتیں اور جب وہ فون اٹھاتیں تو کوئی نہ بولتا۔ ایک دوست نے ٹیلی فون کر کے بتایا کہ ایک پاکستانی میجر کو ہیتھرو کے ہوائی اڈے پر روک کر پوچھ گچھ کی گئی۔ اس

Marfat.com

کے پاس ان کی تصویر تھی ایئر پورٹ پر تعینات حکام نے اسے واپس بھیج دیا۔

جونیجو نے بے نظیر بھٹو کے دورہ لاہور کو مدنظر رکھتے ہوئے بے نظیر کی لاہور آمد سے صرف تین دن پہلے موچی گیٹ کے جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کچی آبادیوں کے مکینوں کو مالکانہ حقوق دیئے لیکن جونیجو کے ایسے اقدامات کے باوجود بھی جب 10 اپریل 1986ء کو بے نظیر لاہور پہنچیں تو عوام کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا ایک سمندران کے استقبال کے لئے موجود تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ جنوبی ایشیا کی تاریخ کا سب سے بڑا جلوس تھا۔ خود بھٹو شہید کا جمہوری دور میں بھی اتنا بڑا استقبال نہیں کیا گیا تھا جتنا مارشل لاء دور میں ان کی بیٹی کا ہوا تھا۔ مینار پاکستان کے بہت بڑے میدان میں جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے بے نظیر نے فوری طور پر عام انتخابات کے انعقاد کا مطالبہ کیا۔ بے نظیر بھٹو اپنی سوانح حیات میں لکھتی ہیں:

> انسانوں کا ایک سمندر تھا جو سڑک کے دورویہ ٹھاٹھیں مار رہا تھا بالکونیوں اور چھتوں پر، درختوں اور بجلی کے کھمبوں پر لوگ ہی لوگ تھے۔ لوگ ہمارے ٹرک کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے، کھیتوں اور میدانوں کو پھلانگ کر آگے بڑھ رہے تھے، خلقت کا ہجوم ایک موج کی طرح تھا۔ ہوائی اڈے سے اقبال پارک میں مینار پاکستان تک آٹھ میل کا فاصلہ ہے گاڑی میں طے کیا جائے تو پندرہ منٹ لگتے ہیں لیکن 10 اپریل 1986ء کا وہ دن ناقابل یقین تھا اس روز یہ فاصلہ ہم نے دس گھنٹوں میں طے کیا۔ ہوائی اڈے پر دس لاکھ افراد کا ہجوم دیکھتے دیکھتے بیس لاکھ ہو گیا اور مینار پاکستان تک پہنچتے پہنچتے تیس لاکھ ہو گیا۔
>
> ہوائی اڈے کے گیٹ جوں ہی کھلے سینکڑوں رنگا رنگ غبارے آسمان میں اڑتے ہوئے نظر آئے، اس روز ہوا میں آنسو گیس کی نہیں، پھولوں کی پنکھڑیوں کی خوشبو تھی۔ لوگ برابر ٹرک پر پھول نچھاور کر رہے تھے۔ میں نے ایک لڑکی کو دیکھا جس کے بھائی کو پھانسی دی گئی تھی، ایک ہار میں نے اس کی طرف اچھال دیا۔ ٹرک میں پھولوں کے ہاروں کی بارش ہوتی رہی یہی نہیں ہاتھوں کے چنے ہوئے دوپٹے اور شالیں بھی آ آ کر گرتی رہیں۔ میں نے ایک کے بعد دوسرا دوپٹہ اوڑھ لیا اور باقیوں کو اپنے شانوں پر ڈالتی گئی۔ سابق سیاسی

Marfat.com

قیدیوں کے پاس سے گزرتے ہوئے میں انہیں ہجوم میں پہچان لیتی اور ان کی طرف بلکہ وہ تمام لوگ جنہیں پھانسی دی گئی اور جنہیں اذیتیں دی گئیں ان کے افراد خاندان کی طرف، نوجوان اور عمر رسیدہ عورتوں کی طرف جو راستے میں کھڑے نظر آتے، پھول اور کڑھائی والے کپڑے پھینکتی گئی۔

سیاہ، سبز اور سرخ پیپلز پارٹی کے یہی رنگ ہیں اس روز لاہور کے رنگ تھے، ہوا کے گرم اور خشک تھپیڑوں میں لہراتے ہوئے پیپلز پارٹی کے پرچم اور بینر اس طرح باہم مل گئے تھے کہ ایک شامیانہ تنا ہوا نظر آتا تھا۔ لوگوں نے سرخ، سبز اور سیاہ جیکٹ، دوپٹے، شلوار قمیض اور انہی رنگوں کے ہیٹ پہن رکھے تھے۔ پیپلز پارٹی کے ربن گدھوں اور بھینسوں کی گردن اور دم کے ساتھ بندھے ہوئے نظر آرہے تھے۔ میرے والد، والدہ، بھائیوں اور خود میرے پوسٹر بھی انہی رنگوں کے حاشیوں سے مزین تھے۔

''جیوے بھٹو۔۔۔۔صدا جیوے'' پنجابی میں یہ نعرہ گونج رہا تھا۔ یہ اس جذبے کا اظہار تھا کہ محض تین ماہ پہلے اس پر قید بامشقت اور کوڑوں کی سزا ہوسکتی تھی۔ دوسری طرف سندھی میں یہ نعرہ سنائی دے رہا تھا ''منجی بھن، تنجی بھن (تیری بہن، میری بہن) بے نظیر'' اردو میں پشتو میں، پاکستان کی ہر زبان میں نعرے لکھے ہوئے نظر آرہے تھے۔ ''بے نظیر آئے گی۔۔۔انقلاب لائے گی'' میرے حامیوں نے یہ نعرہ میری واپسی سے پہلے لگایا تھا، اب وہ للکار رہے تھے ''بے نظیر آئی ہے۔۔۔انقلاب لائی ہے'' جب میں اپنے ہاتھ لہراتی تو جواب میں وہ بھی فضا میں ہاتھ بلند کرتے۔ جب میں دونوں ہاتھ سر پر بلند کر کے انہیں جوڑتی جس طرح میرے والد کیا کرتے تھے تو وہ بھی اس طرح اپنے ہاتھوں کو آپس میں ملاتے اور لہراتے اور یوں لگتا جیسے حد نظر تک گندم کے لہلہاتے ہوئے کھیت ہیں جو ہوا میں بل کھا رہے ہیں۔ (دختر مشرق)

نفیس صدیقی بے نظیر بھٹو کے تاریخی استقبال کے حوالے سے لکھتے ہیں:

محترمہ بے نظیر بھٹو کی وطن واپسی کا جائزہ لیا جائے تو سب سے پہلے 10 اپریل 1986ء کا دن آنکھوں کے سامنے آتا ہے جس روز لاہور میں دختر

Marfat.com

مشرق کے لئے محنت کش عوام کا ایک طوفان اُمڈ آیا تھا اور مڈل کلاس جو محض اس جلوس کا نظارہ کرنے آئی تھی اس طوفان کے بہاؤ میں بہہ گئی۔ اس جلوس کو جن لوگوں نے انتہا پسندانہ انداز میں دیکھا انہوں نے تو یہ سمجھا کہ بے نظیر بھٹو اس جلوس کی مدد سے کوٹھیوں، صنعتوں اور سرکاری دفاتر کو آگ لگا دیں گی اور جنرل ضیاء الحق کو مزید دس سال تک مارشل لاء لگانے کا موقع مل جائے گا لیکن کسی بھی دشمن کو اندازہ نہ تھا کہ شہید بھٹو کی بیٹی کتنی عقل و دانش کی مالک ہے۔ بے نظیر کو پوری طرح احساس تھا کہ پیپلز پارٹی کے جلوس میں شامل ان لاکھوں لوگوں کو آگ لگانے اور انتہا پسندی جیسی احمقانہ حرکتوں میں استعمال کرنے کا کام جنرل ضیاء الحق جیسے لوگ ہی کر سکتے ہیں۔ کوئی بھی جمہوری لیڈر اس قسم کی حرکتیں پسند نہیں کرتا اس لئے انہوں نے جلوس کے بعد کانفرنس میں یہ بات کہہ دی کہ وہ آگ لگانے اور انتہا پسندی کرنے کے لئے نہیں آئیں بلکہ جمہوری جدوجہد کرنے آئی ہیں۔ (بھٹو سے بھٹو تک)

پاکستان پر مسلط فوجی حکومت کو اندازہ ہو گیا تھا کہ بے نظیر بھٹو کی وطن واپسی ان کے لئے کوئی نیک شگون ثابت نہیں ہونے والی چنانچہ انہوں نے بے نظیر بھٹو کے وطن واپس آنے سے پہلے ہی ان کے خلاف میڈیا میں ایک منظم مہم شروع کر دی۔ کردار کشی کی اس مہم میں بے نظیر بھٹو کی ذاتی زندگی کو نشانہ بناتے ہوئے من گھڑت قصے کہانیاں مشہور کئے گئے جس کے جواب میں بے نظیر بھٹو نے جونیجو کو تجویز دی کہ وہ نئے انتخابات کروانے کے لئے ریفرنڈم کروالیں جونیجو نے تو اس پر کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا تاہم جنرل ضیاء الحق نے اس تجویز کو مسترد کرتے ہوئے کہا: ”بے نظیر کو مجھے 1990ء تک برداشت کرنا ہوگا۔“ لیکن کاتب تقدیر کو شائد جنرل ضیاء الحق کی یہ بات پسند نہ آئی اور اس نے جنرل ضیاء الحق کو 1990ء تک جینے کا موقع ہی نہ دیا اور ان کے تمام منصوبے اس وقت دھرے کے دھرے رہ گئے جب 17 اگست 1988ء کو ان کا طیارہ بہاولپور سے پرواز کے چند منٹ بعد بستی لال کمال کے مقام پر دھماکے سے پھٹ گیا اور طیارے میں موجود کوئی بھی مسافر زندہ نہ بچ سکا۔

☆☆☆

Marfat.com

بے نظیر بھٹو کی حکومت (1988ء)

بہاولپور کے قریب ایک طیارے کے حادثے میں جنرل ضیاء الحق کی موت کے بعد چیرمین سینٹ غلام اسحاق خان ملک کے نئے صدر بن گئے اوران کی سرپرستی میں 16 نومبر 1988ء کو ہونے والے عام انتخابات میں پیپلز پارٹی نے قومی اسمبلی میں برتری حاصل کی جس کے نتیجے میں بے نظیر بھٹو ملک کی پہلی خاتون وزیراعظم بنیں۔ جنرل ضیاء الحق کا طیارہ تباہ ہونے کے بعد سوچا جارہا تھا کہ اب پھر ملک میں مارشل لاء لگادیا جائے گا اور جنرل ضیاء الحق کے پروردہ سیاستدان تو مارشل لاء کے لئے بے قرار تھے لیکن جنرل مرزا اسلم بیگ نے یہ اعلان کر کے سب کے منہ بند کردیئے کہ آئین کے مطابق کام کیا جائے گا۔ حالانکہ جنرل الحق کی لابی اس بات پر اصرار کررہی تھی کہ اقتدار اعلیٰ فوج کے پاس رہے۔ اسلامی جمہوری اتحاد کے بعض رہنما بھی بعض اعلیٰ فوجی افسروں کے دباؤ پر جنرل بیگ سے مارشل لاء کا مطالبہ کررہے تھے تاہم یہ خدشہ بھی موجود تھا کہ الیکشن غیر جماعتیں بنیادوں پر کرائے جائیں گے چنانچہ پیپلز پارٹی نے اس خطرے کو بھانپتے ہوئے فوری طور پر سپریم کورٹ کا رخ کیا اور عدالت نے فیصلہ کیا کہ انتخابات آئین کے مطابق جماعتی بنیاد پر ہوں گے۔

انتخابات کے بعد جیسا کہ صاف ظاہر تھا کہ پیپلز پارٹی ہی ملک کی سب سے بڑی جماعت ہے لیکن صدر اسحٰق خان نے 15 دن یہ فیصلہ کرنے میں ضائع کردیئے کہ بے نظیر کو حکومت بنانے کے لئے کہا جائے۔ دراصل وہ میاں نواز شریف کو مناسب وقت دینا چاہتے تھے تا کہ وہ اس عرصے میں بعض چھوٹی جماعتوں اور کامیاب ہونے والے آزاد امیدواروں کے ساتھ جوڑ توڑ کر سکیں جب میاں نواز شریف جوڑ توڑ کرنے کے باوجود بھی مطلوبہ سیٹیں پوری نہ کرسکے تو ناچار بے نظیر بھٹو کو حکومت سازی کے لئے دعوت دی گئی۔

Marfat.com

پاکستان پیپلز پارٹی کو اقتدار منتقل کرنے سے پہلے بعض شرائط رکھی گئی تھیں جو آج تک کسی کو معلوم نہیں ہیں۔ بعض حلقوں کے مطابق پاکستان پیپلز پارٹی کو اقتدار منتقل کرنے سے پہلے پی پی پی اور فوج کے درمیان باقاعدہ ایک ڈیل طے پائی تھی کیوں کہ فوج کے طاقتور اور بااثر ادارے میں پی پی پی کو اقتدار منتقل کرنے کے حوالے سے شدید اعتراضات پائے جاتے تھے جنہیں ایک مبینہ معاہدہ کے ذریعہ دور کیا گیا تھا تاہم پی پی پی اور فوج کے ذمہ داروں نے ہمیشہ اس ڈیل سے انکار کیا ہے۔

پاکستان پیپلز پارٹی کے ایک باخبر رہنما کے مطابق ان پر صرف دو شرائط عائد کی گئی تھیں ایک یہ کہ فوج کے معاملات میں مداخلت نہیں کی جائے گی اور دوسری یہ تھی کہ مسلح افواج کے افسروں سے کسی قسم کا انتقام نہیں لیا جائے گا۔ فوج کے ایک اعلیٰ افسر کے مطابق کہ کسی قسم کی کوئی شرائط عائد نہیں کی گئی تھیں بلکہ کچھ مشورے اور نصیحتیں کی گئی تھیں۔ بقول احمد سلیم:

> دراصل یہ انہی نصیحتوں کا نتیجہ تھا کہ پی پی پی کو غلام اسحاق خان کو صدارت کے امیدوار کے طور پر قبول کرنا پڑا اور صاحبزادہ یعقوب کو وزیر خارجہ کے طور پر کابینہ میں شامل کرنا پڑا۔ تاہم پی پی پی نے ''مخلوط حکومت'' بنانے کی ''فوجی نصیحت'' کو نظرانداز کر دیا۔'' (اسمبلیاں احتساب اور عدلیہ)

پاکستان کے سب سے بڑے صوبے پنجاب میں آئی جے آئی کی اسمبلی میں اکثریت تھی اور وہاں پر میاں نواز شریف نے وزیر اعلیٰ کے عہدے کا حلف اٹھایا وہ جنرل ضیاء الحق کی مہربانی سے وزارت اعلیٰ کے عہدے سے پہلے ہی لطف اندوز ہو چکے تھے اور اب کی بار وزارت عظمیٰ کے امیدوار تھے۔ صدر اور فوجی قیادت نے انہیں پورا پورا موقع دیا کہ وہ چھوٹے چھوٹے گروپوں اور آزاد امیدواروں کو ساتھ ملا کر حکومت بنانے کی پوزیشن میں آجائیں لیکن کوشش کے باوجود ایسا نہ کیا جا سکا چنانچہ پنجاب کی وزارت اعلیٰ کو محفوظ بنانے کے لئے پہلی مرتبہ رولز میں ترمیم کر کے شو آف ہینڈ کا طریقہ اپنایا گیا تاکہ نمک خوار کہیں بہک نہ جائیں۔ اس طرح مرکز اور صوبے میں دو متحارب حکومتیں تشکیل پا گئیں۔ سیاسی تجزیہ نگاروں نے اسی وقت اپنے خدشات کا اظہار کر دیا تھا کہ پی پی پی آمریت سے نجات حاصل کرنے بعد پنجاب حکومت کی طرف سے

Marfat.com

تعاون کے فقدان کا شکار ہو جائے گی۔

بے نظیر بھٹو کو اقتدار کی منتقلی سے پہلے ملک میں موجود مذہبی جماعتوں نے عورت کی حکمرانی پر اعتراضات کے حوالے سے ایک نئے موضوع پر بحث کا آغاز کر دیا حالانکہ اس سے پہلے مذہبی طبقہ محترمہ فاطمہ جناح کے انتخابات کے دوران ایوب خان کے خلاف ان کی حمایت کر کے اپنا فیصلہ صادر کر چکا تھا لیکن اب وہی مذہبی طبقہ بے نظیر بھٹو کو وزیراعظم بنائے جانے پر اعتراضات کی بوچھاڑ کر رہا تھا۔ اس سلسلے میں انہیں مخصوص قسم کے خیالات کے حامل اخبارات کی ہمنوائی بھی حاصل تھی اور وہ روز اس مسئلے پر صفحے کالے کر رہا تھا۔ ان تمام کوششوں کے باوجود بھی محترمہ بے نظیر بھٹو نے 2 دسمبر 1988ء کو بطور وزیراعظم حلف اٹھایا اس وقت ان کی عمر صرف 35 برس تھی۔

وہ ایک تاریخی لمحہ تھا جب غلام اسحاق خان اور بے نظیر بھٹو ایوان صدر کے استقبالیہ ہال میں داخل ہوئے لوگ اپنی نشستوں سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے ہر طرف کیمروں کی تیز روشنیوں سے ہال جگمگا اٹھا، پھر پاکستان کا قومی ترانہ ہال میں گونج رہا تھا ترانہ ختم ہوا تو قاری نے تلاوت شروع کی۔ تلاوت کے بعد صدر غلام اسحاق خان کی آواز خاموشی کا سینہ چیرتی ہوئی بلند ہوئی۔

> ''میں پاکستان کے قائم مقام صدر کی حیثیت سے بیگم بے نظیر بھٹو کو پاکستان کی وزیراعظم نامزد کرنے کا اعلان کرتا ہوں، وزیراعظم کی حیثیت سے وہ میرے پاس آ کر حلف برداری کی رسم ادا کریں۔''

بے نظیر بھٹو صدر غلام اسحاق خان کے پاس کھڑی ہوتی ہیں یکدم ہال میں تالیوں کا شور ہوتا ہے۔ صدر بے نظیر کے سامنے قرآن مجید رکھتے ہیں اور بے نظیر پہلے قرآن مجید پر ہاتھ رکھتی ہیں پھر چومتی ہیں اور سر آنکھوں سے لگاتی ہیں اور اپنے وطن پاکستان کے ساتھ وفاداری کا حلف اٹھاتی ہیں۔

☆☆☆

Marfat.com

بے نظیر بھٹو کا قوم سے تاریخی خطاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے عزیز بھائیو، بہنو، میرے بزرگو! نوجوان ساتھیو!

السلام علیکم!

مبارک باد آپ کو، آپ کی کامیابی پر، آپ کی فتح پر مبارکباد، یہ پاکستان پیپلز پارٹی کی کامیابی نہیں ہے الیکشن کے نتائج پوری قوم کی کامیابی ہے اور میں آپ کو اس کامیابی پر مبارکباد پیش کرتی ہوں۔ آج آپ نے اپنی بہن کو بہت بڑے اعزاز سے نوازا ہے اور اس کے کندھوں پر بہت بھاری ذمہ داری ڈال دی ہے، اس ذمہ داری کو نبھانے کے لئے جو کچھ میرے بس میں ہوا، وہ میں کروں گی۔

اس کام میں پاکستان پیپلز پارٹی کے کارکن جو قربانیاں دینے کے عادی ہیں وہ حکومت کی مدد کریں گے۔ ہم ان کی مدد چاہیں گے جنہوں نے جمہوریت کی بحالی کے لئے جدوجہد کی ہے، لیکن ہماری قوت کا اصل سرچشمہ عوام ہیں، ہم آپ میں سے ہیں، آپ کا دکھ ہمارا دکھ ہے، آپ کی عزت ہماری عزت ہے، آپ کی خوشی ہماری خوشی ہے۔ مجھے آپ پر فخر ہے، آپ نے ایسی حکومت منتخب کی ہے جسے چاروں صوبوں میں حمایت حاصل ہے۔ اس لحاظ سے وہ پوری قوم کے یکساں خیال رکھ سکے گی۔

ہم اس سفر پر گامزن ہیں جس پر اپنے دلوں میں ترقی پسند پاکستان، جمہوری پاکستان اور استحصال سے پاک پاکستان کی تمنا رکھنے والے چل رہے ہیں۔ ہمارا سفر بیس سال پہلے شروع ہوا تھا جب شہید ذوالفقار علی بھٹو نے ہمارے ملک کے پسماندہ اور محروم عوام کے حقوق کی حفاظت کے لئے پاکستان پیپلز پارٹی بنائی تھی۔ جب ایک سابقہ آمریت نے ملک کے دو ٹکڑے

Marfat.com

کر دیئے تھے تو 1971ء میں انہوں نے ملک کو بچایا تھا، انہوں نے عوام میں قوت پیدا کی اور یوں ملک کی حفاظت کی۔ اب ہمیں پھر آگے جا کر اپنی قوم کو مضبوط بنانا ہوگا۔ قوم اس وقت مضبوط ہوگی جب عوام مضبوط ہوں گے اور عوام اس وقت مضبوط ہوں گے جب ہم ان کی ضروریات پر پوری توجہ دیں گے، ہمارا پیغام امید کا پیغام ہے، ہمارا پیغام اتحاد کا پیغام ہے امن آزادی اور ترقی کا پیغام ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حالات سنگین ہیں، ہمیں بہت بڑے چیلنج کا سامنا ہے، لیکن ہم چیلنجوں سے ڈرنے والے نہیں۔ یہ درست ہے کہ گذشتہ ساڑھے گیارہ سال کے دوران داخلی طور پر جو پالیسیاں اپنائی گئیں، ان کا مقصد محض اپنے ذاتی اقتدار کو برقرار رکھنا تھا۔ ان پالیسیوں نے ہمارے معاشرے پر بہت سے زخم لگائے ہیں اور اس کا شیرازہ زبان، نسل اور فرقہ پرستی نے تار تار کر دیا ہے۔ چھوٹی سوچ رکھنے والی خارجہ پالیسی نے ہمارے اردگرد بلاوجہ خطرات پیدا کر دیئے ہیں۔ غلط سوچ پر مبنی اقتصادی پالیسیوں نے ہمارے قدرتی اور انسانی وسائل کی دولت ضائع کر دی ہے اور ہمارا پورا مالی نظام دیوالیہ ہونے کے قریب پہنچ چکا ہے۔ ہم تباہی کے کنارے کھڑے ہیں لیکن ایک پوری نسل اپنی بے تابیوں کو تعمیری جستجو کا رنگ دینے کے لئے تیار ہے۔ ہماری قربانیاں، ہماری جدوجہد، کوڑوں کی سزائیں اور موت کی کوٹھڑیوں میں ہمارا موت کا منہ چڑانا رائیگاں نہیں گیا، ہمیں ان آزمائشوں نے اپنے عزم میں پختہ کیا ہے۔ ہم زخموں کو بھریں گے، مشکلات پر قابو پائیں گے، ہم محبت کا راستہ اپنائیں گے، ہم بھوک اور ذلت کا خاتمہ کریں گے، ہم بے گھروں کے سروں پہ چھت کا سایہ مہیا کریں گے، بے روزگاروں کو روزگار دلائیں گے، ان پڑھوں کو لکھنا سکھائیں گے۔ ایک طرف دولت کی ریل پیل ہو اور دوسری طرف غربت، ہم یہ برداشت نہیں کریں گے۔

ہمارا ایمان ہے کہ پاکستان زندہ رہنے کے لئے بنا ہے اور اس میں وہ تمام صلاحتیں موجود ہیں جو ایک مضبوط قوم اور خوشحال قوم کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔ پاکستان کے قیام کے وقت قائداعظم نے مسلمان عوام کی امنگوں کی عکاسی کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ پاکستان ایک جدید ریاست کی حیثیت سے پروان چڑھے گا۔ محنت کش طبقوں کو امید تھی کہ نئی ریاست میں معاشرتی

Marfat.com

انصاف ہوگا، ہر قسم کے استحصال سے نجات ملے گی، جاگیرداری کے پھندے سے چھٹکارا حاصل ہوگا، نئے معاشرتی اور اقتصادی نظام کے ذریعے انہیں نئے مواقع میسر آئیں گے اور عوام ملک کے معاملات میں حصہ دار رہیں گے۔ پاکستان کی تاریخ، عوام کی بے جھجک جدوجہد کی تاریخ ہے جو وہ ایک مراعات یافتہ حکمران طبقے کی من مانیوں کے خلاف کرتی رہی ہے۔

گذشتہ بیس سالوں میں انہوں نے تین بار بے رحم مارشل لاء کے ہاتھوں دکھ سہے ہیں، چار آئین منسوخ اور معطل ہوتے دیکھے ہیں اور چار جنگیں لڑی ہیں۔ اس بحران کی جڑیں گہری ہیں، یہ بحران ریاست اور عوام کے درمیان تھا۔ ایک حساس اور جمہوری حکومت میں عوام ہی وہ جذبہ پیدا کر سکتے ہیں جس سے ہمارے اقتصادی اور سیاسی ڈھانچے کا عدم توازن دور ہو سکے۔ اس وقت جب قوم ایک نئے دور کا آغاز کر رہی ہے اور موجودہ تاریخ ساز عہد میں اپنا مقام متعین کر رہی ہے تو پھر شہید ذوالفقار علی بھٹو کے یہ الفاظ واضح طور پر یاد آ رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا تھا: ''ہم جو عوام پر بھروسہ کرتے ہیں ہمیں عوام کے پاس ہی جانا چاہئے۔'' اگر یہ راستہ صحیح ہے تو پھر ہمیں کسی طور پر ایسی صورت حال کا حصہ نہیں بننا چاہئے جو عوام کے مفاد کے خلاف جاتی ہو۔

میں اس موقع پر اپنے عوام اور ان کے نڈر جذبے اپنے شہیدوں اور ان سب کو کراج عقیدت پیش کرنا چاہتی ہوں جنہوں نے اپنی آزادی، اپنی خوشیاں، اپنے روزگار اور اپنی خاندانی بہبود کی قربانی پیش کی تاکہ ہم آزادی، جمہوری وقار سے امیدوں بھری زندگی گزار سکیں۔ انسانی تاریخ میں شائد ہی کسی قوم نے جمہوریت کی بحالی کے لئے اتنی بڑی جدوجہد کی ہو، ہمارے عوام نے جمہوریت کی تلاش میں دکھ اٹھائے لیکن وہ ثابت قدم رہے۔ انہوں نے دنیا کو ثابت کر دکھایا ہے کہ اگر کوئی قوم یہ عہد کرے کہ جو وہ چاہتی ہے وہ حاصل کر کے رہے گی تو بالآخر وہ کہیں ناکام نہیں ہوتی۔ ہم سب ایسے ہی پاکستان میں رہنا چاہتے ہیں۔ پیپلز پارٹی کے لئے یہ بڑا اعزاز ہے اسے اعلیٰ ذمہ داری کی مسند سے عوام کی خدمت کا موقع ملا ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ ہمارے ملک کے جیالے عوام آگے آئیں گے اور ہمارے ہاتھ مضبوط کریں گے۔ یہ انتخابات ہمارے عوام اور ہماری قوم کی فتح ہے۔ آزادی، امید، وقار، مساوات اور انصاف کی فتح ہے۔ یہ انتخابات غربت، دشمنی، انتقام اور مار دھاڑ کے لئے موت کا

Marfat.com

پیغام لائے ہیں۔ میں زندگی کے تمام شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتی جنہوں نے جمہوریت کے اس عظیم عمل میں حصہ لیا ہے۔ظاہر ہے اس سے ان لوگوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں جو اس شک میں پڑے ہوئے تھے کہ ہمارے عوام نہ تو جمہوریت کے اہل ہیں اور نہ اس کا اظہار کر سکتے ہیں۔

ہمارا نصب العین ہے کہ اخوت، بھائی چارے، مساوات اور تحمل و برداشت کے اعلیٰ اسلامی اصولوں کی سربلندی کے لئے کوشش کرتے رہیں۔قوم کو متحد کرنے کا انصاف اور برابری کی بنیاد پر اس میں قومی وقار کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے ہم انشاءاللہ معاشرے میں امن و آشتی کی فضا قائم کریں گے اور ہر شہری کی جان و مال اور عزت کی حفاظت کریں گے۔خواہ وہ کسی سیاسی جماعت سے یا نظریئے سے تعلق رکھتا ہو، خواہ اس کا کوئی سا مذہب، فرقہ یا نسل ہو، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، ہم دعا گو ہیں کہ اللہ پاک ہمیں صحیح راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ہم تمام شہریوں کو یکساں معاشرتی درجہ دینے اور انسانی حقوق کی ہر پہلو سے حفاظت کرنے کی کوشش کریں گے تاکہ ملک میں 1973ء کا آئین اور پارلیمانی نظام بحال ہو سکے، محرومی کا احساس ختم کیا جا سکے اور ریاست کی بنیادوں کو مستحکم کیا جا سکے۔

عوام ہمارا بیش بہا سرمایہ ہیں ہم قومی اور انسانی وسائل کو زیادہ سے زیادہ کام میں لا کر اپنی معیشت کو خود انحصاری می منزل تک پہنچ جائیں گے۔ہم اپنے ملک کے انسانی اور قدرتی وسائل کو کسی صورت میں ضائع نہیں ہونے دیں گے۔

ہم متوسط طبقہ کی حوصلہ افزائی کر کے غربت کا خاتمہ کریں گے، ہم سرمایہ کاری اور ٹیکنالوجی کی منتقلی کے ذریعے عوام کی خوشحالی کا سامان کریں گے۔

ہمارا یقین ہے کہ صوبائی خودمختاری صرف اس وقت بار آور ثابت ہو سکتی ہے جب سیاسی اور معاشرتی اختیارات عوام کو منتقل کیے جائیں۔اس طرح عوام کا اعتماد بڑھے گا جو وفاق کے استحکام کا باعث ہوگا۔مرکز اور صوبوں کے باہمی تعلقات کے سلسلے میں ہم نیا توانا انداز اختیار کریں گے تاکہ محرومی سے پیدا ہونے والی کشمکش پر قابو پایا جا سکے۔یہ احساس محرومی گذشتہ ساڑھے گیارہ سالوں میں شدید ہو چکا ہے جس سے غیرت کا جذبہ پیدا ہوا۔ہم نہ صرف مرکز سے

Marfat.com

صوبائی حکومتوں کو اقتدار منتقل کرنے کے روائتی حل میں یقین رکھتے ہیں بلکہ ہم ایسے انتقال اقتدار کے پابند ہیں جس میں ہر سطح پر عوام کو اختیارات میں شرکت کا احساس ہو سکے۔ بجائے اس کے کہ ایک صوبہ دوسرے صوبے سے یا مرکز سے برسرپیکار ہو، ہم کوشش کریں گے کہ مختلف نقطہ نظر کی باہمی آمیزش سے مسائل کا حل ڈھونڈا جائے۔ جمہوری نظام کی بنیاد فرد کی آزادی ہے انشاء اللہ ہماری طویل جدوجہد کامیابی سے ہمکنار ہوگی۔

ہم پریس کی آزادی کے منافی تمام قاعدے اور قوانین منسوخ کر دیں گے تاکہ پاکستان میں پریس آزاد ہو، ہم نیشنل پریس ٹرسٹ توڑ دیں گے، ہم ٹی وی اور ریڈیو کو خود مختاری دیں گے تاکہ عوام کی خدمت کر سکیں۔ پاکستان پیپلز پارٹی اس امر کو یقینی بنائے گی کہ میڈیا کی ساکھ بحال ہو اور اسے عوام کا اعتماد حاصل ہو اور یہ آزادی سے عوام کو صحیح معلومات اور صحت مندانہ تفریح مہیا کرے۔ پریس ایڈوائس طریقہ کار کو ختم کر دیا جائے گا، ہم اس بات کا تہیہ کئے ہوئے ہیں کہ کارکن صحافیوں کو ملازمت کا تحفظ اور عزت واحترام حاصل ہو۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ان کے حقوق کا تحفظ کیا جائے گا اور ان کے کام کاج کے حالات اور معاوضہ کے قوانین کو بہتر بنایا جائے گا۔

بحالی جمہوریت کی جدوجہد میں جن لوگوں کو نقصان اٹھانا پڑا ہے، ہم انہیں باعزت طریقے سے بحال کریں گے اور انہیں مناسب معاوضہ ادا کیا جائے گا، ہم جمہوریت کے شہیدوں کی یادگاریں قائم کریں گے اور ظلم و جبر کے خلاف تاریخی جنگ لڑنے والے جن شہیدوں نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا تاکہ قوم کا ضمیر زندہ رہے، ان شہدائے جمہوریت کی یاد کو امر کرنے کے لئے ابدی شمعیں روشن کی جائیں گی۔

اس وقت میں سیاسی قیدیوں کے بارے میں بھی کہنا چاہتی ہوں جب کل شام صدر پاکستان نے پاکستان پیپلز پارٹی کی پارلیمنٹری لیڈر، آپ کی بہن کی نامزدگی کا اعلان کیا تو اس وقت سے ہمارے وکیل وزارت قانون کے ساتھ رابطہ قائم کئے ہوئے ہیں۔ میں خواہش رکھتی ہوں کہ جلد از جلد سیاسی قیدیوں کے بارے میں کچھ فیصلہ دے دیں گے، ہمیں ہر چیز کا لحاظ کرنا ہے۔ میری تو خواہش ہے کہ میں فوری طور پر جیل کے دروازوں کو کھولنے کے احکامات دے دوں

Marfat.com

مگر ہمیں ایک ترمیم کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ ایک رکاوٹ ہے۔ میں اپنے سیاسی قیدی بھائیوں کو کہنا چاہتی ہوں کہ آپ کے اور ہمارے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں آسکتی۔ آپ کی آزادی ملک کے لئے بہت ضروری ہے۔ آپ نے ملک کے لئے اپنی آزادی اور خوشیوں کے لئے قربانیاں دی ہیں اور ہم وہ طریقہ ڈھونڈیں گے جس کے مطابق آپ باعزت طریقے سے زنجیریں توڑ کر جیل کے دروازوں سے سربلند کرتے ہوئے باہر آجائیں گے۔ کل سے وزارت قانون عوام کی وزارت قانون ہوگی اور یہ وزارت قانون جلد از جلد چند دنوں کے اندر سیاسی قیدیوں کے بارے میں مثبت فیصلہ کرے گی۔

پاکستان پیپلز پارٹی کا نقطہ نظر یہ ہے کہ حکومت کا فرض ہے کہ جبر اور استحصال سے عوام کو تحفظ فراہم کرے۔ اب کوئی مزدوروں کا استحصال نہیں کر سکے گا، جبری مزدوری اور خرکاری کی اجازت نہیں ہوگی، ہم کم سے کم معاوضے کی موجودہ سطح پر نظر ثانی کریں گے۔ ہم اس بات کے پابند ہیں کہ مزدوروں کے متعلق تمام قاعدے قانون آئی ایل او کے قوانین کے مطابق ہوں، اقلیتیں ہماری مقدس امانت ہیں، ہم عہد کرتے ہیں کہ تمام اقلیتوں کو تحفظ فراہم کیا جائے گا۔

سیلاب کی وجہ سے نقد اجناس کی زرعی پیداوار بہت بری طرح متاثر ہوئی ہے تیس لاکھ ٹن گندم کم پیدا ہوئی ہے، ہماری برآمدات پر بھی اثر پڑا ہے۔ غیر یقینی حالات اور قدرتی آفات سے نہ صرف زرعی شعبہ بلکہ صنعتی پیداوار بھی متاثر ہوئی ہے۔ ہمیں ابھی تک معلوم نہیں کہ سابقہ حکومت نے بھاری بیرونی قرضے لیتے وقت کون سی شرائط قبول کی ہیں، مگر ہم ساتھ ساتھ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب بھی معیشت میں مشکلات پیدا ہوں، ہمارا یہ خیال ہے کہ ملک کے اندر اتنا پیسہ ہے کہ اگر اسے صحیح طریقے سے استعمال کیا جائے آج بھی اور ہر وقت کے لئے ایک جسٹ کاز (منصفانہ موقف) سمجھتے ہیں۔

اس مہینے کے آخر میں ہمارے پڑوسی ملک ہندوستان کے وزیر اعظم پاکستان آرہے ہیں، میں امید کرتی ہوں کہ ہماری منتخب حکومتیں دونوں ممالک کے درمیان کشیدگی کم کرسکیں گی، انصاف اور مساوات کی بنا پر اپنا رشتہ قائم کرسکیں گے۔

ہمیں پاکستان کی خواتین پر فخر ہے انہوں نے بے جگری سے جنگ آزادی میں حصہ

Marfat.com

لیا۔انہوں نے گولیوں کی پرواہ نہیں کی ،وہ اپنے نونہالوں کو لئے جیل میں گئیں لیکن انہوں نے حوصلہ نہیں ہارا۔ہم ایسے تمام قوانین منسوخ کردیں گے جن سے خواتین کی حق تلفی ہوتی ہے،انہیں کام کرنے کا حق حاصل ہوگا۔وہ آزادی سے اپنے لئے روزگار کا انتخاب کرسکیں گی۔انہیں منصفانہ اور سازگار حالات کار مہیا کئے جائیں گے۔مساوی کام کے لئے وہ مساوی معاوضے کی حق دار ہوں گی۔علاوہ ازیں انہیں زچگی کی چھٹی تنخواہ کے ساتھ ملے گی،ہم موجودہ معاشرتی اور اقتصادی حقائق کے تقاضوں کے مطابق خواتین سے متعلق قوانین کی اصلاح کریں گے۔

میرے بھائیو، بزرگو اور ساتھیو!

یہ طویل جدوجہد پارٹی کارکنوں کے لئے عوام کے لئے اور ہماری قوم کے لئے آسان جدوجہد نہیں تھی۔یہ جدوجہد جو جمہوریت کی بحالی کی جدوجہد تھی،عوام کی طاقت سے اپنی منزل تک پہنچی ہے۔پارلیمنٹ کے دروازے جو بند کئے گئے تھے،آئین جس کو ایک کتاب سمجھ کر پھاڑا گیا تھا ان سب باتوں نے ملک کو مشکلات میں مبتلا کردیا تھا۔ہم امید رکھتے ہیں کہ اب وہ وقت ختم ہوچکا ہے،زندگی بہت جلد بدل بھی سکتی ہے،مگر جب زندگی کو بدلنے کے لئے جدوجہد کی جاتی ہے تو کبھی کبھی یوں محسوس ہوتا ہے جیسے جدوجہد بہت وقت لے رہی ہے،اس وقت ہمیں صبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ہم ان گیارہ سالوں میں اپنا حوصلہ بلند رکھنے پر کہتے تھے کہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے،سچائی کے لئے ہم میں سے ہر ایک جدوجہد کرنی چاہئے۔

اگر کل پاکستان پیپلز پارٹی یا مجھ سے کوئی غلطی ہو تو میں اپنے بھائیوں اور بہنوں سے یہ توقع رکھتی ہوں کہ وہ آگے آکر مجھے بتائیں گے،اس لئے کہ نکتہ چینی کے بغیر، بحث کے بغیر، برداشت کے بغیر صحیح پالیسیاں تشکیل نہیں دی جاسکتیں۔جب آپ نے ہمیں یہ اعزاز عطا فرمایا اور میں حلف اٹھانے کے لئے پارلیمنٹ کے اندر گئی تھی تو اس موقع پر جو لوگ جمع ہوئے تھے انہوں نے یہ نعرہ بلند کیا،زندہ ہے بھٹو، بھٹو زندہ ہے،جو بندہ اپنی قوم کی خدمت کرتا ہے،اس چیز کو لوگ کبھی بھولتے نہیں۔یہ پیسہ کیا چیز ہے،یہ رشوت کیا چیز ہے،ہمیں فخر ہے کہ ہم ایک مسلمان ملک میں رہتے ہیں،ہمیں اپنے دین سے طاقت لینی چاہئے اور ہمیں ہمارے بھائیوں اور بہنوں کی خدمت کرنی چاہئے۔

Marfat.com

اگر ہم یہ نہ سوچیں گے کہ حکومت ہمیں کیا دے سکتی ہے بلکہ ہم یہ سمجھیں کہ ہم اپنے آپ کو کیا دے سکتے ہیں، اگر ہم متحد ہو جائیں تو اس سے بہت بہتر صورت حال پیدا ہو سکتی ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی ایک اعلیٰ تربیت یافتہ، ساز وسامان سے لیس اور جذبے سے سرشار دفاعی فوج کو بہت زیادہ اہمیت دیتی ہے، ملک کی علاقائی سلامتی اور اس کا دفاع ہماری نظر میں ایک مقدس امانت ہیں۔

ہمارا عہد ہے کہ ہر شہری کو جدید طبی سہولتیں مہیا کی جائیں گی، اس مقصد کے لئے ہم قومی صحت کا ایک جامع منصوبہ تشکیل دیں گے۔ اس شعبہ میں ہمارے ہمارے منشور میں جو وعدے کئے گئے ہیں، انہیں پورا کرنے کے لئے ہم بہت جلد اپنی پالیسیوں کا اعلان کریں گے۔

تعلیم ایک روشن خیال معاشرے کی بنیاد ہے، ملک میں ناخواندگی کی شرح بہت زیادہ ہے، ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں اپنے نوجوانوں کے لئے روزگار حاصل ہوتا کہ ان کا علم بیروزگاری میں ضائع ہونے کی بجائے ملک وقوم کے لئے مفید ثابت ہو۔ ہماری کوشش ہوگی کہ اعلیٰ تعلیم کا معیار بین الاقوامی سطح تک لایا جائے۔ جتنی جلدی ممکن ہو ہم قومی تعلیمی فنڈ قائم کریں گے۔ کچھ سالوں کے لئے سٹوڈنٹس یونینوں پر پابندی لگائی گئی تھی، آج ہم یونیورسٹیوں یا کالجوں کو دیکھیں تو کتابوں کے ساتھ طلباء کے پاس بندوقیں بھی ہوتی ہیں، یہ ایک آمریت کا اثر ہوا ہے۔ جب قانون کا احترام نہیں کیا گیا تو پھر پورے ملک کے اندر لوگوں نے قانون کا احترام نہیں کیا۔

جب حکومت بندوق کے زور پر چلائی گئی تو ہمارے نوجوانوں میں بھی یہ خیال پیدا ہوا کہ اصل قوت بندوق سے آئی ہے، قانون سے نہیں۔ لہٰذا ہم نے دیکھا ہے کہ ہماری یونیورسٹیوں اور کالجوں میں جہاں ہمارے نوجوان پڑھتے ہیں وہاں ہر وقت وہ صحیح فضا قائم نہیں رہتی، جس سے تعلیم کے دروازے وا رہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سٹوڈنٹس یونینوں پر پابندی لگا دی گئی، جب طلباء کی یونینوں پر پابندی لگتی ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سوچ پر پابندی لگتی ہے برداشت پر پابندی لگتی ہے، ڈیبیٹ (Debate) اور (Disscussion) پر پابندی لگتی ہے، مگر جب سٹوڈنٹس یونینوں پر پابندی لگتی ہے اور طلبہ سیاسی طور پر اپنے مسئلہ کا آغاز کر سکیں اور اپنے مسئلوں کے لئے سیاسی آواز بلند کر سکیں تو اس وقت آہستہ آہستہ بندوقوں پر توجہ کم ہو

Marfat.com

جاتی ہے۔اس لئے پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت فوری طور پر سٹوڈنٹس یونینوں کو بحال کرتی ہے اور ساتھ ساتھ جہاں مزدور یونینوں پر پابندی لگائی گئی ہے وہ بھی پابندی ہٹائی جاتی ہے اور مزدور یونین بھی بحال ہو جاتی ہے۔ جہاں سرکاری ملازموں اور مزدوروں کی سیاسی بنا پر ان سے انتقام لینے کے لئے چھانٹی کی گئی ہے تو ان سب کیسوں پر حکومت نظر ثانی کرے گی اور انشاء اللہ وہاں بھی سب کو انصاف ملے گا۔

ایک کامیاب خارجہ پالیسی پر عمل پیرا ہونے کے لئے ضروری ہے کہ قوم کے سامنے کوئی واضح نصب العین ہو اور پوری قوم متفقہ طور پر اس کے حق میں ہو، ہم انصاف اور حقوق کی یکساں پاسداری کی بنیاد پر علاقائی امن کے خواہاں ہیں۔ ہم امریکہ سے اپنے تعلقات کو مضبوط کرنا چاہتے ہیں، ہم سوویت یونین سے اپنے تعلقات کو مضبوط کرنا چاہتے ہیں، ہم چین سے اپنی روائتی دوستی کو مزید آگے بڑھائیں گے، ہم اپنے اسلامی ورثے کا احساس کرتے ہیں اور ہم تیسری دنیا کے مفادات اور حقوق کی حمایت کریں گے۔ ہم اپنے فلسطینی بھائیوں کے مقصد کو جسے ہم بھی اپنا مقصد سمجھتے رہے ہیں، اب بھی ہم ان کے ساتھ ہیں۔ جب ہم اپنے مقاصد آگے رکھیں، عوام کو آگے رکھیں تو کوئی طاقت ہمیں روک نہیں سکتی۔

میں آپ کی بہن ہوں، میں آپ کے ساتھ ہوں، ہر وقت آپ کے ساتھ رہوں گی، یہ اقتدار کوئی بڑی چیز نہیں، سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ عوام کی آنکھوں میں عزت ہو، پیپلز پارٹی اور میں یہ کوشش کریں گے کہ ہم آپ کی خدمت کر سکیں اور یہ کہ آپ کی آنکھوں میں ہمارے لئے ہر وقت عزت رہے، آخر میں صدر غلام اسحٰق خان اور اپنی مسلح افواج کے سربراہوں کو بھی سلام پیش کرنا چاہتی ہوں کہ 17 اگست کے واقعہ کے بعد انہوں نے جمہوریت کی بحالی کے لئے اپنی پوری قوت استعمال کی اور جب جمہوریت کے دشمنوں نے یہ کوشش کی کہ انتخابات ملتوی ہو جائیں تو انہوں نے تمام دباؤ کے باوجود ملک کو جمہوریت کی منزل تک پہنچایا۔ اب ہم سب کا یہ کام ہے کہ جو پاکستان میں رہتے ہیں، جو اس ملک سے محبت کرتے ہیں کہ ہم اکٹھے کام کریں اور یہ کوشش کریں کہ ہمارے ملک میں ہر ایک کو عزت نفس کی زندگی کا موقع ملے۔

☆☆☆

Marfat.com

بے نظیر حکومت کے خلاف سازشیں

2 دسمبر 1988ء کو محترمہ بے نظیر بھٹو نے پاکستان کی گیارھویں وزیراعظم کی حیثیت سے حلف اٹھایا تو یہ ایک تاریخی لمحہ تھا جب ملک گیارہ سالہ طویل آمریت کی آہنی زنجیریں توڑ کر ایک نئے جمہوری دور میں داخل ہو رہا تھا۔

بے نظیر بھٹو کے حکومت سنبھالنے کے بعد صورت حال اس تیزی کے ساتھ بدلی کہ 15 دسمبر 1988ء کو ہی بلوچستان اسمبلی توڑنے کی نوبت آ گئی۔ بے نظیر بھٹو نے اسمبلی توڑنے کے عمل میں کوئی کردار ادا نہیں کیا کیوں کہ یہ بلوچستان کا اندرونی معاملہ تھا۔ بلوچستان کے وزیراعلیٰ میر ظفر اللہ خان جمالی جو بے نظیر بھٹو کی حمایت سے وزیراعلیٰ بنے تھے جب انہیں اپنا اقتدار خطرے میں نظر آیا تو انہوں نے گورنر بلوچستان موسیٰ خان کو اسمبلی توڑنے کا مشورہ دے دیا۔

بے نظیر بھٹو کا خیال تھا کہ صوبے میں نئے انتخابات کے نتیجے میں وہ ایک مرتبہ پھر حکومت بنانے میں کامیاب ہو جائیں گی لیکن جب اسمبلی بحال ہوئی تو بلوچستان صوبہ پیپلز پارٹی کے ہاتھ سے نکل چکا تھا اور وہاں پر اسلامی جمہوری اتحاد کی حکومت قائم ہو گئی۔ میاں نواز شریف جو سب سے بڑے صوبے پنجاب کے وزیراعلیٰ تھے انہیں صوبہ بلوچستان کی حمایت بھی مل گئی دوسری طرف بدقسمتی سے بے نظیر بھٹو کی حکومت کے ساتھ ایک طرف تو سرحد سے ولی خان اور سندھ سے الطاف حسین ان سے ناراض ہو گئے اور دوسری طرف پنجاب کے وزیراعلیٰ نے بھی محاذ آرائی کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دیا۔

بے نظیر بھٹو نے سرحد میں مخلوط حکومت بناتے وقت ولی خان سے وعدہ کیا تھا کہ صوبے میں وزیراعلیٰ پی پی پی کا ہوگا اور گورنر اے این پی سے لیا جائے گا اس انڈرسٹینڈنگ کی وجہ سے ہی ولی خان نے قومی اسمبلی میں بے نظیر بھٹو کی حمایت کی تھی لیکن بعد میں حالات نے نیا رخ اختیار کر لیا

Marfat.com

اور اس نئی صورت حال میں محترمہ بے نظیر بھٹو اے این پی کے نامزد کردہ عبدالخالق کو گورنر کے عہدے پر تعینات کرنے پر رضامند نہ ہوئیں جس کی وجہ سے نواز شریف کو سرحد میں صورت حال کو اپنے حق میں بدلنے کا موقع مل گیا لیکن بے نظیر نے بھی ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اسلامی جمہوری اتحاد میں بغاوت کروا کر اس کے دس ارکان کا ڈیموکریٹ گروپ بنا کر سرحد حکومت میں شامل کر لیا۔

سرحد میں بظاہر یہ بہت بڑی کامیابی تھی لیکن دوسری طرف بلوچستان میں ابھی تک میر ظفر اللہ جمالی نگران وزیر اعلیٰ تھے لیکن ابھی تک 19 جنوری 1989ء کی کامیابی کا جشن منایا جارہا تھا کہ 22 جنوری کو ہائی کورٹ نے بلوچستان اسمبلی بحال کر دی اور میر ظفر اللہ جمالی کو مستعفی ہونا پڑا۔ اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلامی جمہوری اتحاد نے بلوچستان نیشنل الائنس اور جے یو آئی کے ساتھ اتحاد کر کے بلوچستان میں نواب اکبر بگٹی کو وزیر اعلیٰ بنا دیا۔

اب میاں نواز شریف جو بظاہر ایک صوبے کے وزیر اعلیٰ تھے لیکن وہ ملکی سیاست میں پیش پیش اور قومی سطح پر ابھرنا شروع ہوئے اور 11 فروری 1989ء کو اسلامی جمہوری اتحاد کے صدر بن گئے۔ یہ بری خبر محترمہ بے نظیر بھٹو کو چین کے سرکاری دورے کے دوران ملی لیکن اس سے بھی بری خبر انہیں اگلے روز ملی جب مولانا کوثر نیازی نے فضل الرحمٰن اور دیگر مذہبی رہنماؤں کے ساتھ مل کر توہین رسالت کے مرتکب سلمان رشدی کی شیطانی کتاب کے خلاف اسلام آباد میں ایک زبردست مظاہرے کا اہتمام کیا۔ مظاہرین امریکی سفارتخانے کے سامنے جا کر اپنے غم و غصے کا اظہار کرنا چاہتے تھے لیکن پولیس سے تصادم ہو گیا اور یہ جھگڑا اس قدر بڑھا کہ فوج طلب کرنی پڑی۔ فروری 1989ء کا مہینہ بے نظیر بھٹو کے لئے کافی مشکلات لے کر آیا کیوں کہ اس مہینے میں پورے ملک میں افراتفری عروج پر تھی۔

پنجاب کے ساتھ محاذ آرائی بھی اس وقت شدت اختیار کر گئی جب سردار فاروق لغاری کے اصرار پر محترمہ بے نظیر بھٹو نے بیان دیا کہ ''اگر نواز شریف کے ساتھ کوئی شخص بغاوت کرے گا تو ہم اس پر اعتراض نہیں کریں گے۔'' اس کی وجہ یہ تھی کہ مخدوم الطاف فاروق لغاری کے دوست تھے اور وہ انہیں پنجاب کا وزیر اعلیٰ دیکھنا چاہتے تھے۔ حالانکہ مخدوم الطاف مسلم لیگ میں شامل تھے لیکن وہ میاں نواز شریف سے ناراض تھے۔ چنانچہ انہوں نے میاں نواز شریف کے خلاف تحریک

Marfat.com

عدم اعتماد لانے کے لئے کوششیں شروع تیز کر دیں۔

پیپلز پارٹی پنجاب نے 6 مارچ 1989ء کو پنجاب اسمبلی کا اجلاس بلانے کے لئے سپیکر میاں منظور وٹو کو درخواست دی اس درخواست پر 80 ارکان کے دستخط تھے مسلم لیگی لیڈروں نے واویلا کرنا شروع کر دیا کہ نواز شریف کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک منظور کرانے کے لئے بینظیر بھٹو نے خزانے کا منہ کھول دیا ہے۔ دوسری طرف میاں نواز شریف نے پنجاب سپیشل برانچ کے سربراہ چوہدری سردار کی ضروریات کے لئے بھی بڑھ چڑھ کر فنڈز فراہم کرنے کا سلسلہ تیز کر دیا۔ میاں نواز شریف نے الزام عائد کیا کہ ''بریف کیس گروپ'' نے لاہور میں ڈیرے ڈال دیئے ہیں اور ارکان اسمبلی کو بھیڑ بکریوں کی طرح خریدا جا رہا ہے۔

میاں نواز شریف کی درخواست پر جنرل مرزا اسلم بیگ اور صدر اسحاق خان نے 6 مارچ 1989ء کو بے نظیر بھٹو کو ایوان صدر طلب کر لیا بے نظیر بھٹو جانتی تھیں کہ وہ انہیں کیا کہنے والے ہیں اور وہ ہر قسم کی صورت حال کا سامنا کرنے کو تیار تھیں کیوں کہ حالات و واقعات نے ثابت کر دیا تھا کہ پنجاب کے بغیر مرکز میں حکومت چلانا کافی دشوار کام ہے۔ الغرض غلام اسحاق خان نے بے نظیر بھٹو سے کہا کہ ان کی پارٹی سے تعلق رکھنے والے ارکان اسمبلی ہارس ٹریڈنگ میں ملوث ہو رہے ہیں اور وفاقی وزراء لاہور میں سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ بے نظیر بھٹو نے اپنی پوزیشن واضح کرتے ہوئے کہا کہ ''میری جماعت کا کوئی رکن وزارت اعلیٰ کا امیدوار نہیں ہے'' بے نظیر کا استدلال تھا کہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ کے منفی رویئے کے باعث انہیں نواز شریف کے مخالفین کی حمایت کا فیصلہ کرنا پڑا۔ جنرل مرزا اسلم بیگ نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ پنجاب حکومت کے خلاف کسی قسم کی سرگرمیوں سے باز رہیں اور اس کے بدلے وہ کوشش کریں گے کہ اسلامی جمہوری اتحاد کی قیادت مرکز میں ان کے ساتھ تعاون کرے۔ اس روز دو ڈھائی گھنٹے ایوان صدر میں بحث مباحثہ کرنا پڑا تاہم اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نواز شریف اور غلام مصطفیٰ جتوئی کی طرف سے ہونے والی مرکزی حکومت کے خلاف ہونے والی سازشیں وقتی طور پر تھم گئیں۔

مرکز اور پنجاب کے درمیان محاذ آرائی کا سلسلہ ایک مرتبہ پھر شدت اختیار کر گیا جب میاں نواز شریف نے 64 ارکان اسمبلی کے دستخطوں کے ساتھ بے نظیر بھٹو کے خلاف تحریک عدم

Marfat.com

اعتماد پیش کرنے کی غرض سے قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کر لیا انہی دنوں فلسطینی رہنما یاسر عرفات پاکستان آئے وہ بھٹو شہید کے گہرے دوست تھے اور پاکستان کی صورت حال سے بخوبی واقف تھے چنانچہ انہوں نے جنرل مرزا اسلم بیگ اور غلام اسحاق خان سے ملاقات کر کے اس خواہش کا اظہار کیا کہ بے نظیر کے خلاف ہونے والی سازشوں کا قلع قمع کیا جائے۔ اسی طرح دبئی کے فرمانروا شیخ زید بن سلطان نے بھی صدر اسحاق خان کو اسی قسم کا پیغام بھیجا۔

بے نظیر بھٹو کی مشکل یہ تھی کہ قومی اسمبلی میں پاکستان پیپلز پارٹی کو صرف سادہ اکثریت حاصل تھی اور حکومت مہاجر قومی موومنٹ کے ایک معاہدے کے تحت اور فاٹا کے ممبران کے تعاون سے تشکیل پائی تھی جبکہ دوسری طرف دائیں بازو کی چھوٹی چھوٹی جماعتوں کا اتحاد تھا جو بھٹو دشمنی کے تحت وجود میں آیا تھا ان میں وہ جماعتیں بھی تھیں جو عورت کی سربراہی کو تسلیم کرنے پر تیار نہ تھیں اور وہ بھی تھیں جو ضیاء ازم کے سائے تلے پروان چڑھی تھیں اور ماضی میں مارشل لاء کو تقویت دینے کا باعث رہی تھیں۔ یہ سب جماعتیں مل کر بے نظیر حکومت گرانے میں مصروف تھیں اور انہیں جنرل ضیاء الحق کے ایک دست راست صدر غلام اسحاق خان کی پشت پناہی حاصل تھی۔

بے نظیر بھٹو کے خلاف ہونے والی سازشوں کو قلع قمع تو نہ ہو سکا تاہم بے نظیر حکومت کی صدر اسحٰق خان کے ساتھ ایک نئی محاذ آرائی نے جنم لیا وفاقی حکومت نے ججوں کی تعیناتی کے حوالے سے سپریم کورٹ میں موقف اختیار کیا کہ صدر کے مقرر کردہ جج حضرات فارغ ہو گئے ہیں اور ججوں کی تعیناتی وزیراعظم کا صوابدیدی اختیار ہے۔ جس پر غلام اسحٰق خان نے بے نظیر کو ججوں کی تعیناتی کے سلسلے میں ہونے والے تنازعے کے حوالے سے 12 مارچ 1989ء کو ایوان صدر میں طلب کیا اور سمجھایا کہ ججوں کی تعیناتی صدر کا حق ہے جس پر بے نظیر بھٹو نے غلام اسحٰق خان کے ساتھ جنگ کا فیصلہ ترک کر دیا کیوں کہ وہ جانتی تھیں کہ ملک میں طاقت کے مراکز صدر اور فوج ہیں اور ملک میں وہی ہوگا جو غلام اسحاق خان اور مرزا اسلم بیگ چاہیں گے۔

بے نظیر کی طرف سے ججوں کی تعیناتی کے مسئلے پر پسپائی کے نتیجے میں غلام اسحٰق خان نے میاں نواز شریف اور بے نظیر بھٹو کے درمیان سیز فائر کرانے میں اہم کردار ادا کیا لیکن بے نظیر بھٹو نہیں جانتی تھیں کہ غلام اسحٰق خان نے اسلامی جمہوری اتحاد کی قیادت کو مشورہ دیا ہے کہ وہ

Marfat.com

مناسب وقت آنے پر بھرپور تیاری کے بعد بے نظیر پرواز کریں۔

محترمہ بے نظیر بھٹو اپنے دور اقتدار میں بہت کم لاہور کے دورے پر آئیں کیوں کہ جب وہ لاہور دورے پر آتیں تو میاں نواز شریف بطور وزیراعلیٰ ان کا استقبال کرنے سے بچنے کے لئے لاہور سے باہر چلے جاتے لیکن اب غلام اسحٰق خان نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ لاہور آئیں تو وہ انہیں وزیراعظم کا پروٹوکول فراہم کریں چنانچہ جب 14 مارچ 1989ء کو بے نظیر بھٹو لاہور کے دورے پر آئیں تو میاں نواز شریف نے ان کا استقبال کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بے نظیر بھٹو کے کہنے پر پنجاب پیپلز پارٹی نے میاں منظور احمد وٹو کے خلاف تحریک عدم اعتماد واپس لے لی اور بے نظیر بھٹو نے کہا: ''ہم نے یہ فیصلہ جذبہ خیر سگالی کے طور پر کیا ہے'' دوسری طرف سردار فاروق احمد خان لغاری نے جو اس وقت وفاقی وزیر بجلی و پانی تھے نے یہ کہہ کر کئے کرائے پر پانی پھیر دیا کہ: ''نواز شریف کے خلاف معرکہ ختم نہیں ہوا بلکہ اب شروع ہوا ہے۔''

میاں نواز شریف چاہتے تھے کہ بے نظیر بھٹو ترقیاتی فنڈز پنجاب حکومت کے حوالے کریں تاکہ مسلم لیگی قیادت صوبے میں ترقیاتی منصوبے مکمل کرے لیکن بے نظیر بھٹو نے پیپلز ورکس پروگرام کے تحت یہ فنڈز پیپلز پارٹی کی صوبائی قیادت کے سپرد کرنے کا اعلان کر دیا جس پر میاں نواز شریف نے شدید احتجاج کیا جس پر بے نظیر بھٹو نے اس مسئلہ پر بات کرنے کے لئے 22 مارچ کو میاں نواز شریف کو کھانے کی دعوت دے دی۔ دونوں رہنماؤں کے پاس یہ بہترین موقع تھا کہ وہ ایک دوسرے کو سمجھ کر بہتر فیصلے کر سکتے تھے۔

دوسری طرف امریکہ نے بے نظیر بھٹو پر دباؤ بڑھا دیا کہ وہ منشیات کے خلاف بڑے پیمانے پر اپریشن شروع کریں چنانچہ بے نظیر بھٹو نے 25 اپریل 1989ء کو وزیر داخلہ اعتزاز احسن کو منشیات فروشوں کے خلاف اپریشن کی تیاری کرنے کا حکم دیا جس کا بے نظیر حکومت کو نقصان ہوا وہ اس طرح کہ سرحد کے تعلق رکھنے والے منشیات کے سمگلروں نے بے نظیر حکومت کے خلاف روپیہ پانی کی طرح بہانا شروع کر دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ 27 اپریل کو سرحد کے اے این پی سے تعلق رکھنے والے وزراء نے صوبائی کابینہ سے استعفیٰ دے دیا۔ ادھر حیدرآباد میں انتظامیہ نے ایم کیو ایم کے سربراہ الطاف حسین کو ایک سینئر رہنما سمیت تین گھنٹے تک ایک مکان میں قید کئے رکھا

Marfat.com

جس پر الطاف حسین نے بے نظیر کو دھمکی دی کہ اگر انہوں نے حیدر آباد انتظامیہ کو فوری طور پر برطرف نہ کیا تو ان کے ارکان سندھ کابینہ سے مستعفی ہو جائیں گے۔ لیکن کور کمانڈر جنرل آصف نواز اس حق میں نہ تھے کہ ایم کیو ایم کی دھمکی پر حیدر آباد کی انتظامیہ کو برطرف کر دیا جائے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ الطاف حسین نے سندھ کابینہ میں موجود تین وزراء کے استعفیٰ سندھ اسمبلی کے سپیکر کو بھجوا دیئے۔ میاں نواز شریف چاہتے تھے کہ الطاف حسین مرکز میں بھی بے نظیر کے ساتھ عدم تعاون کا اعلان کریں لیکن ایم کیو ایم کی مرکزی قیادت نے کافی غور خوض کے بعد اعلان کیا کہ ''ایم کیو ایم فی الحال وفاقی سطح پر پی پی پی کی حمایت جاری رکھے گی۔''

بے نظیر بھٹو کی امریکی صدر بش کے ساتھ 5 جون 1989ء کو ملاقات طے تھی اور پاکستان نے اس ملاقات کو کامیاب بنانے کے لئے اعلیٰ سطح پر کوششوں کا آغاز کر دیا تھا۔ بے نظیر امریکہ جا کر ثابت کرنا چاہتی تھیں کہ پاکستان میں انسانی حقوق کا بہت خیال رکھا جاتا ہے اور یہ کہ پاکستان منشیات کے خلاف جہاد میں امریکہ کے ساتھ تعاون کر رہا ہے، پاکستان دہشت گردی کے خلاف امریکہ اور بھارت سمیت دوسرے ممالک کے ساتھ تعاون کر رہا ہے۔ پاکستان ایٹمی ہتھیاروں کے پھیلاؤ کے بھی خلاف ہے اور یہ کہ پاکستان افغانستان کے مسئلے کا فوری حل چاہتا ہے۔ اپنی ان باتوں میں وزن پیدا کرنے کے لئے بے نظیر بھٹو نے ملک کے سب سے بڑے سمگلر حاجی اقبال بیگ کو گرفتار کر کے امریکہ کے حوالے کر دیا اور بھارت کے ساتھ بھی بہتر تعلقات کار قائم کرنے کے لئے بعض اقدامات کئے۔

جنرل مرزا اسلم بیگ نے فوج کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے 20 مئی 1989ء کو دفاعی بجٹ بے نظیر بھٹو کے حوالے کیا جیسا کہ ماضی میں ہوتا رہا تھا بے نظیر بھٹو سے یہ توقع کی جا رہی تھی کہ وہ بغیر کسی رکاوٹ کے بجٹ منظور کر لیں گی لیکن ایسا کرتے ہوئے انہوں نے پس و پیش سے کام لیا اور 22 مئی کو ضیاء الحق کے پانچ مکانات کی خبر خبرنامے میں چلوا دی۔ بے نظیر بھٹو نے اقتدار حاصل کرنے سے قبل جنرل مرزا اسلم بیگ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ضیاء الحق کے خاندان کے خلاف انتقامی کارروائی نہیں کریں گی چنانچہ ضیاء الحق کے پانچ بنگلوں کی خبر ٹی وی پر چلنے کا فوج نے برا منایا۔ 23 مئی کو جنرل مرزا اسلم بیگ کو اطلاع ملی کہ بے نظیر بھٹو آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر

Marfat.com

جنرل کی تعیناتی اپنی مرضی سے کرنا چاہتی ہیں تاہم انہوں نے بوجہ بے نظیر بھٹو کے اس اقدام کی مخالفت نہ کی۔

اسی دوران اسلامی جمہوری اتحاد کی قیادت نے کراچی اور لاہور میں الطاف حسین کے ساتھ معاہدہ کرنے کی کوششیں تیز کردیں تاہم بے نظیر بھٹو نے اپنے دو وفاقی وزراء کو ذمہ داری سونپی کہ وہ الطاف حسین کے ساتھ مذاکرات کریں چنانچہ مذاکرات کے نتیجے میں بے نظیر کے لئے مشکلات کا سلسلہ وقتی طور پر رک گیا۔ دوسری طرف اپوزیشن نے غلام اسحٰق خان اور مرزا اسلم بیگ کے ساتھ معاملات طے کرنے کے بعد یکم جون کو غلام مصطفیٰ جتوئی کو متحدہ اپوزیشن کا سربراہ بنا دیا۔ بے نظیر بھٹو جب 5 جون کو امریکی صدر بش کے ساتھ مذاکرات میں مصروف تھیں پاکستان میں متحدہ اپوزیشن اتحاد حکومت کے خلاف فیصلہ کن وار کرنے کے منصوبے بنا رہا تھا۔

محترمہ بے نظیر بھٹو نے 28 جون کو جی ایچ کیو جا کر جنرل مرزا اسلم بیگ سے ملاقات کی اور کہا کہ نواز شریف اور جتوئی فوج کی حمایت کا دعویٰ کر کے سیاستدانوں کو ان کے خلاف بغاوت پر اکسا رہے ہیں۔ جنرل مرزا اسلم بیگ نے بے نظیر بھٹو کو مشورہ دیا کہ وہ اپوزیشن کو وفاقی کابینہ میں شامل کریں اور پنجاب کابینہ میں پی پی پی کے نمائندوں کو شامل کیا جائے اس طرح پنجاب مرکز محاذ آرائی ختم ہوجائے گی۔ بے نظیر بھٹو نے اس تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے اپوزیشن کو وفاقی حکومت میں شامل ہونے کی دعوت دی جبکہ پنجاب میں قائد حزب اختلاف رانا شوکت محمود نے 29 جون کو نواز شریف اور ان کے ساتھیوں کو اپنی رہائش گاہ پر کھانے پر بلا لیا۔ اس طرح کئی ماہ سے جاری محاذ آرائی کا خاتمہ ہونے کا امکان پیدا ہوگیا تھا لیکن مخدوم الطاف نے مقصود لغاری اور طاہرہ خان کی مدد سے پنجاب اسمبلی میں اسلامی جمہوری اتحاد کا فارورڈ بلاک قائم کرلیا جس کے پیچھے سردار فاروق لغاری کا ہاتھ تھا۔ اس طرح نواز شریف اور بے نظیر کے درمیان جاری محاذ آرائی ختم ہونے کے بجائے مزید شدت اختیار کرگئی۔

☆☆☆

Marfat.com

بے نظیر فوج تعلقات

جنرل محمد ضیاء الحق فوج کے سربراہ بھی تھے اور ملک کے صدر بھی چنانچہ ان کی اچانک وفات کے بعد دونوں اہم عہدے خالی ہو گئے۔ جنرل مرزا اسلم بیگ چاہتے تو ان دونوں عہدوں پر قابض ہو سکتے تھے ان کا راستہ روکنے والا کوئی نہیں تھا لیکن انہوں نے ملکی حالات کے پیش نظر صرف آرمی چیف بننے پر اکتفا کر لیا اور 1988ء میں عام انتخابات کروا کر ملک میں جمہوریت کی گاڑی کو پٹری پر چڑھا دیا۔ تاہم بے نظیر بھٹو کو حکومت حوالے کرنے سے پہلے ان سے بعض وعدے لئے گئے۔ جب بے نظیر بھٹو ملک کی وزیر اعظم بنیں تو راجیو گاندھی نے بڑی محبت اور خلوص دل سے انہیں مبارکباد کا پیغام بھیجا جس سے فوجی قیادت اور غلام اسحٰق خان شکوک و شبہات میں مبتلا ہو گئے۔ چنانچہ بے نظیر بھٹو کے وزیر اعظم بننے کے بعد آئی ایس آئی اور ملٹری انٹیلی جنس کو خصوصی طور پر ہدایت کی گئی کہ وہ بے نظیر بھٹو اور ان کے ساتھیوں کے بھارتی سفارت کاروں کے ساتھ روابط پر کڑی نظر رکھیں۔ بے نظیر بھٹو کی طرف سے ان افسروں کی مراعات بحال کرنے پر بھی اختلاف تھا جو سیاسی جلاوطنی کے بعد وطن واپس آئے تھے لیکن فوج انہیں منحرفین خیال کرتی تھی۔

جون 1989ء میں بے نظیر بھٹو کو خبر ہو چکی تھی کہ فوج کا سربراہ ان کی حکومت کے خلاف ہونے والی سازشوں میں شریک ہے چنانچہ بے نظیر بھٹو نے اس سازشوں کا مقابلہ کرنے پی پی کے ناراض ہونے والے ارکان جو ترقیاتی فنڈز نہ ملنے کی وجہ سے ناراض تھے سرکاری خزانے سے وسائل فراہم کرنا شروع کر دیئے اور پاکستان میں مارشل لاء کا راستہ روکنے کے لئے پی پی پی پنجاب سے تعلق رکھنے والے پنجاب اسمبلی کے ارکان اسمبلی سے کہا کہ وہ پنجاب اسمبلی میں مارشل لاء کے خلاف ایک قرارداد پاس کرائیں۔

چنانچہ جب یہ قرارداد پاس ہوئی تو پنجاب حکومت نے بھی حق میں ووٹ دیا۔ اس کی

Marfat.com

وجہ یہ تھی کہ اسمبلی میں بیٹھا ہوا کوئی بھی گروپ یہ نہیں چاہتا تھا کہ پھر ملک میں مارشل لاء لگ جائے اور انہیں اسمبلیوں سے رخصت کر دیا جائے۔ جنرل مرزا اسلم بیگ کو جب اس کی اطلاع ملی تو وہ مسکرا کر رہ گئے اور میاں نواز شریف جو فوج کی اعلیٰ قیادت کے رابطے میں تھے انہوں نے وزیراعلیٰ ہاؤس میں اپنے ساتھیوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا: بے نظیر کو تو مارشل لاء لگائے بغیر بھی رخصت کیا جا سکتا ہے شائد وہ یہ سمجھتے تھے کہ کسی طرح ارکان اسمبلی کو اپنے ساتھ ملا کر بے نظیر بھٹو کے خلاف تحریک عدم اعتماد لائی جا سکتی ہے۔

فوجی حلقوں کو بے نظیر بھٹو کے اس فیصلے سے بھی شدید دھچکا جب انہوں نے جنرل حمید گل کو آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر کے عہدے سے فارغ کر کے شمس الرحمٰن کلو کو آئی ایس آئی کا سربراہ مقرر کر دیا۔ اس موقع پر جنرل مرزا اسلم بیگ کے الفاظ اس طرح تھے: ''مجھے اس فیصلے سے اختلاف ہے، لیکن بہر حال یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔'' بے نظیر بھٹو لیفٹیننٹ جنرل محمود عالم کو جو لاہور کے کور کمانڈر تھے ترقی دے کر ڈپٹی چیف آف آرمی سٹاف بنانا چاہتی تھیں لیکن غلام اسحاق خان نے ان کی مدت ملازمت میں توسیع دینے سے انکار کر دیا۔

بے نظیر بھٹو اور فوج کے درمیان محاذ آرائی کا آغاز اس وقت شدید ہو گیا جب 16 جولائی 1989ء کو بھارت کے وزیراعظم راجیو گاندھی نے سارک کانفرنس کے موقع پر پاکستان کا دورہ کیا۔ اس کانفرنس میں جنوبی ایشیا کے خطے میں واقع ممالک کے سربراہان مملکت و حکومت نے شرکت کی۔ آئی ایس آئی راجیو گاندھی کے سیکورٹی انتظامات اپنے ذمہ لینا چاہتی تھی لیکن راجیو گاندھی آئی ایس آئی سے خوفزدہ تھے کیوں کہ اس سے ان کی کوئی بھی سرگرمی خفیہ نہ رہ پاتی چنانچہ انہوں نے اصرار کیا کہ ان کی حفاظت کے انتظامات ان کا اپنا عملہ کرے گا۔

چنانچہ جب وہ اسلام آباد ائیر پورٹ پر اترے تو سیکورٹی کا کنٹرول بھارتی کمانڈوز کے ہاتھ میں تھا اور اس میں پاکستانی حکام کا کوئی کردار نہیں تھا۔ پاکستان کے حساس اداروں نے بے نظیر بھٹو اور راجیو گاندھی کے درمیان ہونے والے مذاکرات کی تفصیلات سے فوج کے سربراہ اور صدر کو آگاہ کر دیا۔ یہ مذاکرات فوجی قیادت اور غلام اسحٰق خان کی ترتیب دی ہوئی خارجہ پالیسی کے خدوخال سے متصادم تھے تاہم اس کانفرنس کے نتیجے میں علاقے کے دو بڑے اور عالمی

Marfat.com

سیاست کے حوالے سے اہم ملک پاکستان اور بھارت کے درمیان کشیدگی کو ختم کرنے میں مدد ملی۔ وزیراعظم پاکستان محترمہ بے نظیر بھٹو اور بھارتی وزیراعظم راجیو گاندھی کے درمیان ہونے والے مذاکرات کے نتیجے میں دونوں ممالک نے نہ صرف مختلف معاہدوں پر دستخط کئے بلکہ ایک دوسرے کے لئے خیر سگالی کا بھی برملا اظہار کیا اس طرح دونوں ممالک کو باہمی تنازعات سے نجات پا کر اپنے عوام کی فلاح و بہبود کے منصوبوں پر زیادہ توجہ مرکوز کرنے کے مواقع میسر آئے۔

اس کے بعد 30 دسمبر 1989ء کو راجیو گاندھی اور بے نظیر بھٹو نے مشترکہ پریس کانفرنس میں تجویز کیا کہ دونوں ممالک اپنے فوجی اخراجات کم کرلیں اور اپنے بجٹ کی کثیر رقم جنگی اور دفاعی ساز و سامان کی خریداری پر خرچ کرنے کے بجائے اپنے عوام کی بنیادی سہولتوں کی فراہمی پر خرچ کریں اور اپنے ملک سے بیماری، غربت و افلاس اور جہالت کے خاتمے کے لئے جدوجہد کریں۔ یہ تجویز بھی فوجی قیادت کو پسند نہیں آئی جس کے بعد بے نظیر حکومت کے خلاف بڑے پیمانے پر کاروائی کی اجازت دے دی گئی۔

پہلے مرحلے میں جنرل فضل حق، ارباب جہانگیر اور بیگم نسیم ولی خان سمیت 25 ارکان اسمبلی کو لاہور بھیج دیا گیا جہاں انہوں نے چوہدری شجاعت حسین کی رہائش گاہ پر اہم مذاکرات کئے اور سرحد کے وزیراعلیٰ آفتاب شیر پاؤ کی حکومت گرانے کے لئے منصوبہ بنایا گیا۔ جنرل فضل حق کا مسئلہ یہ تھا کہ امریکی حکومت نے حکومت پاکستان کو بڑے بڑے سمگلروں کی گرفتاری کے لئے ایک فہرست بھجوا رکھی تھی اور جنرل فضل حق کا نام بھی ان سمگلروں میں شامل تھا۔ میاں نواز شریف چاہتے تھے کہ بے نظیر بھٹو امریکہ کی خوشنودی کی خاطر جنرل فضل حق کو گرفتار نہ کریں اس مقصد کے لئے انہوں نے 2 جولائی کو بے نظیر بھٹو کی لاہور آمد پر ان کا استقبال بھی کیا لیکن بے نظیر بھٹو نے اسی روز جنرل فضل حق اور حاجی اقبال بیگ کی گرفتاری کا حکم دے دیا چنانچہ جنرل فضل حق کو 22 جولائی اور اقبال بیگ کو 26 جولائی کو گرفتار کرلیا گیا۔

اس کے جواب میں نواب اکبر بگٹی نے جو بلوچستان کے وزیراعلیٰ تھے میاں نواز شریف سے مشورہ کرنے کے بعد بلوچستان میں جاری پیپلز ورکس پروگرام کے تحت شروع کئے جانے والے ترقیاتی کاموں کو روک دیا اور اس پروگرام کے تحت شروع ہونے والے منصوبوں کا ناکام

Marfat.com

بنانے کے لئے محکمہ بلدیات اور پولیس کے ذریعے تعمیراتی سامان اٹھوادیا اور اس کے ساتھ ہی مرکز کی طرف سے پنجاب میں بھیجے جانے والے بیوروکریٹس کو بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا گیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر بے نظیر بھٹو نے صدر غلام اسحٰق خان اور جنرل مرزا اسلم بیگ سے رابطہ کیا لیکن فوجی سربراہ بے نظیر بھٹو کی مدد کرنے کو تیار نہ تھے اور دوسری طرف ڈرگ مافیا نے بھی بے نظیر بھٹو سے جان چھڑانے کے لئے اپنی کوششیں تیز کر دیں چنانچہ بے نظیر بھٹو کی حکومت کے خلاف تحریک چلانے کے لئے اپوزیشن کو فنڈز کی کمی کا احساس نہیں ہونے دیا گیا۔ پنجاب اور بلوچستان کی حکومتیں پہلے ہی اسلامی جمہوری اتحاد کے ساتھ تھیں، سندھ کے لئے میاں نواز شریف الطاف حسین کے ساتھ مذاکرات میں مصروف تھے اور سرحد حکومت کو گرانے کے لئے کوشش ہو رہی تھی۔

> اپنے امیج کی بہتری کے ساتھ ساتھ فوج نے پی پی پی کی مقبول عام حیثیت کو کرپشن کی ان کہانیوں کے ذریعے گرانا شروع کر دیا جو زیادہ تر پی پی پی کے اپنے ہی آدمیوں کے ذریعے سے حاصل ہوتی تھیں اور اس طرح جلد ہی کرپشن پورے ملک میں سب سے زیادہ قابل بحث موضوع بن گیا۔ فوج کے اس کام میں پی پی پی کے ان رہنماؤں نے پورا پورا تعاون کیا جو اگرچہ پی پی پی میں تاخیر سے آئے تھے لیکن اس کے اصل نمائندے بن بیٹھے تھے۔ (اسمبلیاں احتساب اور عدلیہ)

بے نظیر بھٹو نے 1985ء کے انتخابات کے نتیجے میں بننے والی سینٹ کو غیر قانونی قرار دے کر عدالت میں چیلنج کر رکھا تھا، اس جلتی پر تیل کا کام افتخار گیلانی کے اس بیان نے کیا کہ ''بے نظیر بھٹو جب چاہیں افتخار سرو ہی کو تبدیل کر سکتی ہیں۔'' 18 اگست کو لاہور ہائی کورٹ نے سینٹ کی تشکیل کو آئینی قرار دے دیا جس کے بعد اسلامی جمہوری اتحاد نے بے نظیر بھٹو کے خلاف تحریک عدم اعتماد لانے کا فیصلہ کر لیا۔ جس اجلاس میں یہ فیصلہ ہوا اس کی تفصیلات اور خاص طور پر تحریک عدم اعتماد کے فیصلے کو رازداری میں رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔

بے نظیر بھٹو اہم معاملات سے آگاہ رہنے کے لئے جنرل حمید گل کی جگہ پر شمس الرحمٰن کلو کو آئی ایس آئی کا سربراہ بنا چکی تھیں لیکن ماتحت عملے کے عدم تعاون کی وجہ سے وہ بے نظیر بھٹو کو اہم

Marfat.com

سیاسی معلومات فراہم کرنے سے قاصر رہتے۔آئی ایس آئی کے سینئر افسران بھی اپنے باس کی آنکھوں میں دھول جھونک کر بے نظیر بھٹو کے خلاف سازشوں میں مصروف رہے۔

کراچی میں بریگیڈئیر جمیل اور دوسرے افسروں نے صحافیوں کو مرکزی حکومت کی بدعنوانیوں اور مجرمانہ سرگرمیوں کے بارے میں ثبوت فراہم کئے یہی کام حیدرآباد میں کرنل ایوب نے کیا اور لاہور میں وزیراعلیٰ میاں نواز شریف کے مشیر نے ذرائع ابلاغ سے رابطے کئے اور دائیں بازو کی انتظامیہ کے حامی صحافیوں کے ذریعے ایسی کہانیاں پھیلائیں۔ملٹری انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر اسد درانی کی سربراہی میں داخلی سیاسی امور کے لئے ایک ایسا شعبہ قائم کیا گیا جس کا کام حکومت کے اہم راز اور فائلیں اپوزیشن کو فراہم کرنا تھا۔اپوزیشن کے اخبارات وجرائد کو خبریں باقاعدہ فیڈ کی جاتی تھیں اور آئے دن نت نئی افواہیں گردش کرنے لگتیں۔(اسمبلیاں احتساب اور عدلیہ)

اب بے نظیر بھٹو کے لئے مفید راستہ یہی تھا کہ وہ جاری محاذ آرائی کو ختم کر کے فوج کے ساتھ تعلقات بحال کرنے کی کوشش کریں۔چنانچہ انہوں نے 7 ستمبر کو راولپنڈی کے لیاقت باغ میں منعقدہ ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا:"فوج اور عوام ایک ہیں۔"بے نظیر بھٹو کو یہ اطلاع مل چکی تھی کہ فوج اور آئی ایس آئی کے بعض افسران بھی حکومت کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں جس پر بے نظیر بھٹو نے انٹیلی جنس بیورو کے اعلیٰ حکام کو فوج کی انٹیلی جنس ایجنسیوں کی جاسوسی پر معمور کردیا۔

فوجی قیادت بے نظیر بھٹو کی حکومت کے اس لئے بھی خلاف ہوگئی تھی کہ وہ حکومت کی طرف سے بھارت کو جنگ نہ کرنے کی یقین دہانیوں کو بزدلی تصور کرتی تھی فوجی قیادت کا خیال تھا کہ حکومت کی طرف سے صرف یہ مطالبہ کہ ہندوستانی فوجیں کشمیر سے نکل جائیں کافی نہیں تھا، کشمیر کے مسئلے کا مکمل حل ہمارا فوری مقصد ہونا چاہئے جبکہ سول انتظامیہ سمجھتی تھی کہ کشمیر میں چلنے والی آزادی کی تحریک کو تقویت دے کر ہی بھارت کو کشمیر سے نکالا جا سکتا ہے اس وقت اگر پاکستان بھارتی فوج کو کشمیر سے نکلوانے میں ہی کامیاب ہو جائے تو یہ ایک بڑی سفارتی کامیابی

Marfat.com

ہوگی۔ تاہم فوج جارحانہ انداز اختیار کرتے ہوئے کشمیر اور بھارتی پنجاب میں پراکسی وار شروع کرنے کی حامی تھی اور بے نظیر بھٹو پراکسی وار کو پاکستان خصوصاً سندھ کے لئے خطرناک تصور کرتی تھیں ان کا خیال تھا کہ ایسا کرنے سے بھارت کو سندھ کو نشانہ بنانے کا موقع مل جائے گا جو پہلے ہی آئے روز کی تخریبی کارروائیوں کے باعث بحران سے دوچار تھا۔

پنجاب بے نظیر بھٹو کی حکومت کے خلاف ہونے والی سازشوں کا گڑھ بن چکا تھا اور ستمبر 1989ء میں بے نظیر بھٹو کے خلاف تحریک عدم اعتماد لانے کی کوششیں عروج پر پہنچ گئیں۔ اٹارنی جنرل یحییٰ بختیار نے بے نظیر بھٹو کو مشورہ دیا کہ وہ پنجاب میں گورنر راج نافذ کردیں اور اس مقصد لئے جو چارج شیٹ تیار کی گئی اس کے بعض نکات یہ ہیں:

(۱) فوج کو مارشل لاء لگانے کی دعوت دینا۔

(۲) وفاقی ملازمین کو تذلیل کر کے صوبے سے نکالنا۔

(۳) جرائم پیشہ افراد اور منشیات کے سمگلروں کا تحفظ کرنا۔

(۴) سرکاری وسائل کا ذاتی مقاصد کے لئے استعمال۔

(۵) وفاق کی اتھارٹی کو چیلنج کرنا۔

(۶) حکومتی مشینری کا صوبے میں امن عامہ کی صورت حال کو بہتر بنانے میں ناکام ہونا۔

اس موقع پر غلام اسحٰق خان میاں نواز شریف کی مدد کے لئے حرکت میں آئے اور انہوں نے گورنر راج نافذ کرنے کی تجویز مسترد کردی۔

تحریک عدم اعتماد کے دوران سیاستدانوں کی خرید و فروخت کے ہولناک واقعات رونما ہوئے ممبران اسمبلی کو مری اور مینگورہ لے جا کر خوشگوار حراست میں رکھا جارہا تھا۔ بے نظیر بھٹو کے خلاف تحریک عدم اعتماد 23 اکتوبر کو پیش کی گئی۔ اس سے پہلے غلام مصطفیٰ کھر جو اسلام جمہوری اتحاد کا حصہ تھے اور پی پی پی میں شامل ہونے کے متمنی تھے، بے نظیر بھٹو کو اپوزیشن کی طرف سے لائی جانے والی تحریک عدم اعتماد سے آگاہ کر چکے تھے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ وہ پنجاب کے کاغذی شیر کو چند دنوں کے اندر اقتدار سے آؤٹ کر سکتے ہیں۔ آخر غلام مصطفیٰ کھر نے 16 اکتوبر کو اسلامی جمہوری اتحاد کے خلاف علم بغاوت بلند کردیا اور پی پی پی میں شمولیت اختیار کرلی۔

Marfat.com

بے نظیر بھٹو کو اس وقت شک تھا کہ غلام مصطفیٰ کھر ڈبل ایجنٹ کا کردار ادا کر رہے ہیں تاہم انہوں نے غلام مصطفیٰ کھر کو ایک اہم مشن پر پنجاب روانہ کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اگر کھر کامیاب ہو جاتے تو پنجاب کی وزارت عظمیٰ انہیں سونپ دیئے جانے کا امکان تھا لیکن غلام مصطفیٰ کھر اپنے مشن میں ناکام ہو گئے اور بے نظیر بھٹو کے خلاف تحریک عدم اعتماد 23 اکتوبر کو پیش کر دی گئی۔ اگلے روز بے نظیر بھٹو کی سیاسی قوت کو اس وقت جھٹکا لگا جب ان کی کابینہ کے ایک وزیر طارق مگسی مستعفی ہو گئے یہ ایک خطرناک کھیل تھا کیوں کہ غلام اسحٰق خان کے کہنے پر جنرل مرزا اسلم بیگ نے فوج کو ریڈ الرٹ رہنے کا حکم دے دیا تھا۔ نوابزادہ نصر اللہ خان نے صدر غلام اسحاق خان کو 30 اکتوبر کو خط لکھا تھا کہ بے نظیر بھٹو دھاندلی سے بچنے کے لئے دھاندلی کروا سکتی ہیں چنانچہ بے نظیر بھٹو نے صدر غلام اسحٰق خان اور جنرل مرزا اسلم بیگ سے ملاقات کر کے انہیں یقین دلایا کہ حکومت کسی رکن اسمبلی کو یرغمال نہیں بنائے گی۔

عین آخری مرحلے پر میاں نواز شریف نے جنرل غلام جیلانی کے مشورے سے اپنی حکمت عملی تبدیل کر لی اس کی وجہ یہ تھی کہ بے نظیر بھٹو کی حکومت کو ابھی ایک سال ہی ہوا تھا اور ان کی شکست کے نتیجے میں غلام مصطفیٰ جتوئی ملک کے وزیر اعظم بن کر باقی مدت پوری کرتے اور یہ بات میاں نواز شریف کے لئے قابل قبول نہیں تھی چنانچہ غلام مصطفیٰ جتوئی جو وزارت عظمیٰ کے خواب دیکھنے لگے تھے اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ جب تحریک عدم اعتماد ناکام ہو گئی تو سب سے پہلے مبارکباد دینے والوں میں جنرل مرزا اسلم بیگ اور غلام اسحٰق خان شامل تھے۔ امریکی صدر بش نے بھی بے نظیر بھٹو کو فون کر کے مبارکباد دی۔ غلام مصطفیٰ کھر جو تحریک عدم اعتماد کو ناکام بنانے میں رات دن ایک کر رہے تھے، میاں نواز شریف کے خلاف تحریک عدم اعتماد لانا چاہتے تھے لیکن میاں نواز شریف نے 4 نومبر کو اسلامی جمہوری اتحاد کی پارلیمانی پارٹی کا اجلاس طلب کر کے 140 سے زائد ارکان سے اعتماد کا ووٹ حاصل کر لیا۔

☆☆☆

Marfat.com

بے نظیر بھٹو کی سینٹ میں ناکامی

جنرل ضیاء الحق کے طیارے کے حادثے کے بعد چیئر مین سینٹ غلام اسحٰق خان ملک کے صدر بن گئے اور چیئر مین سینٹ کا عہدہ خالی ہو گیا۔ لہٰذا چیئر مین شپ کے لئے انتخابات عام انتخابات کے بعد 24 دسمبر 1988ء کو ہوئے۔ اس وقت تک کے لئے غلام اسحٰق خان نے ڈپٹی چیئر پرسن نور جہاں پانیزئی کو ذمہ داریاں سونپ دیں۔

1988ء کے انتخابات کے نتیجے میں وجود میں آنے والی اسمبلیوں میں بے نظیر بھٹو کو واضح اکثریت حاصل نہ تھی اس لئے سینٹ کے انتخابات میں بے نظیر بھٹو کی شکست یقینی تھی۔ میاں نواز شریف اور غلام اسحٰق خان چاہتے تھے کہ وسیم سجاد ایک قابل سینٹر ہیں اور بے نظیر بھٹو سینٹ میں ان کی مخالفت نہ کریں تاہم سینٹر طارق چوہدری نے وسیم سجاد کا مقابلہ کرنے کا اعلان کر دیا۔ وسیم سجاد کو جنرل ضیاء الحق کے زمانے کے تمام سینٹرز کی حمایت حاصل تھی چنانچہ جب 24 دسمبر کو انتخابات ہوئے تو وسیم سجاد نے 53 ووٹ حاصل کئے اور طارق چوہدری صرف 25 ووٹ حاصل کر سکے۔ وسیم سجاد کو چیئر مین سینٹ منتخب کرانے میں جنرل مرزا اسلم بیگ نے بھی کردار ادا کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کا قومی و صوبائی اسمبلیوں کے ارکان میں کافی اثر رسوخ تھا۔

سینٹ میں چیئر مین وسیم سجاد اور قومی اسمبلی میں سپیکر معراج خالد معتدل مزاج شخصیات تھیں جو دوستوں اور دشمنوں میں مقبول اور غیر متنازعہ تھیں۔ ان دونوں نے اپنے طور پر مرکز اور پنجاب میں جاری محاذ آرائی ختم کرانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہو سکے وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ جب تک ایوان صدر میں غلام اسحٰق خان اور فوج کی قیادت مرزا اسلم بیگ کے ہاتھ میں ہے مفاہمت نہیں ہو سکتی۔

☆☆☆

Marfat.com

وزارت عظمیٰ کی برطرفی سے پہلے

مرکز اور پنجاب محاذ آرائی زوروں پر تھی ایک دوسرے کی حکومت کو نیچا دکھانے کی سرتوڑ کوششیں ہو رہی تھیں۔ یہ محاذ آرائی اس وقت نکتہ عروج پر پہنچ گئی جب اسلامی جمہوری اتحاد کے ایک اہم رکن غلام اکبر لاسی نے پی پی پی کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا جس کے بعد اسلامی جمہوری اتحاد کی تمام جماعتوں کا ایک ہنگامی اجلاس ہوا جس میں کئی گھنٹے کی بحث و تکرار کے بعد بے نظیر بھٹو کی حکومت کے خلاف تحریک چلانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس روز بے نظیر بھٹو وزیر اعظم ہاؤس اسلام آباد میں موجود تھیں کیوں کہ جنرل مرزا اسلم بیگ نے انہیں پیغام بھیجا تھا کہ وہ انہیں ملنے آ رہے ہیں۔

جب سے بے نظیر بھٹو نے اقتدار سنبھالا تھا یہ ان کے درمیان پہلی ملاقات تھی جس میں فوج کے سربراہ نے بے نظیر بھٹو کو مشورہ دیا کہ وہ سیاسی بحران کو سیاسی انداز میں حل کرنے کی کوشش کریں۔ بے نظیر بھٹو نے بھی اس تجویز سے اتفاق کر لیا بلکہ وہ تو پہلے ہی اپوزیشن جماعتوں کو وفاقی کابینہ میں شرکت کرنے کی دعوت دے چکی تھیں۔ لیکن اس سے پہلے ہی مڈ ٹرم انتخابات کے لئے فضا بننی شروع ہو گئی تھی اور صورت حال کو دیکھتے ہوئے تحریک استقلال، عوامی تحریک اور تحریک جعفریہ نے "پاکستان عوامی محاذ" کے نام سے 9 جنوری 1990ء کو ایک نیا سیاسی اتحاد قائم کر لیا۔

انٹیلی جنس رپورٹوں کے مطابق تحریک استقلال کے سربراہ اصغر خان نے نیا سیاسی اتحاد آئندہ چند ماہ کے اندر متوقع سیاسی تبدیلیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے قائم کیا۔ دوسری طرف غلام مصطفیٰ جتوئی نے بھی بعض سیاستدانوں کو یہ باور کرانا شروع کر دیا تھا کہ 20 مارچ 1990ء کو بے نظیر بھٹو اقتدار میں نہیں ہوں گی۔ جتوئی کا استدلال یہ تھا کہ بے نظیر بھٹو کا وزیر اعظم بننا 1985ء میں ہونے والے عام انتخابات کا تسلسل ہے اور وزارت عظمیٰ کے عہدے پر فائز رہنے کے لئے بے نظیر کو ایوان سے دوبارہ اعتماد کا ووٹ لینا پڑے گا۔ جتوئی نے جو آئینی مسئلہ اٹھایا تھا اس کی زد

Marfat.com

میں خود غلام اسحٰق خان بھی آتے تھے چنانچہ بے نظیر بھٹو نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ وہ بے فکر ہو کر ترقیاتی کاموں میں لگے رہیں کیوں کہ غلام اسحٰق خان مجھے اعتماد کا ووٹ لینے کا حکم جاری کر کے اپنے پاؤں پر کلہاڑی نہیں مار سکتے۔ بے نظیر بھٹو نے غلام اسحٰق خان کو یہ باور بھی کرا دیا تھا۔

26 جنوری 1990ء کو اپوزیشن نے کراچی میں ایک جلسہ عام منعقد کر کے اس میں ایک قرارداد منظور کی جس میں صدر مملکت سے کہا گیا تھا کہ وہ بے نظیر بھٹو کو دوبارہ اعتماد کا ووٹ لینے کا حکم جاری کریں۔ اسی جلسے میں میاں نواز شریف اور غلام مصطفیٰ جتوئی مستقبل کے وزیر اعظم بن کر سامنے آئے۔ جلسہ عام میں شرکت کے لئے پنجاب سے جانے والے مسلم لیگی کارکنوں سے ''وزیر اعظم نواز شریف'' کے نعرے لگوائے گئے اور سندھ سے آنے والے لیگی کارکنوں سے ''وزیر اعظم جتوئی'' کے نعرے لگوائے گئے۔ دونوں رہنماؤں کے درمیان در پردہ وزیر اعظم بننے کے لئے ایک جنگ شروع ہو چکی تھی۔ لیکن اس وقت ملک کی داخلی اور خارجی صورت حال نہایت دگرگوں تھی کیوں کہ بھارت نے پاکستان کی سرحدوں پر فوجیں اکٹھی کرنا شروع کر دیں اور اندرون ملک تخریب کاری کا سلسلہ تسلسل کے ساتھ جاری تھا۔

کشمیر کے مسئلے پر بھارت نے سخت رویہ اختیار کر لیا تھا جسے مدنظر رکھتے ہوئے بے نظیر بھٹو نے 5 فروری کو کشمیریوں سے اظہار یکجہتی کے لئے ملک بھر میں عام ہڑتال کا اعلان کیا۔ یہ پہلا موقع تھا جب ایک اہم مسئلے پر اپوزیشن نے بھی حکومت کے ساتھ اتفاق کر لیا تھا چنانچہ سینئر وزیر بیگم نصرت بھٹو نے مسئلہ کشمیر کے حوالے سے بریفنگ دینے کے لئے ایک ٹاپ سیکرٹ اجلاس کا اہتمام کیا جس میں میاں نواز شریف اور غلام مصطفیٰ جتوئی سمیت تمام اپوزیشن رہنماؤں نے شرکت کی۔ ڈائریکٹر جنرل آئی ایس آئی شمس الرحمٰن کلو نے شرکاء اجلاس کو کشمیر میں بڑھتی ہوئی بھارتی مداخلت کے بارے میں بریفنگ دی اور درخواست کی کہ وہ اس آزمائش کے موقع پر حکومت کا ساتھ دیں۔ 5 فروری کو مسئلہ کشمیر کے حوالے سے ملک گیر ہڑتال ہوئی، حکومت اور اپوزیشن کے درمیان اتفاق رائے کو ابھی چند ہی گھنٹے گزرے تھے کہ کراچی میں نامعلوم تخریب کاروں نے فائرنگ کر کے پچاس کے قریب افراد کو ہلاک کر دیا۔ چنانچہ غلام اسحٰق خان نے بے نظیر بھٹو سے کہا: ''حکومت عوام کی جان و مال کا تحفظ کرے۔'' موقع غنیمت جانتے ہوئے متحدہ

Marfat.com

اپوزیشن کے سربراہ غلام مصطفیٰ جتوئی نے ملاقات میں صدر سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے آئینی اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے اپنا کردار ادا کریں۔ انہوں نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ صدر بے نظیر بھٹو کو از سر نو اعتماد کا ووٹ لینے کے لئے کہیں۔ انہی دنوں بے نظیر کی سہیلی امریکی سینٹر بار برا میک نے انہیں پیغام بھیجا: ''آپ کی حکومت کو فوج سے خطرہ ہے۔''

بے نظیر بھٹو نے فرانس کے صدر متراں کو ایک خط ارسال کیا تھا جس میں فرانس حکومت سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ ان کے والد ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ کئے جانے والے معاہدے کی پاسداری کرتے ہوئے پاکستان کو ایٹمی ری پراسیسنگ پلانٹ فراہم کیا جائے۔ پاکستان کو ایٹمی ری پراسیسنگ پلانٹ کی فراہمی کے سلسلے میں بات چیت کرنے کے لئے صدر متراں 21 فروری کو پاکستان آنے والے تھے۔ بے نظیر بھٹو چاہتی تھیں کہ صدر متراں کے پاکستان پہنچنے سے پہلے دونوں ملکوں کے درمیان بعض معاملات طے کر لئے جائیں۔

صدر متراں کے ساتھ وزیراعظم محترمہ بے نظیر بھٹو کی یہ ملاقات بھارت، امریکہ اور اسرائیل کی آنکھ میں کانٹا بن کر کھٹک رہی تھی۔ بھارت نے اپنی ایجنسیوں اور خاص طور پر ''را'' کے ذریعے پاکستان میں وسیع پیمانے پر فسادات اور ہنگامے کرانے کی کوشش کی جس کے بعد بے نظیر بھٹو نے ایم کیو ایم کا یہ مطالبہ تسلیم کر لیا کہ سندھ میں قائم علی شاہ کی جگہ معتدل مزاج آفتاب شعبان میرانی کو وزیراعلیٰ مقرر کر دیں گی۔ اس کا فیصلہ 20 فروری کو ہو گیا تھا لیکن فرانسیسی صدر کی آمد کی وجہ سے چند دن کے لئے موخر کر دیا گیا۔

بے نظیر بھٹو کے صدر متراں کے ساتھ مذاکرات نہایت کامیاب رہے کیوں کہ صدر متراں نے وعدے کے مطابق پاکستان کو ایٹمی ری پراسیسنگ پلانٹ فراہم کرنے کی یقین دہانی کرادی۔ جس کے فوراً بعد پاکستان میں متعین امریکی سفیر رابرٹ اوکلے نے امریکی صدر بش کو جو رپورٹ بھجوائی اس میں واضح طور پر کہا گیا تھا کہ بے نظیر بھٹو اپنے والد کی طرح ایٹمی پروگرام کے حوالے سے غیر لچک دار رویئے کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔ چنانچہ امریکہ نے حکومت پاکستان پر دباؤ بڑھا دیا کہ وہ ایٹمی ری پراسیسنگ پروگرام کے حصول سے باز رہے اور فرانس پر بھی دباؤ ڈالنا شروع کر دیا کہ وہ خطے میں طاقت کا توازن برقرار رکھنے کے لئے پاکستان کو ایٹمی پلانٹ نہ دے۔

Marfat.com

26 فروری 1990ء کو غلام اسحٰق خان نے بیان دیا کہ "پاکستان میں جمہوریت جنرل مرزا اسلم بیگ کی وجہ سے ہے" غلام اسحٰق خان کا یہ بیان بڑا معنی خیز تھا کیوں کہ وہ بے نظیر بھٹو کو پیغام دینا چاہتے تھے کہ وہ اور جنرل بیگ ایک ہیں۔ غلام اسحٰق خان کا یہ بیان اس لئے بھی معنی خیز تھا کہ اگلے روز گوجرانوالہ چھاؤنی میں ایک کور کمانڈر کانفرنس ہو رہی تھی۔ 27 فروری کو فوجی قیادت نے ملک میں موجود مسائل کے حل کے لئے مارشل لاء کے نفاذ، بے نظیر حکومت کی برطرفی، بھارت کی طرف سے ممکنہ حملے اور دیگر مسائل کے حل کے لئے مختلف جہات پر غور کیا۔ کانفرنس میں جنرل مرزا اسلم بیگ نے واضح طور پر کہا کہ اس مرتبہ اگر فوج ملک میں مارشل لاء نہ ہی لگائے تو بہتر ہو گا چنانچہ ملک میں بڑھتی ہوئی ابتری کی وجہ سے فوجی قیادت نے فیصلہ کیا کہ بے نظیر بھٹو کو پیغام دیا جائے کہ وہ دفاعی اخراجات میں اضافے کے لئے ضروری اقدامات کریں۔

کور کمانڈر کانفرنس میں یہ بات بھی طے کی گئی کہ 20 مارچ 1990ء کو بے نظیر بھٹو کو دوبارہ اعتماد کا ووٹ لینے کے لئے نہیں کہا جائے گا اس کی وجہ یہ تھی کہ ماہرین قانون کے مطابق جتوئی کا موقف غلط فہمی پر مبنی تھا۔ الغرض جنرل مرزا اسلم بیگ نے غلام اسحٰق خان کی موجودگی میں بے نظیر بھٹو سے ملاقات کی اور کور کمانڈرز کانفرنس کے فیصلوں سے آگاہ کیا۔ اس موقع پر بے نظیر بھٹو نے کہا کہ کراچی میں شرپسندوں کے خلاف اپریشن کے سلسلے میں فوج کو اختیارات دینے کے لئے جلد ایک سمری صدر کو ارسال کر دیں گی۔ بے نظیر بھٹو پر دباؤ تھا کہ وہ اپنی جگہ مخدوم امین فہیم یا فاروق لغاری کو وزیراعظم نامزد کر کے 20 مارچ کو وزیراعظم کا عہدہ چھوڑ دیں۔

سیاسی تجزیہ نگاروں کا خیال تھا کہ فوج اور نوکر شاہی میں چند مخصوص حلقے فریقین کو عدم تعاون پر اکسا رہے تھے تا کہ ملک میں افراتفری کا عالم رہے اور عوام میں اس تاثر کو پختہ کیا جائے کہ ملک میں صرف مارشل لاء حکومت ہی کامیابی سے چلائی جا سکتی ہے۔ جس کے بعد بے نظیر بھٹو نے 20 مارچ کو مینار پاکستان کے گراؤنڈ میں ایک بڑے جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "فوج عوام کی قربانی کا احترام کرے۔" بے نظیر بھٹو نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ فوج کے بارے میں ان کی زبان سے ادا ہونے والے ایک ایک لفظ کی اہمیت ہے، انہوں نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ انہیں فوج کی طرف سے اپنے خلاف ہونے والی سازشوں کا علم ہے۔ انہوں نے اس

Marfat.com

روز ایک بہت بڑا جلسہ عام منعقد کر کے یہ ضرور ثابت کر دیا کہ عوام کی طاقت ان کے ساتھ ہے۔

اس کے صرف تین دن کے بعد یعنی 23 مارچ کو متحدہ اپوزیشن کی جماعتوں نے بھی ایک بڑا جلسہ عام منعقد کر کے اپنی قوت کا مظاہرہ کیا لیکن وہ تمام مل کر بھی بے نظیر بھٹو کے مقابلے میں کامیاب جلسہ نہ کر سکے۔ بین الاقوامی سطح پر بے نظیر بھٹو کی جمہوریت کے لئے خدمات کو سراہا جا رہا تھا لیکن ملک کے اندر کی صورت حال یہ تھی کہ ملک کی تمام چھوٹی بڑی سیاسی جماعتیں حکومت کے خلاف اعلان جنگ کر چکی تھیں۔ اس صورت حال کا فائدہ امریکہ، بھارت سمیت تمام پاکستان دشمن قوتوں کو ہو رہا تھا۔ اس وقت مذہبی جماعتوں کی طرف سے سوال اٹھایا جا رہا تھا کہ اگر بھارت کے ساتھ جنگ ہوئی تو فوج کی کمان کس کے ہاتھ میں ہوگی۔ اپریل 1990ء میں مذہبی جماعتوں کی طرف سے فوج سے مطالبہ کیا جانے لگا کہ وہ محترمہ بے نظیر بھٹو کی جماعت کے کسی رہنما کو وزیر اعظم نامزد کر دیں کیوں کہ عورت کی سربراہی میں جنگ نہیں لڑی جا سکتی۔

بے نظیر بھٹو نے وزارت خزانہ کو دوٹوک الفاظ میں احکامات جاری کیے ہوئے تھے کہ دفاعی ضروریات کو ہر چیز پر فوقیت دی جائے کیوں کہ وہ جانتی تھیں کہ فوج میں ایسے افراد کی بڑی تعداد موجود ہے جو بھٹو خاندان کی حب الوطنی کو شک کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔ ایک طرف فوج کی طرف سے صدر غلام اسحٰق خان کو کور کمانڈر کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی گئی اور دوسری طرف بے نظیر بھٹو کو دفاعی کمیٹی کے اجلاس کی صدارت کے لئے پیغام بھیجا جہاں ممکنہ پاک بھارت جنگ کے لئے بے نظیر بھٹو کو بریفنگ دی گئی جس سے یہ تاثر ملتا تھا کہ بھارت کسی بھی وقت پاکستان پر حملہ کر سکتا ہے چنانچہ بے نظیر بھٹو نے 12 مئی 1990ء کو فوج کو حکومت کے فیصلے سے آگاہ کیا کہ دفاعی بجٹ میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ فوج کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد بے نظیر بھٹو 15 مئی کو آٹھ ممالک کے دورے پر روانہ ہو گئیں۔

یہ وہ وقت تھا جب مرکز اور پنجاب کی طرف سے مفاہمت کا رویہ اختیار کرنے کی اہمیت کو سمجھا گیا اور اپریل کے آخر میں بے نظیر بھٹو نے پنجاب حکومت کو مذاکرات کی تجویز پیش کی۔ 3 مئی کو چوہدری شجاعت حسین اور غلام حیدر وائیں نے بے نظیر کی پیشکش پر غور کرنے کے سلسلے میں میاں نواز شریف سے ملاقات کی اور مرکزی حکومت کی طرف سے بات چیت کی تجویز کا

Marfat.com

خیر مقدم کیا گیا۔ اسی روز بے نظیر بھٹو کی جانب سے وفاقی حکومت کی کابینہ کی خصوصی کمیٹی نے پنجاب حکومت سے ابتدائی رابطہ کیا مذاکرات کے دوران کئی مرتبہ اتار چڑھاؤ آئے حتیٰ کہ مفاہمت کو بالکل ہی خارج از امکان قرار دے دیا گیا لیکن اس کے باوجود بھی دونوں طرف سے رہنماؤں نے مذاکرات کو پرامید قرار دیا۔

12 مئی کو بے نظیر بھٹو کی طرف سے قائم کردہ مصالحتی کمیٹی کے رکن وفاقی وزیر یوسف رضا گیلانی نے میاں نواز شریف سے ماڈل ٹاؤن میں ملاقات کی جو ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہی۔ 16 مئی کو میاں نواز شریف نے سپیکر پنجاب اسمبلی میاں منظور احمد وٹو، قومی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف غلام حیدر وائیں اور ملک نعیم پر مشتمل ایک تین رکنی مذاکراتی کمیٹی تشکیل دی۔ اس سے پہلے صدر غلام اسحاق خان نے بھی اخبار نویسوں سے گفتگو کرتے ہوئے موجودہ حالات میں قومی مفاہمت کو وقت کی اہم ضرورت قرار دیا اور فریقین کی طرف سے مفاہمت کی کوششوں کی تعریف کی۔

ایک طرف مفاہمت کی باتیں ہو رہی تھیں تو دوسری طرف متحدہ حزب اختلاف نے منتخب نمائندوں کا پہلا قومی پارلیمانی کنونشن منعقد کیا جس میں تمام پارٹیوں کے ارکان اسمبلی، سینیٹروں، میونسپل کارپوریشنوں کے میئر، ڈسٹرکٹ کونسلوں اور میونسپل کمیٹیوں کے چیئرمینوں بلدیاتی کونسلروں نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ اس قومی کنونشن میں حکومت کی مبینہ بدعنوانیوں، اقرباء پروری اور مالی بے ضابطگیوں کے بارے میں چارج شیٹ جاری کی گئی۔ جس وقت متحدہ حزب اختلاف کے سربراہ غلام مصطفیٰ جتوئی کی صدارت میں منعقدہ کنونشن میں صدر سے راست اقدام کا مطالبہ کیا جا رہا تھا عین اس وقت 29 مئی 1990ء کو مرکز اور صوبے کی مصالحتی کمیٹی کے ارکان با مذاکرات کرنے میں مصروف تھے۔ چنانچہ ان مذاکرات میں فیصلہ کیا گیا کہ وفاقی اور صوبائی حکومتیں ایک دوسرے کے خلاف بیان بازی سے گریز کریں۔ اگلے روز مختلف مالیاتی امور پر اتفاق رائے ہونے کے علاوہ مرکز کی جانب سے صوبوں کو سالانہ ترقیاتی پروگرام کے لئے فراہم کئے جانے والے فنڈز میں اضافہ پر قومی مالیاتی کمشن کا اجلاس بلانے اور چھ ماہ کے اندر اس کے ایوارڈ کا اعلان کرنے پر بھی اتفاق رائے ہو گیا۔

Marfat.com

بے نظیر بھٹو کے غیر ملکی دورے کے دوران ملک میں دھماکوں کا سلسلہ شروع ہو گیا خاص طور پر سندھ کی صورت حال تو اس قدر خراب ہو گئی کہ دہشت گردوں نے 70 افراد کو فائرنگ کر کے کراچی اور حیدر آباد میں قتل کر دیا اور دوسری طرف مقبوضہ کشمیر میں بھارتی فوج نے فائرنگ کر کے مولوی فاروق سمیت 100 کشمیری مجاہدین کو شہید کر دیا۔ اس طرح بے نظیر بھٹو ایک طرف ملک کے اندر اور دوسری طرف بیرونی محاذ پر جنگ میں مصروف تھیں۔ بیگم نصرت بھٹو نے کراچی میں ہونے والی دہشت گردی کا ذمہ دار ایم کیو ایم کو ٹھہرایا حتیٰ کہ بے نظیر بھٹو کو آئی ایس آئی اور انٹیلی جنس بیورو نے جو رپورٹیں ارسال کیں ان سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ کراچی اور حیدر آباد میں ہونے والی دہشت گردی میں ایم کیو ایم ملوث ہے۔

اس وقت سیاسی طور پر پنجاب کی حکومت ایم کیو ایم کی حمایت کر رہی تھی چنانچہ بے نظیر بھٹو نے ایم کیو ایم کو تنقید کا نشانہ بنانے کے بجائے خواجہ طارق رحیم اور احمد سعید اعوان کے ذریعے الطاف حسین، طارق عظیم اور عمران فاروق کے ساتھ مذاکرات کا سلسلہ جاری رکھا جب انہیں یقین ہو گیا کہ اس گھناؤنی کارروائی میں ایم کیو ایم ملوث ہے تو انہوں نے 23 جون کو اعلان کیا کہ سندھ میں دوسرا مجیب الرحمان پیدا ہو گیا ہے۔ بے نظیر بھٹو کی مشکلات میں مزید اضافہ اس وقت ہو گیا جب ڈاکٹر شیر افگن نے قومی اسمبلی کے سپیکر ملک معراج خالد کے خلاف سپریم کورٹ میں ایک رٹ دائر کر دی ان کا خیال تھا کہ ملک معراج خالد نے فلور کراسنگ کے مرتکب ارکان اسمبلی کے خلاف بھجوائے جانے والے ریفرنسوں کو جان بوجھ کر دبا رکھا ہے۔ دوسری طرف سندھ میں بڑے تسلسل کے ساتھ بم دھماکے ہو رہے تھے اور کہا جا رہا تھا کہ سندھ کی سول حکومت دہشت گردوں سے نپٹنے میں ناکام ہو چکی ہے۔ سندھ حکومت اپنی مدد کے لئے فوج کو بلانا چاہتی تھی لیکن مرکزی حکومت اس کی منظوری دیتے ہوئے تذبذب کا شکار تھی۔

ادھر غلام اسحٰق خان نے بھی اپوزیشن جماعتوں سے رابطے تیز کر دیئے جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ بے نظیر بھٹو کی حکومت برطرف کرنے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ سندھ کی صورت حال کے حوالے سے اعلیٰ سطح پر کئی تجاویز زیر غور رہیں جن میں سے ایک سندھ اسمبلی توڑ کر صوبے میں گورنر راج نافذ کرنا شامل تھی تاہم اسے بے نظیر بھٹو نے مسترد کر دیا ان کا موقف تھا کہ اگر سندھ میں گورنر

Marfat.com

راج نافذ کیا گیا تو پنجاب بھی نہیں بچے گا کیوں کہ ان کے نزدیک پنجاب میں امن عامہ کی صورت حال سندھ سے بہتر نہ تھی۔

یکم جولائی 1990ء کو فوج کے سربراہ مرزا اسلم بیگ نے بے نظیر بھٹو سے کہا کہ وہ فوج کو جرائم پیشہ افراد کی گرفتاری کے لئے قانونی اختیارات دیں۔ فوج کے اس مطالبے پر 9 جولائی کو ہونے والی دفاعی کمیٹی کے اجلاس میں غور کیا گیا جس کی صدارت بے نظیر بھٹو کر رہی تھیں۔ بے نظیر بھٹو نے فوجی قیادت کو بتایا کہ سندھ میں اپریشن کلین اپ مکمل کرنے کے لئے فوج کو اس کی خواہش کے مطابق قانونی اختیارات دیئے جائیں گے۔ جس پر تبصرہ کرتے ہوئے بی بی سی نے کہا کہ بے نظیر حکومت کی طرف سے یقین دہانیوں کے باوجود سندھ کی صورت حال پر وزیر اعظم اور فوج کے درمیان کش مکش جاری ہے بی بی سی کے مطابق فوج آئین کی دفعہ 245 کے تحت غیر معمولی اختیارات کا مطالبہ کر رہی ہے۔

متذکرہ آئینی شق کے تحت فوج کے اس مطالبے کا مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ عدالتوں کے اختیارات معطل کر دیئے جائیں اور ان کی جگہ امن بحال کرنے والی فوج کو دہشت گردوں پر مقدمات چلانے کا اختیار مل جائے گا۔ اسلام آباد اور سندھ میں فوج کے اس مطالبے پر شکوک و شبہات پائے جاتے ہیں کیوں کہ ان کا خیال ہے کہ فوج کو عدالتی اختیارات دینے سے ملک میں جمہوری حکومت بدنام ہوگی بلکہ حکمران جماعت پاکستان پیپلز پارٹی کے لئے اس کے اپنے صوبے میں منفی نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر امریکہ نے دھمکی دے دی کہ فوج کی طرف سے اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کی گئی تو وہ پاکستان کی امداد بند کرنے پر غور کرے گا۔ چنانچہ 7 جولائی کو غلام اسحاق خان نے اپنے ایک بیان میں واضح کیا کہ سندھ کا مسئلہ سیاسی ہے اور اس کا سیاسی حل کے علاوہ اور کوئی حل نہیں سب کو جان لینا چاہیے کہ جمہوری نظام میں طاقت کا استعمال مسئلہ کا حل نہیں ہوتا۔

فوجی قیادت سے مشورہ کرنے کے بعد بے نظیر بھٹو نے فیصلہ کیا کہ وہ 10 جولائی کو کویت اور عراق کے درمیان پیدا ہونے والے تنازعات کو حل کرانے کے لئے بغداد اور کویت کا دورہ کریں گی۔ عراق کے صدر صدام حسین کے ساتھ مذاکرات کرنے کے بعد کویت کے سربراہ

Marfat.com

سے بھی ملاقات کی۔ انہوں نے 13 جولائی کو مراکش کے شاہ حسین سے ملاقات کی اور پھر الجزائر روانہ ہو گئیں۔ اسی دوران امریکی صدر جارج ڈبلیو بش کو اطلاع ملی کہ بے نظیر بھٹو نے صدام حسین کو بغداد پر ممکنہ امریکی حملے سے آگاہ کرنے کے ساتھ ساتھ بعض خفیہ معلومات فراہم کی ہیں۔ اسی دوران کراچی میں پچاس افراد کو ہلاک کر دیا گیا۔

11 جولائی کو وفاقی وزیر داخلہ چوہدری اعتزاز احسن نے ایک بیان میں کہا کہ فوج کو عدالتی اختیارات دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا وفاقی حکومت سندھ میں امن وامان کی بحالی کے لئے ایسا کوئی طریقہ اختیار کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی جس سے اعلیٰ عدالتوں کے اختیارات میں مداخلت ہوتی ہو۔

اپنے غیر ملکی دورے سے واپس آنے کے بعد بے نظیر بھٹو نے وزیر داخلہ کے فیصلے کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ فوج کو سندھ میں آرٹیکل 245 کے اختیارات نہیں ملیں گے، کیوں کہ سندھ حکومت نے فوج کو مدد کے لئے بلایا ہے اس لئے فوج کو آرٹیکل 147 کے اختیارات حاصل ہوں گے اور اگر مرکزی حکومت فوج کو مدد کے لئے بلاتی تو آرٹیکل 245 کے اختیارات حاصل ہوتے۔ لیکن چونکہ آرٹیکل 245 کے تحت بنیادی حقوق معطل ہوتے ہیں اس لئے ہم اس کے مخالف ہیں۔

اس کے بعد بے نظیر بھٹو نے بھارتی حکومت کے ساتھ مذاکرات کا سلسلہ تیز کر دیا اور 20 جولائی کو بھارتی وزیر اعظم وی پی سنگھ کو فون کر کے پاکستانی سرحدوں پر بھارتی فوج کی موجودگی پر اپنی تشویش سے آگاہ کیا۔ یہ بالواسطہ یا بلاواسطہ مذاکرات ناکام ہو گئے جس کے بعد جنرل مرزا اسلم بیگ کی زیر صدارت 21 جولائی 1990ء کو ہونے والی کور کمانڈر کانفرنس میں کور کمانڈر اس بات پر متفق ہو گئے کہ بے نظیر بھٹو کی حکومت ختم کر کے تین ماہ کے لئے نگران حکومت قائم کر دی جائے۔ وقت اور تاریخ کا تعین کرنے کا اختیار جنرل مرزا اسلم بیگ کو دیا گیا جنہوں نے خفیہ طور پر سپیکر قومی اسمبلی ملک معراج خالد کو بتایا کہ آئندہ ماہ بے نظیر بھٹو کی حکومت ختم کر دی جائے گی۔ جنرل مرزا اسلم بیگ چاہتے تھے کہ ملک معراج خالد پاکستان پیپلز پارٹی کے بعض سینئر رہنماؤں کی مدد سے بھٹو پارٹی کو ہائی جیک کر لیں اور اس سلسلے میں غلام اسحٰق خان بھی تعاون کرنے

Marfat.com

کو تیار تھے لیکن وہ اتنا بڑا فیصلہ لینے کی ہمت نہ کر سکے جس کے بعد جنرل مرزا اسلم بیگ نے غلام مصطفیٰ جتوئی سے رابطہ کیا۔

بے نظیر بھٹو بھی اپنے خلاف ہونے والی سازشوں سے آگاہ ہو چکی تھیں چنانچہ انہوں نے جولائی 1990ء کو اخبارات کے لئے ایک بیان جاری کیا جس میں کہا گیا تھا کہ متحدہ اپوزیشن کی طرف سے 1977ء جیسے حالات پیدا کرنے کی سازش ہو رہی ہے۔

اس وقت بے نظیر بھٹو کی حکومت کو ایک اور اہم مشکل کا سامنا تھا وہ تھا شریعت بل کا نفاذ جو 13 مئی 1990ء کو آٹھ ترامیم کے ساتھ متفقہ طور پر سینٹ (جنرل ضیاء الحق کے زمانے کی سینٹ) میں منظور کر لیا گیا۔ دراصل یہ بل 13 جولائی 1985ء کو سینٹ میں پیش کیا گیا لیکن اس وقت کے وزیر اعظم محمد خان جونیجو اور مسلم لیگ پارٹی اسے منظور کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتی تھی۔ اب وہی مسلم لیگ اور آئی جے آئی بے نظیر حکومت کو بحران سے دوچار کرنے کے لئے سینٹ میں اکثریت کی بنا پر منظور کر چکی تھی اور اب اسمبلی میں پیش کرنا چاہتی تھی۔ اس بل کا مقصد قرارداد مقاصد اور 1973ء کے آئین میں پیش کردہ مقصد کے مطابق ملک میں اسلامی شریعت کی بالادستی قائم کرنا تھا۔

شریعت بل میں کہا گیا تھا کہ روزمرہ زندگی کے ہر پہلو کو اسلامی ڈھانچے میں ڈھالا جائے۔ اگر یہ بل قانون بن کر پورے طور پر لاگو ہوتا تو اس کا اثر بہت سے شعبوں پر ہونے کے علاوہ وفاقی شرعی عدالت کو یہ اختیار حاصل ہو جاتا کہ وہ اگر کسی عدالت کے فیصلے کو غیر اسلامی سمجھے تو اسے کالعدم قرار دے دے۔ بے نظیر کے لئے مشکل یہ تھی کہ اگر وہ اس کی حمایت کرتیں تو ان کی حکومت خطرے میں پڑ جاتی اور اگر مخالفت کرتیں تو ان پر اسلام دشمن ہونے کا الزام لگتا۔ چنانچہ بے نظیر بھٹو نے 19 جولائی کو لاہور ائیر پورٹ پر اخبار نویسوں سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ ہم پارلیمنٹ کی بالادستی قائم رکھیں گے ویسے بھی ہم انسانوں کے ہاتھ کان کاٹنا مناسب نہیں سمجھتے۔ بے نظیر بھٹو کے اس بیان کا فائدہ یہ ہوا کہ بعض علماء نے بے نظیر بھٹو کے اس بیان پر تنقید کی اور بعض نے شریعت بل کے نقصان دہ پہلوؤں کی نشاندہی کی۔

بے نظیر بھٹو نے اپنی حکومت بچانے کے لئے جنرل مرزا اسلم بیگ کو فارغ کر کے

Marfat.com

لاہور کے کور کمانڈر عالم جان محسود کو فوج کا نیا سربراہ بنانے کی ایک ناکام کوشش کی۔ لیکن انہوں نے ہمت نہیں ہاری بلکہ الطاف حسین کے ساتھ مذاکرات کے لئے سندھ کے گورنر فخر الدین جی ابراہیم اور یحییٰ بختیار کو لندن بھیجا۔

الطاف حسین بے نظیر حکومت کو برطرف کیے جانے والے فیصلے سے آگاہ ہو چکے تھے چنانچہ انہوں نے مذاکرات کرنے کے سلسلے میں لیت لعل سے کام لیا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے سب سے بڑے مخالف غلام مصطفیٰ جتوئی سے ان کی اقامت گاہ پر ملاقات کی۔ بے نظیر بھٹو لاہور کے کور کمانڈر عالم جان محسود اور جنرل ایم ایچ زیدی کی مدت ملازمت میں توسیع چاہتی تھیں چنانچہ انہوں نے صدر غلام اسحٰق خان کو ایک سمری ارسال کی جس کا مقصد ان دونوں جرنیلوں کی ملازمت کے تسلسل کو جاری رکھنا تھا لیکن غلام اسحٰق خان نے جنرل مرزا اسلم بیگ سے مشورہ کر کے جرنیلوں کی مدت ملازمت میں توسیع دینے سے انکار کر دیا۔ یہ بے نظیر بھٹو کے لئے واضح اشارہ تھا کہ اب بے نظیر بھٹو کو مزید وقت نہیں دیا جا سکتا۔ بے نظیر بھٹو نے 22 جولائی کو غلام اسحٰق خان سے ملاقات کر کے انہیں قائل کرنے کی کوشش کی کہ جرنیلوں کی مدت ملازمت میں توسیع کرنے کا اختیار وزیر اعظم کو حاصل ہے لیکن غلام اسحٰق خان نے آٹھویں ترمیم کے تحت حاصل اختیارات بے نظیر بھٹو کے سامنے رکھے اور کہا کہ میں آئین کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔

محرم الحرام کا مہینہ شروع ہونے کو تھا اور امکان تھا کہ اس موقع پر شیعہ سنی فسادات کا بہانہ بنا کر فوج بے نظیر بھٹو کی حکومت کو برطرف کر دے گی اس خطرے سے نپٹنے کے لئے بے نظیر بھٹو نے یوسف رضا گیلانی کے ذریعے میاں نواز شریف کو پیغام بھیجا تاکہ محرم کے ایام میں امن عامہ کی صورتحال پر قابو رکھنے کے لئے مشترکہ حکمت عملی اختیار کی جا سکے۔ 23 جولائی کو یوسف رضا گیلانی نے سپیکر قومی اسمبلی ملک معراج خالد کے چیمبر میں میاں منظور وٹو، ملک نعیم اور غلام حیدر وائیں سے مذاکرات کیے اور انٹیلی جنس ایجنسیوں کی رپورٹوں کے حوالے سے اپنی تشویش سے آگاہ کیا اور بتایا کہ بھارتی انٹیلی جنس ایجنسی ''را'' کی طرف سے محرم کے ایام میں وسیع پیمانے پر فسادات کرائے جانے کا خدشہ موجود ہے اس لئے امن عامہ کی صورت حال بہتر بنانے کے لئے پنجاب مرکز کے ساتھ تعاون کرے۔ اس قومی اہمیت کے معاملے پر پنجاب نے مرکز کے ساتھ

Marfat.com

تعاون کی یقین دہانی کرادی۔

جب غلام اسحٰق خان نے اس معاملے پر پنجاب اور مرکز کو متحد پایا تو انہوں نے فوراً پنجاب کی طرف سے قائم کی جانے والی مذاکراتی کمیٹی کے ارکان کو پریذیڈنٹ ہاؤس طلب کیا۔ اس ملاقات کے بعد پنجاب نے مرکز کے ساتھ تعاون ختم کر دیا۔ اسی روز غلام مصطفیٰ کھر نے اخبار نویسوں کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے پیپلز پارٹی کی حکومت پر ہارس ٹریڈنگ اور کرپشن کے الزامات لگائے۔ بے نظیر بھٹو حیران تھیں کہ پی پی پی میں شامل ہونے کے لئے منت سماجت کرنے والے غلام مصطفیٰ کھر کو راتوں رات کیا ہو گیا ہے۔ دراصل وہ اپنے دیرینہ ساتھی غلام مصطفیٰ جتوئی کے اشارے پر پیپلز پارٹی کی حکومت کے خلاف ایسا کر رہے تھے۔ شروع میں تو انہوں نے ڈبل ایجنٹ کا کردار ادا کیا لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ بے نظیر بھٹو ان پر اعتماد نہیں کر رہیں تو انہوں نے ان کے خلاف بیان دینے شروع کر دیئے۔

بے نظیر بھٹو نے 29 جولائی 1990ء کو غلام اسحٰق خان اور امریکی سفیر رابرٹ اوکلے سے ملاقات کی۔ رابرٹ اوکلے نے بے نظیر سے کہا تھا کہ وہ پہلے غلام اسحٰق خان سے مل لیں وہ بعد میں ملیں گے۔ دراصل رابرٹ اوکلے ڈبل ایجنٹ کا کردار ادا کر رہے تھے۔ اگلے روز متحدہ اپوزیشن کا ایک اجلاس ہوا جس میں تقریباً تمام رہنماؤں نے شرکت کی اس روز ان کے چہروں پر کھیلتی ہوئی مسکراہٹ دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ انہیں 6 اگست 1990ء کو بے نظیر بھٹو کی حکومت ختم ہونے کی خوشخبری سنا دی گئی ہے۔

بے نظیر بھٹو نے آئی ایس آئی کے سربراہ شمس الرحمٰن کلو سے فوج کے فیصلے کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ ٹروپس ریڈ الرٹ ہیں اور فوج کسی بھی وقت حرکت میں آسکتی ہے۔ خواجہ طارق رحیم جو خود کو غلام اسحاق خان کا دوست سمجھتے تھے نے بے نظیر بھٹو کے پاس بیٹھے بیٹھے صدر غلام اسحاق خان سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن ایوان صدر کے عملے نے ان کی اسحاق خان سے کال ملانے سے انکار کر دیا جس پر وہ مشتعل ہو گئے بے نظیر بھٹو کو سمجھ نہ آسکی کہ خواجہ طارق رحیم کیا ڈرامہ کر رہے ہیں۔ آخر بے نظیر بھٹو نے اپنے ملٹری سیکرٹری سے کہا کہ وہ ان کی غلام اسحاق خان سے بات کرائیں۔ غلام اسحاق خان کچھ دیر بعد لائن پر آئے اور بے نظیر بھٹو کو بتایا کہ انہوں

Marfat.com

نے اسمبلیاں توڑ دی ہیں۔

محترمہ بے نظیر بھٹو نے بیس ماہ تک حکومت کی لیکن اقتدار کی یہ منزل ان کے لئے کانٹوں کی سج ثابت ہوئی کیوں کہ ایک طرف مرزا اسلم بیگ اور صدر غلام اسحٰق خان ان کی حکومت کے سازشوں میں مصروف تھے اور دوسری طرف اپوزیشن جماعتوں پر مشتمل ایک بڑا گروپ ان کی حکومت میں نقب لگانے کے در پے رہا۔ قیوم نظامی لکھتے ہیں:

> ''محترمہ بے نظیر بھٹو پاکستان کی تاریخ کی ایک ایسی مجبور اور بے بس وزیر اعظم تھیں جن کو بیس ماہ تک ایک تنے ہوئے رسے پر چلنا پڑا۔ پارلیمنٹ میں انہیں اکثریت حاصل نہیں تھی، مارشل لاء کی یادگار آٹھویں ترمیم ان کے راستے میں حائل تھی، پاکستان کے سب سے بڑے صوبے پنجاب اور بلوچستان پر ان کی پارٹی کی حکومت نہ تھی، وزیر خارجہ اور صدر پاکستان اسلامی جمہوری اتحاد کے ہم خیال تھے، سینٹ میں ان کی نمائندگی نہ ہونے کے برابر تھی۔ صرف پاکستان کے غریب عوام ان کے ساتھ تھے۔ محترمہ بے نظیر بھٹو کو عوام دشمن اور جمہوریت دشمن ریاستی ڈھانچہ ورثے میں ملا۔ گیارہ سالہ طویل مارشل لاء کے پیدا کردہ سیاسی، سماجی، معاشی اور آئینی مسائل ان کو درپیش تھے۔ سندھ کے امن وامان کا مسئلہ ان کے لئے بڑا چیلنج تھا مگر کراچی اور حیدر آباد میں ایم کیو ایم کا زور تھا جس نے پی پی پی سے دل سے تعاون نہ کیا۔ آئی جے آئی جو محض ایک انتخابی اتحاد تھا بے نظیر دشمنی کی وجہ سے انتخابات کے بعد بھی قائم رہا اور آئی جے آئی کے رہنماؤں نے 1988ء کے انتخابی نتائج کو قبول نہ کیا۔'' (بے نظیر حکومت کے بیس ماہ)

پاکستان پیپلز پارٹی کے اندر ایک ایسا گروہ بھی موجود تھا جو بے نظیر بھٹو کو پنجاب حکومت کے ساتھ تعاون نہ کرنے کے مشورے دینے میں پیش پیش رہا جب بھی بے نظیر بھٹو نے پنجاب حکومت کے ساتھ مفاہمت کے لئے کوشش کی یہ گروپ ان کوششوں کو سبوتاژ کر دیتا۔ جس کا نتیجہ بالآخر یہ نکلا کہ 6 اگست 1990ء کو بے نظیر حکومت برطرف کر دی گئی۔

Marfat.com

بے نظیر بھٹو دور کی نمایاں خدمات

بے نظیر بھٹو کا دور حکومت اگرچہ گونا گوں مشکلات کا شکار رہا۔ مرکز اور صوبائی حکومتوں کے درمیان شدید کشمکش جاری رہی۔ فوجی قیادت اور صدر مملکت کی طرف سے مسلسل سازشوں کے جال بنے جاتے رہے لیکن ان مشکل حالات کے باوجود بھی بے نظیر بھٹو کی حکومت مختلف شعبوں میں نمایاں خدمات انجام دینے میں کامیاب رہی اور پی پی پی کی حکومت کے بنیادی انسانی حقوق کے احترام کے مثالی ریکارڈ کے لئے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا:

دینی خدمات:

جناب ذوالفقار علی بھٹو نے جب پاکستان پیپلز پارٹی قائم کی تھی تو اس وقت پارٹی کا سب سے اولین نعرہ ''اسلام ہمارا دین ہے'' جناب ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے دور حکومت میں جو دینی خدمات انجام دیں وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔ عظیم رہنما ذوالفقار علی بھٹو شہید کی بیٹی محترمہ بے نظیر بھٹو جو اب شہید ہو چکی ہیں نے بھی اپنے دور حکومت میں نمایاں دینی خدمات انجام دیں۔ اگرچہ اس سے پہلے حال ہی میں ملک نے ایک ایسی طویل ترین آمریت سے نجات حاصل کی تھی جس کا اوڑھنا بچھونا ہی ''اسلامی نظام کے نفاذ'' کے لئے عملی اقدامات کرنا تھا لیکن آمریت کے اس طویل دور میں اسلامی نظام کا نفاذ محض اپنے مقاصد حاصل کرنے اور مخالفین سے انتقام لینے تک محدود رہا۔ جبکہ پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت نے اپنے دور اقتدار میں اسلام کی ترویج کے عملی اقدامات کر کے ثابت کر دیا تھا کہ صحیح معنوں میں اسلام کی خدمت اور ترویج پر یقین رکھتی ہے۔

☆ بے نظیر بھٹو کے دور حکومت میں لاہور سے براہ راست حج پرواز شروع کی گئی۔

☆ بے نظیر بھٹو کے دور حکومت میں بین الاقوامی سیرت کانفرنس منعقد کی گئی۔

Marfat.com

☆ پاکستان بھر سے 200 مستحق مسلمانوں کو سرکاری خرچ پر حج کی سہولت فراہم کی گئی۔

☆ اسلامی نظریاتی کونسل کی تشکیل نو کی گئی۔

☆ اسلامی شعائر کی ترویج کے حوالے سے کیے جانے والے اقدامات کے تسلسل کو قائم رکھنے کے لئے ملک کے جید عالم دین مولانا سراج دین پوری کو وزیر اعظم کا مشیر مقرر کیا گیا تا کہ وہ دینی امور کے سلسلے میں وزیر اعظم کو مشورے دے سکیں اور ان پر عمل درآمد کے ذمہ دار ہوں۔

☆ پاکستان کے چاروں صوبوں میں علماء کے کنونشن منعقد کیے گئے اور اسلام کو درپیش خطرات کے حوالے سے گفتگو کی گئی۔

☆ محترمہ بے نظیر بھٹو نے اقتدار سنبھالنے کے فوری بعد سب سے پہلے سعودی عرب کا دورہ کیا اور دوطرفہ تعلقات میں بہتری لانے اور حجاج کرام کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں بہم پہنچانے کے حوالے سے بات چیت کی۔ چنانچہ آئندہ کے لئے زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو حج کی سعادت حاصل کرنے کے مواقع نصیب ہوئے اور رہائش کے بہتر انتظامات کیے جانے لگے۔

☆ حکومت پاکستان کی کوششوں اور وزارت مذہبی امور کے اقدامات اور ترویج اسلام کے نتیجے میں ایک سال میں 250 ہندوؤں نے اسلام قبول کر لیا۔

☆ بے نظیر بھٹو کی حکومت نے مختلف ممالک سے لاکھوں کی تعداد میں قرآن پاک کے نسخے حاصل کر کے مستحق مسلمانوں میں تقسیم کیے۔

دفاع پاکستان:

پاکستان میں گیارہ سال تک فوج کے سیاست میں ملوث رہنے کی وجہ سے نہ صرف فوج کی پیشہ وارانہ صلاحیتیں بھی متاثر ہوئیں بلکہ عوام اور فوج کے درمیان ایک خلیج پیدا ہو گئی۔ بے نظیر بھٹو کے دور حکومت میں دفاع پاکستان پر خصوصی توجہ دی گئی۔ بے نظیر بھٹو نے امریکہ برطانیہ اور ان کے حلیفوں پر واضح کیا کہ اگر ضرورت پڑی تو ہم اپنی سلامتی اور حفاظت کے لئے ایٹمی ہتھیار بھی بنائیں گے۔ جنرل مرزا اسلم بیگ کی سربراہی میں فوج نے اپنے پیشہ وارانہ دفاعی امور کی طرف توجہ مرکوز رکھی جس کے نتیجے میں عوام کا پاکستانی فوج پر اعتماد بحال ہوا۔

Marfat.com

☆ حملہ آوروں کا سراغ لگانے کے لئے جدید ترین ریڈار نے کام شروع کر دیا۔

☆ بے نظیر بھٹو کے دور میں پاکستان نے امریکہ سے 60 ایف سولہ طیارے انتہائی موزوں قیمت پر حاصل کیے۔

☆ پاکستان میں فوجی آمریت کے سابق دور کے برعکس سیاچن کا دفاع یقینی بنایا گیا اور محترمہ بے نظیر بھٹو نے بحیثیت وزیراعظم پاکستان سیاچن گلیشئر کا دورہ کیا۔

☆ پاکستان ہر قسم کے گولہ بارود کی تیاری میں خودکفیل ہو گیا۔

☆ پاکستان نے ملک کے اندر طیارے بنانے شروع کر دیئے۔

☆ بے نظیر بھٹو کے دور میں دو امریکی فریگیٹ پاک بحریہ کے حوالے کیے گئے۔

خارجہ پالیسی کے اہم پہلو:

گیارہ سالہ طویل فوجی آمریت اور انسانی حقوق کی پامالی کے نتیجے میں بین الاقوامی سطح پر پاکستان کا وقار مجروح ہو چکا تھا۔ بے نظیر بھٹو نے اقتدار سنبھالنے کے فوراً بعد چار ممالک کا سرکاری دورہ کیا جبکہ سعودی عرب اور دوبئی کا غیر سرکاری دورہ کیا۔ بے نظیر بھٹو عمرے کی ادائیگی کے لئے سعودی عرب گئی تھیں جہاں شاہ فہد نے اپنا ذاتی طیارہ بھیج کر وزیراعظم کو مکہ مکرمہ سے ریاض آنے کی دعوت دی اور ذاتی طور دوبئی فون کر کے شیخ زید بن سلطان النہیان سے محترمہ بے نظیر بھٹو کی دوبئی آمد میں تاخیر پر معذرت کی۔ بے نظیر بھٹو نے ترکی ایران چین اور شمالی کوریا کے بھی دورے کیے جہاں انہیں غیر معمولی پذیرائی حاصل ہوئی۔ بے نظیر بھٹو کے بین الاقوامی اثر رسوخ کی وجہ سے پاکستان کے وقار میں اضافہ ہوا اور امریکہ اور برطانیہ سمیت مختلف ممالک کے ساتھ تعلقات کار میں بہتری آئی۔

☆ روس نے کراچی سٹیل ملز کی توسیع کے لئے ایک ارب ڈالر امداد دینے کا اعلان کیا۔

☆ محترمہ بے نظیر بھٹو کی سفارتی کوششوں کے نتیجے میں امریکہ نے پاکستان کی امداد میں اضافہ کر دیا۔

☆ محترمہ بے نظیر بھٹو کے مختصر دور اقتدار میں روس نے پاکستان میں سٹیل ملز لگانے کے لئے مالی امداد دینے کا فیصلہ کیا اور روس سے سٹیل انڈسٹری کی ٹیکنالوجی حاصل کرنے کا معاہدہ کیا۔

Marfat.com

☆ پاکستان جو جنرل ضیاء الحق کے دور میں دولت مشترکہ سے علیحدہ کر دیا گیا تھا بے نظیر بھٹو کے دور میں ایک مرتبہ پھر دولت مشترکہ میں شامل ہو گیا۔

☆ چین نے پاکستان کو 5 کروڑ ڈالر کا بلاسود قرضہ دینے کا اعلان کیا اور اس کے علاوہ پاکستان میں بڑھتے ہوئے توانائی کے بحران پر قابو پانے کے لئے تین سو میگاواٹ کا ایک ایٹمی بجلی گھر دینے کا معاہدہ کیا۔

☆ ایشیائی ممالک کے تعاون کی تنظیم ''سارک'' کی کانفرنس پاکستان میں منعقد ہوئی جس میں بھارت سمیت دیگر ممبر ممالک نے شرکت کی۔

☆ بے نظیر بھٹو کے دور میں جمہوری ممالک کی ایسوسی ایشن بنانے کا تصور پیش کیا گیا۔

☆ اپنے ہمسایہ ملک بھارت کے ساتھ بھی برابری کی بنیاد پر تعلقات کار بہتر بنانے پر توجہ دی گئی اور اس کے نتیجے میں نہ صرف بھارت کے ساتھ تعلقات بہتر ہوئے بلکہ دونوں ممالک نے ایک دوسرے کی ایٹمی تنصیبات پر حملہ نہ کرنے کا معاہدہ کیا۔

☆ پاکستان اور بھارت کے درمیان تنازعہ کشمیر ایک بنیادی مسئلہ ہے قیام پاکستان کے وقت سے ہی حل طلب ہے چنانچہ بے نظیر بھٹو کے دور میں اس مسئلے پر اسلامی ممالک کی حمایت حاصل کی گئی۔

☆ بے نظیر بھٹو کے دور میں ایسے اقدامات اٹھائے گئے کہ مسئلہ افغانستان اپنے انجام کو پہنچ گیا اور روسی افواج افغانستان سے نکل گئیں۔

☆ کنسورشیم نے پاکستان کی امداد میں اضافہ کر دیا۔

☆ آئی ایم ایف جو آمریت کے دور میں پاکستان کو نہایت سخت شرائط پر قرضہ دے رہا تھا اس نے بے نظیر بھٹو کی درخواست پر قرضہ کی شرائط نرم کر دیں۔

☆ دنیا کی کئی مشہور بین الاقوامی تنظیموں نے محترمہ بے نظیر بھٹو کو ان کی جمہوری جدوجہد اور پاکستان میں انسانی حقوق کی بحالی پر خصوصی ایوارڈ دیئے۔

تیل و گیس:

پیپلز پارٹی کی حکومت کے دور اقتدار میں توانائی کے بحران پر قابو پانے کے لیے تیل و

Marfat.com

گیس جیسے قومی نوعیت کے شعبے محترمہ بے نظیر بھٹو کی براہ راست نگرانی میں کام کرتے رہے۔ انہوں نے تھرمل پاور پراجیکٹ کی منظوری دی جو نجی شعبہ میں دنیا میں توانائی کا سب سے بڑا منصوبہ تھا۔

☆ ایک سال کے اندر لاکھوں شہریوں کو سوئی گیس مہیا کی گئی۔

☆ تیل کی ترسیل آسان بنانے کے لئے 850 میل لمبی پائپ لائن بچھائی گئی۔

☆ تیل اور گیس کی پیداوار میں 22 فیصد تک کا اضافہ ہوا۔

☆ پیپلز پارٹی کی حکومت کی کوششوں سے ایک سال میں دس آئل فیلڈ دریافت کیے گئے۔

☆ تیل کی پیداوار 58 ہزار بیرل یومیہ ہوگئی اور تیل صاف کرنے کے لئے ریفائنری لگانے کے لئے منصوبہ بندی کی گئی۔

پریس کی آزادی:

پاکستان میں آمریت کے طویل دور میں پریس پر سخت پابندیاں عائد کردی گئی تھیں حتیٰ کہ اپوزیشن جماعتوں کی خبروں کا اخبارات میں چھپنا ناممکن ہوگیا تھا۔ اظہار تقریر اور تحریر پر سخت پابندی تھی خلاف ورزی کرنے والوں کو ایک سال قید بامشقت اور دس کوڑوں کی سزا دی گئی۔ جنرل ضیاء الحق کے طیارے کے حادثے میں ہلاک ہونے کے نتیجے میں جب عام انتخابات منعقد ہوئے اور پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت قائم ہوئی تو پریس پر سے تمام پابندیاں اٹھالی گئیں جس کی تفصیل اس طرح ہے:

☆ نیشنل پریس ٹرسٹ کو نجی شعبہ میں دینے کے لئے منصوبہ بندی کی گئی تاکہ اخبارات پر سے حکومت کا کنٹرول ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے۔

☆ نیوز پرنٹ کے کوٹہ سسٹم کو سابقہ فوجی حکومت اخبارات پر سیاسی دباؤ اور بلیک میل کے طور پر استعمال کرتی تھی چنانچہ عوامی حکومت آنے کے بعد نیوز پرنٹ کا کوٹہ سسٹم ختم کردیا گیا تاکہ ہر قسم کی خبریں آزادانہ طور پر عوام تک پہنچ سکیں۔

☆ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے سیاسی بنیادوں پر برطرف کیے جانے والے ملازمین کو بحال کردیا گیا۔

Marfat.com

☆ الیکٹرانکس میڈیا پر سے پابندی اٹھالی گئی اور بلیک لسٹ کئے جانے والے شاعروں ادیبوں اور صحافیوں کو بحال کر کے بلاتفریق ٹی وی اور ریڈیو پروگرام پیش کرنے کی اجازت دے دی گئی۔

☆ اخبارات کو بلاامتیاز اشتہارات کا اجراء کیا گیا۔

☆ پریس سنسر شپ کے کالے قوانین ختم کر دیئے گئے۔

☆ صحافیوں کے بیرونی دورہ کے لئے این او سی حاصل کرنے کی پابندی ختم کر دی گئی۔

منشیات اور ڈرگ مافیا:

جب بے نظیر بھٹو نے اقتدار سنبھالا تو اس وقت ملک پر سابق فوجی حکومت کے دور کے منشیات فروشوں کا کافی اثر رسوخ تھا۔ جنرل محمد ضیاء الحق کے دور میں متعدد فوجی افسران اور جنرل ضیاء الحق کے ساتھی منشیات کی سمگلنگ میں ملوث رہے اور انہوں نے کھلے دل کے ساتھ ملک کے اندر اور غیر ممالک میں منشیات سمگل کیں اور ملک کی بدنامی کا باعث ہوئے۔ ان لوگوں کی گاڑیاں ہر قسم کی چیکنگ سے مبرا سمجھی جاتی تھیں ان میں ایک بڑا نام سرحد کے وزیراعلیٰ جنرل فضل حق کا تھا جس کی امریکہ نے بے نظیر حکومت سے ڈیمانڈ کی تھی تاہم جنرل فضل حق کو اسلامی جمہوری اتحاد کی حمایت حاصل تھی جس کی وجہ سے ایسا نہ کیا جا سکا۔ منشیات کی لعنت ایک ایسا قومی مسئلہ تھا جس نے ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کر کے رکھ دیا تھا محترمہ بے نظیر بھٹو کی حکومت نے اس بڑے چیلنج کو قبول کرتے ہوئے قوم کو ہیروئین کی لعنت سے نجات دلانے کے لئے ٹھوس اقدامات کئے جس کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے۔

☆ ہیروئین کی تیاری میں مصروف بارہ سے زائد لیبارٹریاں تلف کی گئیں۔

☆ بے نظیر بھٹو کے دور حکومت میں منشیات کی سمگلنگ میں ملوث بڑے سمگلروں کو گرفتار کیا گیا۔

☆ ہیروئین کے عادی ہو جانے والے افراد کی بحالی کے لئے کلینک قائم کئے گئے۔

☆ ہیروئین کی تیاری کے لئے خام مال فراہم کرنے والی پوست کی فصلیں تباہ کر دی گئیں۔

☆ بے نظیر بھٹو کے دور میں ہیروئین کے کاروبار اور سمگلنگ کے خاتمے کے لئے ایک الگ وزارت قائم کی گئی۔

Marfat.com

پیداوار:

سابقہ آمریت کے دور میں قومی کارخانوں اور کارپوریشنوں کی حالت نہایت دگرگوں تھی بے نظیر بھٹو کی حکومت نے اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے اس اہم قومی مسئلے کی جانب پوری توجہ دی اور ایک سال کے اندر نتائج حاصل کیئے اور گوادر، گلگت اور سکردو جیسے دور دراز علاقوں کو اسلام آباد سے ملانے کے لئے سٹیلائٹ سٹیشن کی تعمیر مکمل کی گئی۔اسی طرح کراچی اور پشاور کو ملانے کے لئے مائیکروویو چینل کی تعمیر مکمل کی گئی۔دو ہزار چار سو ستائیس افراد کو روزگار کے مواقع فراہم کئے گئے اور بہتر کارکردگی کی بنیاد پر منافع کی شرح میں پچھلے سال کی نسبت 1274 ملین روپے کا اضافہ ہوا۔

☆ پاک امریکن اور پاک عرب فرٹیلائزر فیکٹریوں کی توسیع کی گئی۔

☆ پورٹ قاسم میں توسیع کی گئی۔

☆ بلوچستان ٹیکسٹائل ملز 1983ء میں بند ہوگئی تھی اور 150 کروڑ کی اس مل کو 13 کروڑ روپے میں فروخت کرنے کا فیصلہ کرلیا گیا تھا جس سے پانچ ہزار افراد کے بیروزگار ہونے کا اندیشہ پیدا ہوگیا تاہم پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت نے اسے پھر سے چالو کر کے منافع بخش بنایا اور پانچ ہزار افراد کے بیروزگار ہونے کا خطرہ ٹل گیا۔

☆ سوزوکی موٹر سائیکل دوبارہ تیار ہونا شروع ہو گئے۔

☆ ہیوی مکینیکل کمپلیکس جو خسارے میں جا رہا تھا منافع کی منزل کی جانب رواں ہوگیا۔

☆ پاکستان سٹیل ملز کافی عرصہ سے نقصان میں جا رہی تھی حالانکہ سٹیل ملز قومی معیشت میں ریڑھ کی حیثیت رکھتی ہے۔1989ء میں بہتر منصوبہ بندی کی بنا پر سٹیل ملز کو منافع بخش بنا دیا گیا اور اس کی پیداوار میں اضافہ کیا گیا۔

☆ سوزوکی کار بنانے کا نیا یونٹ لگایا گیا۔

☆ بیمار صنعتوں کو دوبارہ چلانے کی کامیاب کوشش کی گئی۔

☆ ملت ٹریکٹر میں توسیع کی گئی اور پیداوار بارہ ہزار سے بڑھ کر اٹھارہ ہزار ٹریکٹر سالانہ تیار ہونے لگے۔

Marfat.com

صنعتی پالیسی:

بے نظیر بھٹو کے دور حکومت میں 4ارب 77 کروڑ روپے کے تین بڑے صنعتی منصوبوں کی منظوری دی گئی۔ ان تین منصوبوں میں پیٹروکیمکل کا منصوبہ بھی شامل ہے جس پر تین ارب 88 کروڑ کی لاگت آنے کا امکان تھا۔ دوسرا منصوبہ ٹویوٹا کار کا منصوبہ تھا جس پر 58 کروڑ روپے کی لاگت کا تخمینہ لگایا گیا تھا۔ اس منصوبے کے تحت دس ہزار گاڑیاں سالانہ تیار ہونے کا امکان تھا جن میں سے چھ ہزار ہائی لکس گاڑیاں اور دو ہزار جیپیں بھی شامل تھیں۔ تیسرا منصوبہ صوبہ سرحد میں کمرشل ایکسپوسیوز کا قیام تھا جس میں سالانہ 160 ایکسپوسیوز تیار ہونے کا امکان تھا اس منصوبے پر 4 کروڑ روپے لاگت آنے کا امکان تھا۔ نئی صنعتی پالیسی کا مقصد صنعت کاروں کو نئی صنعتوں کے انتخاب اور سرمایہ کاری کے آزادانہ مواقع فراہم کرنا تھا تاکہ مستقبل کے لئے اعلیٰ ٹیکنالوجی پر مبنی معیشت استوار کی جائے جس میں لوگوں کو روزگار کے نئے مواقع فراہم کیے جائیں اور علاقائی ترقی کو متوازی فروغ حاصل ہو۔

☆ نئے صنعتی منصوبوں کی تیزی کے منظوری کی غرض سے منظوری عطا کرنے والی اتھارٹیز میں بنیادی تبدیلیاں لانے کے علاوہ گذشتہ اعلان کردہ صنعتی پالیسی میں بعض دوررس تبدیلیاں کی گئیں۔

☆ بنیادی صنعتوں، شمسی توانائی کے آلات، کمپیوٹر و سوفٹ ویئر، الیکٹرونکس کے آلات اور فرٹیلائزر کا ارتقاء اور پیچیدہ ٹیکنالوجی کے حصول میں اضافہ ہوا۔

☆ کم ترقی یافتہ علاقوں میں صنعتوں کو زیادہ پھیلایا جائے گا تاکہ علاقائی ترقی کو متوازن فروغ حاصل ہو سکے۔

☆ نئی صنعتی پالیسی کے تحت روزگار کے زیادہ سے زیادہ مواقع پیدا کرنے کی کوشش کی گئی اور اس غرض سے ایسے منصوبوں کی حوصلہ افزائی کی گئی جہاں زیادہ افرادی قوت کی ضرورت تھی۔

☆ چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کو مرکزی اہمیت کا حامل سمجھا گیا۔

☆ حکومتی منظوری کے بغیر سرمایہ کاری کی حد بڑھا دی گئی اور بعض مخصوص صنعتوں مثلاً الیکٹرونکس اور ادویات سازی اور کان کنی کو متعدد مراعات دی گئیں۔

Marfat.com

☆ بغیر منظوری کے کسی بھی صنعت کی تنصیب کے لئے مالی حد ستر کروڑ سے بڑھا کر ایک ارب روپے کر دی گئی۔

☆ پاکستان میں کسی بھی جگہ الیکٹرانک کی صنعت کے قیام کے لئے درآمدی خام مال اور آلات کسٹم ڈیوٹی اور سیلز ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دے دیئے گئے۔

☆ ڈرگ ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہر قسم کی ادویات کی تیاری کے لئے فارماسیوٹیکل خام مال کی درآمد پر کسٹم ڈیوٹی اور سیلز ٹیکس کی چھوٹ دی گئی۔

☆ کم ترقی یافتہ علاقوں میں صنعتی ترقی کی خاطر صوبہ سرحد، بلوچستان، فاٹا، شمالی علاقوں اور آزاد کشمیر میں لگائی جانے والی صنعتوں پر آٹھ سال تک انکم ٹیکس کی چھوٹ دی گئی جبکہ پنجاب سے ڈیرہ غازی خان اور بہاولپور ڈویژن اور صوبہ سندھ کے سکھر اور لاڑکانہ ڈویژن کے علاقوں میں یکم جولائی 1988ء تا 30 جون 1993ء کے دوران لگائی جانے والی صنعتوں پر چار سال تک کے لئے انکم ٹیکس کی چھوٹ دینے کا اعلان کیا گیا۔

☆ کان کنی کے ایسے آلات و مشینری پر درآمدی ڈیوٹی کی چھوٹ بحال کر دی گئی جو ملک کے اندر تیار نہیں ہوتے تھے۔

☆ پاکستان بھر میں کلیدی صنعتوں کو چار سال کے لئے ٹیکس میں چھوٹ دینے کا اعلان کیا گیا جو کہ ساتویں پنج سالہ منصوبے کے آخر یعنی 30 جون 1993ء تک قائم کی گئیں۔

☆ نئی صنعتی پالیسی کے تحت ذرائع آمدن بتائے بغیر سرمایہ کاری کرنے والوں کے لئے ترغیبات فراہم کی گئیں بشرطیکہ سرمایہ کار دس فیصد ٹیکس ادا کرے اور متعدد ٹیکس ترغیبات، محل وقوع کی پالیسی اور مقامی طور پر مصنوعات سازی کے پروگرام کی تفصیلات فراہم کرے۔

نئی تجارتی پالیسی:

کاشتکاروں، صنعتکاروں اور برآمدی تاجروں کے لئے بہتر مراعات کا اعلان، ملکی صنعت کو پابندیوں کے بجائے ٹیرف کے ذریعے تحفظ دیا گیا۔

☆ ایشیائی ترقیاتی بینک کی مالی اعانت سے ملتان میں انسٹیٹیوٹ آف کاٹن قائم کرنے کا اعلان

Marfat.com

کیا گیا۔

☆ ٹیکسٹائل مشینری ماسوائے سوت بنانے کی مشینری، چمڑے کی مصنوعات کے لئے مشینری ماسوائے رنگنے یعنی ٹیگنگ کی مشینری اور سبزیوں اور پھلوں کو برآمد کے لئے تیار کرنے والی مشینری پر ڈیوٹی اور سیلز ٹیکس معاف کر دیا گیا۔ یہ رعایت پانچ سال کے لئے دی گئی۔

☆ ابتدائی تنصیب کے لئے مشینری کی درآمدی حد آٹھ کروڑ روپے تک بڑھا دی گئی، ٹوٹ پھوٹ کی شکل میں مشینری کے درآمدی لائسنس دو گھنٹے کے اندر جاری کرنے کا اہتمام کیا گیا۔ برآمدات سے ہونے والی آمدنی پر 7 فیصد ٹیکس سے مستثنٰی چیزوں کی فہرست میں مزید 13 چیزوں کا اضافہ کیا گیا۔

☆ چمڑے کے پارچہ جات بنانے کے لئے ڈیزائن، پنچ کارڈوں اور پینٹنگز کی درآمد پر درآمدی ڈیوٹی ختم کر دی گئی۔ ہوزری بنانے کی مشینری اگر سیکنڈ ہینڈ حالت میں درآمد کی جاتی تو اسے پرزوں کی درآمد ہی تصور کیا جاتا اور اس پر درآمدی ڈیوٹی، سیلز ٹیکس اور سرچارج ختم کر دیا گیا۔

☆ برآمدات کے لئے 50 فیصد بینک کریڈٹ میں اضافہ کرنے کا اعلان کیا گیا، ادا شدہ سیلز ٹیکس اور ڈیوٹی میں تاخیر کے مسئلے سے نپٹنے کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کی روشنی میں بہتر حکمت عملی وضع کرنے سہولت دی گئی۔

☆ نجی شعبوں کے تعاون سے ایک ڈیزائن انسٹیٹیوٹ قائم کرنے کا اعلان کیا گیا تا کہ یہ ادارہ کپڑے کے پارچہ جات کے معیار کو بہتر بنانے میں مددگار ثابت ہو۔

☆ منظور شدہ ہسپتال ایمبولینس منگوا سکتے تھے۔

☆ چاول کے پیکٹوں پر ڈیوٹی ختم کر دی گئی، نجی شعبہ 25 کلوگرام تک پیکٹوں میں باسمتی چاول برآمد کر سکتا تھا۔

☆ جوتوں کے اوپر والے حصے کی تیاری پر سیلز ٹیکس ختم کر دیا گیا۔

☆ نجی کارگو سروس چلانے کی اجازت دی گئی۔

☆ ایران نے پاک ایران مشترکہ سرمائے سے قائم کی جانے والی ٹیکسٹائل ملز میں دوبارہ چلانے کے لئے 20 ملین ڈالر فراہم کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔

Marfat.com

ترقیاتی منصوبے:

طویل آمریت کے دور میں سرمایہ دارانہ پالیسیوں کی وجہ سے ایک طرف تو صرف مراعات یافتہ طبقات کا ہی تحفظ ہوتا رہا اور دوسری طرف فوجی جنتا ہی فیض یاب ہوتی رہی جبکہ عام آدمی کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ بے نظیر بھٹو کی حکومت نے عوامی کی خوشحالی کے لئے متعارف کرائی گئی پالیسیوں کے ثمرات عام آدمی تک پہنچانے کے لئے اقدامات کئے اور اس سلسلے میں بہت سی سکیمیں اور غریب عوام کو بنیادی سہولتیں فراہم کرنے کے لئے منصوبہ بندی کی۔ ابتدائی طور پر حب پاور پراجیکٹ کی تکمیل کے سلسلہ میں عالمی بنک اور بین الاقوامی مالیاتی اداروں سے معاہدہ کیا۔

☆ پاکستان میں سرمایہ کاری کے لئے غیر ضروری پابندیاں ختم کر دی گئیں، درآمدی اور برآمدی پالیسی میں توازن پیدا کیا گیا۔ صنعتکاروں اور تاجروں کو سہولتیں مہیا کی گئیں۔

☆ بے نظیر بھٹو کی حکومت کی بہتر منصوبہ بندی کے نتیجے میں افراط زر میں کمی واقع ہو گئی۔

☆ جمہوریت کی بحالی کے بعد بیرونی امداد میں 22 فیصد اضافہ ہوا۔

☆ کرپشن کو ختم کرنے کے لئے سونے کی درآمد پر پابندی ختم کر دی گئی۔

☆ عوامی حکومت کی منصفانہ اور قومی پالیسیوں کی وجہ سے افراط زر کی شرح میں نمایاں کمی ہوئی جو 9 فیصد سے 5 فیصد ہو گئی اور زرمبادلہ کے ذخائر 200 بلین سے 600 بلین روپے ہو گئے۔

☆ پاکستان کے قومی سرمائے کو قومی اور عوامی مفاد میں استعمال کرنے اور کرپشن ختم کرنے کے لئے منصوبہ بندی کی گئی جس کے نتائج جلد سامنے آنا شروع ہو گئے۔

☆ سٹاک ایکسچینج کی قیمت میں اضافہ ہوا۔

☆ پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار غیر ترقیاتی اخراجات میں 300 کروڑ روپے کی کمی کی گئی۔

☆ انویسٹمنٹ بورڈ تشکیل دیا گیا جس کی چیئرمین وزیراعظم پاکستان تھیں۔

مواصلات:

وسائل کی کمی کے باوجود مواصلات کے شعبے میں تسلی بخش ترقی ہوئی جس کا اندازہ محکمہ

Marfat.com

کی ایک سالہ کارکردگی سے لگایا جا سکتا ہے۔

نئی ٹیلی فون ایکسچینج لائن: 64400

نئے ٹیلی فون کنکشن: 99391

نئے شہروں کو پورے ملک سے ملایا گیا: 14

☆ کئی شہروں کا ملک کے دیگر شہروں سے رابطے کے لئے ٹیلی فون کے ڈائریکٹ ڈائلنگ سسٹم کا قیام۔

بجلی و پانی:

پاکستان کے شہروں میں تو بجلی اور پانی کی ترسیل کا وافر انتظام ہوتا ہے لیکن ہمارے دیہات ابھی تک بھی بجلی اور پانی کی نعمت سے محروم ہیں۔ مراعات یافتہ طبقات ویسے بھی دیہاتی آبادی کو انسانوں کے زمرے میں شمار کرنے سے ہچکچاتے ہیں اور انہیں سہولیات فراہم کرنے کی ضرورت کو اہمیت نہیں دیتے۔ لیکن پاکستان کی وزیراعظم محترمہ بے نظیر بھٹو نے برسراقتدار آتے ہی بجلی و پانی کی سپلائی کی طرف خصوصی توجہ دی اور اس شعبے میں اہم تاریخی ریکارڈ قائم کئے۔

☆ پانچ لاکھ نوے ہزار بجلی کے کنکشن دیئے گئے ماضی میں ایک سال میں کبھی اتنے کنکشن نہیں دیئے گئے۔

☆ رشوت کے خاتمے کے لئے اور صارفین کی سہولت کے لئے دیہات میں 45 دن اور شہروں میں 35 دن کے اندر بجلی حاصل کرنے کا ٹارگٹ دیا گیا۔

☆ جمہوری حکومت کے بروقت اقدامات کی وجہ سے تین سال کے اندر لوڈ شیڈنگ مکمل طور پر ختم ہونے کی توقع تھی۔

☆ ایک ہزار میگاواٹ پر مشتمل غازی گھریالہ پراجیکٹ اور نیلم جہلم پراجیکٹ کا آغاز کیا گیا۔

☆ نجی شعبہ کی حوصلہ افزائی کی گئی چونکہ بجلی گھر کے لئے ایک ہزار ملین ڈالر کی نجی سرمایہ کاری کے لئے منصوبہ بندی کی گئی جو کہ ایک ریکارڈ ہے۔

☆ کالا باغ ڈیم اور بھاشا ڈیم کے سلسلے میں صوبوں میں بہتر مفاہمت کی کوشش کی گئی۔

☆ پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار ایک سال کے اندر چار ہزار دیہات کو بجلی فراہم کی گئی اور

Marfat.com

صدیوں کے تاریک دیہات روشنی سے منور ہوئے۔

☆ دور دراز کے علاقوں میں بارش کے پانی کو کنٹرول کرنے کے لئے سکیم بنائی گئی تاکہ پانی سے فصلوں کے نقصان کو بچایا جا سکے اور اسے فائدہ اٹھایا جائے۔

☆ سیم وتھور پر قابو پانے کے لئے منصوبہ بندی کی گئی۔

☆ بجلی کا کمپیوٹر سسٹم رائج کیا گیا تاکہ چوری اور رشوت خوری کے تمام دروازے بند کئے جا سکیں۔

پیپلز پروگرام:

بے نظیر بھٹو کی حکومت نے اقتدار سنبھالتے ہی پیپلز پروگرام کا اجراء کیا، اس پروگرام کے تحت ملک میں تین ارب روپے خرچ کرنے اور زندگی کے نظر انداز کئے جانے والے شعبوں کے لئے منصوبہ بندی کی گئی۔ پیپلز پروگرام کے تحت غریب دیہاتیوں کی فلاح و بہبود کے منصوبے، روزگار کے مواقع، سڑکوں کی تعمیر ڈسپینسریاں قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

☆ ملک کے ہر شہر اور گاؤں میں اہم نوعیت کی سڑکیں تعمیر کرنے کی منصوبہ بندی کی گئی۔

☆ پیپلز پروگرام کے تحت محنت کش لوگوں میں سائیکلیں تقسیم کی گئیں۔

☆ کئی مسجدوں کی تعمیر اور مرمت کے لئے پیپلز پروگرام سے فنڈز مہیا کئے گئے۔

☆ پیپلز پروگرام کے تحت جاری کئی منصوبوں کا افتتاح وزیر اعظم پاکستان نے خود کیا۔

☆ بیوہ عورتوں اور یتیم افراد کو وظیفے دیئے گئے۔

☆ بیوہ عورتوں میں سلائی مشینیں تقسیم کی گئیں۔

تعلیم:

پاکستان دنیا کا واحد ملک ہے جہاں سرمایہ دار اور جاگیر دار طبقات ہمیشہ غریبوں کو تعلیم سے محروم رکھنے کی کوشش کرتے رہے ہیں تاکہ انہیں اپنے حقوق کا شعور حاصل نہ ہو سکے اور وہ ان کا استحصال کرتے رہیں۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت استحصال سے پاک معاشرے کے قیام کی جدوجہد میں مصروف رہی ہے۔ تاریخ میں پہلی بار بجٹ میں تعلیم کے لئے سب سے زیادہ رقم رکھی گئی، وزارت تعلیم نے پچاس ہزار افراد کو بحیثیت استاد روزگار فراہم کرنے کی سکیم کا اعلان کیا۔

Marfat.com

عوام کو تعلیم کی اہمیت سے آگاہ کرنے، شرح خواندگی میں اضافہ کرنے، پاکستان کے ہر گاؤں میں پرائمری سکول کھولنے اور تعلیم کو سستا اور عام کرنے کے لئے منصوبہ بندی کی گئی۔

یوتھ پالیسی:

سابقہ فوجی حکومت نے مخصوص افراد اور خاندانوں کی ترقی اور خوشحالی کی طرف توجہ دی جبکہ جمہوریت کی بحالی کے بعد طبقوں اور اداروں کی طرف توجہ دی تا کہ پاکستان کو مضبوط اور خوشحال ملک بنایا جا سکے۔ نوجوانوں کو ہمیشہ نظر انداز کیا گیا اس کی وجہ یہ تھی کہ قومی اور ملکی بحرانوں اور آمروں کا مقابلہ کرنے میں نوجوان ہمیشہ پیش پیش رہے چنانچہ عوامی حکومت نے پاکستان میں پہلی بار نوجوانوں کی ایک الگ وزارت قائم کی تا کہ نوجوانوں کے مسائل پر خصوصی توجہ دی جا سکے۔

☆ پچاس ہزار نوجوانوں کو سکولوں میں بطور استاد روزگار دینے کا فیصلہ کیا گیا۔

☆ خواندگی کے ساٹھ ہزار نئے مراکز قائم کیے گئے۔

☆ یوتھ قرض سکیم کو بہتر اور آسان بنایا گیا۔

☆ بے روزگار نوجوانوں کے لئے غیر ممالک میں روزگار کے مواقع فراہم کرنے کے لئے منصوبہ بندی کی گئی۔

☆ نوجوانوں کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لئے منصوبہ بندی کی گئی۔

☆ فیڈرل یوتھ کونسل کا قیام عمل میں لایا گیا۔

خواتین کی ترقی:

سابقہ مارشل لائی دور میں خواتین کو ان کے حقوق سے محروم رکھا گیا حالانکہ ملک میں عورتوں کی آبادی مردوں کی نسبت زیادہ ہے بے نظیر بھٹو کی حکومت نے خواتین کو معاشرے میں مساوی مقام دینے کا اعلان کیا۔

☆ اسلام آباد میں عورتوں کو ٹریننگ دینے کے لئے کمپیوٹر سنٹر کھولا گیا۔

☆ بیوہ سرکاری ملازمین کی رہائش کے لئے اسلام آباد میں نصرت ہاؤس کی تعمیر کا فیصلہ کیا گیا۔

☆ خواتین کو باعزت روزگار فراہم کرنے اور ملکی معیشت میں مناسب مقام دینے کے لئے فرسٹ

Marfat.com

ویمن بنک قائم کیا گیا۔

☆ قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں عورتوں کو زیادہ نشستیں دینے کا اعلان کیا گیا۔

☆ عورتوں کی فلاح و بہبود اور ترقی کی تنظیموں کی حوصلہ افزائی کی گئی۔

☆ وفاقی کابینہ میں پہلی دفعہ خواتین کو زیادہ نمائندگی دی گئی۔

☆ پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار خواتین کی ایک الگ وزارت قائم کی گئی۔

☆ سرکاری ملازمتوں میں عورتوں کا کوٹہ مقرر کیا گیا۔

سماجی بہبود:

پاکستان پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں سماجی بہبود کے کاموں کی طرف خصوصی توجہ دی گئی اور بچوں کی بہترین نشوونما کے لئے یونیسیف کے تعاون سے 11 ملین روپے صرف کرنے کی منصوبہ بندی کی گئی۔

☆ نوجوانوں اور خواتین کی بہبود کے لئے بھی مختلف سکیمیں تیار کی گئیں اور ان کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لئے انہیں پیشہ وارانہ شعبوں میں تربیت دینے کا انتظام کیا گیا۔

☆ بوڑھے شہریوں کی فلاح و بہبود کے لئے مختلف نوعیت کی سکیمیں جاری کی گئیں۔

☆ راولپنڈی اور اسلام آباد میں سلائی مرکز تعمیر کیا گیا جہاں پانچ سو عورتوں کو تربیت دینے کی گنجائش رکھی گئی۔

☆ مریضوں کی دیکھ بھال کے لئے سوشل ویلفیئر پراجیکٹ قائم کیا گیا۔

ہاؤسنگ و تعمیرات:

☆ بے گھر افراد کے لئے قومی اسمبلی کے ہر حلقہ میں پندرہ سو مکانات کی تعمیر کا اعلان کیا گیا۔

☆ ملک بھر میں کچی آبادیوں کو پختہ بنانے کے لئے وزارتی کمیٹی تشکیل دی گئی۔

☆ امریکہ کی جانب سے ہاؤسنگ کے لئے 465 ملین ڈالر کی امداد کا اعلان کیا۔

☆ بیوہ سرکاری ملازمین کے رہائش کے لئے اسلام آباد میں نصرت ہاؤس کی تعمیر کا اعلان کیا گیا۔

☆ حکومتی اراضی بے گھر افراد میں تقسیم کرنے کا اعلان کیا گیا۔

Marfat.com

☆ اسلام آباد اور کراچی میں سرکاری ملازمین کے لئے ہزاروں مکانات تعمیر کئے گئے۔

لیبر اصلاحات:

محنت کش عوام کسی قوم کے حقیقی معمار ہوتے ہیں، دنیا کی تمام تر ترقی ان کی محنت کی مرعون منت ہوتی ہے۔ بے نظیر بھٹو کی حکومت نے ایک سال کے دوران لیبر اصلاحات نافذ کیں اور سابقہ آمریت کے زمانے سے عوام کے غصب شدہ حقوق واپس کئے گئے۔

☆ ہزاروں محنت کش جنہیں سابقہ فوجی حکومت کے دور میں سیاسی وجوہ کی بنا پر برطرف کیا گیا تھا اپنی ملازمتوں پر بحال کیا گیا۔

☆ مزدوروں کی تنخواہوں میں اضافہ کیا گیا۔

☆ مزدوروں کے بچوں کو تعلیم کے لئے وظائف مختص کئے گئے۔

☆ ٹریڈ یونین سرگرمیوں پر سے پابندی اٹھالی گئی تاکہ مزدور اپنے مفادات کا تحفظ کرسکیں۔

☆ مزدوروں کا کارخانوں کی آمدنی میں حصہ مقرر کیا گیا۔

☆ بے نظیر بھٹو کے دور حکومت میں اسلام آباد اور دوسرے بڑے شہروں میں لیبر کالونیاں تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

☆ مزدوروں کو انتظامیہ میں شریک کیا گیا۔

☆ پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت 14 اگست 1990ء کو لیبر پالیسی کے بارے میں تاریخی اعلان کرنے والی تھی کہ اس کی حکومت ختم کردی گئی۔

صحت:

ایک صحت مند قوم ہی ملک کی خدمت اور ترقی کی منازل طے کرسکتی ہے۔ پاکستان کے ہر شہری کو صحت کی مناسب سہولت فراہم کرنے کے لئے ایک مثالی پالیسی ترتیب دی گئی۔

☆ ہسپتالوں میں کام کرنے والے تمام ایڈہاک ڈاکٹروں کو مستقل کردیا گیا۔

☆ جعلی دوائیوں کی روک تھام کرنے کے لئے دوائیوں کی کوالٹی کو کنٹرول کرنے کے لئے منصوبہ بندی کی گئی۔

Marfat.com

بے نظیر بھٹو حکومت کی برطرفی کے بعد

بے نظیر بھٹو کی حکومت گرانے میں صدر غلام اسحٰق خان مختلف سیاسی جماعتوں اور فوجی قیادت نے اہم کردار ادا کیا تھا جب بے نظیر بھٹو وزیر اعظم ہاؤس چھوڑ کر کراچی کے لئے روانہ ہوئیں اس وقت غلام مصطفیٰ جتوئی اپنی نگران کابینہ کے اجلاس میں مصروف تھے اور انہوں نے انتخابات سے پہلے احتساب کا اعلان کر دیا۔ نگران وزیر اعظم غلام مصطفیٰ جتوئی کی زیر صدارت منعقدہ نگران وفاقی کابینہ کے پہلے اجلاس میں انتخابات ملتوی کرانے سے متعلق بہت سی تجاویز پر غور ہوا کیوں کہ نگران حکومت میں شامل بیشتر وزراء کا خیال تھا کہ اگر احتساب کے بغیر انتخابات کرا دیئے گئے تو پی پی کو دوبارہ اقتدار مل جائے گا۔ ''یہ آپ بھول جائیں! بے نظیر بھٹو کو اب دوبارہ وزیر اعظم بننے کا موقع نہیں ملے گا'' غلام مصطفیٰ جتوئی نے اپنے ساتھیوں کو یقین دہائی کرائی۔ جتوئی نے اس دن بے نظیر بھٹو کے خلاف نااہلی کا ریفرنس تیار کرنے کے لئے حساس اداروں کے ذمہ ڈیوٹیاں لگا دیں جتوئی انتخابات کو ابھی ملتوی رکھنا چاہتے تھے کیوں کہ جنرل ضیاء الحق کے فارمولے کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ سمجھتے تھے کہ احتساب کا عمل تین ماہ میں مکمل نہیں ہو سکتا تاہم فوج اور صدر اسحاق خان انتخابات ملتوی کرنے کے حق میں نہ تھے۔ جنرل مرزا اسلم بیگ نے جب نگران کابینہ کو انتخابات ملتوی کرانے کے لئے سازشوں میں مصروف پایا تو انہوں نے 9 اگست 1990ء کو اعلان کیا کہ انتخابات کسی صورت ملتوی نہیں ہوں گے۔

غلام مصطفیٰ جتوئی نے نگران وزیر اعظم بننے کے بعد بے نظیر بھٹو کو انتخابی عمل سے دور رکھنے کے لئے سیاستدانوں کو نااہل قرار دلوانے کے لئے خصوصی ٹریبونل قائم کئے۔ غلام مصطفیٰ جتوئی نے غلام مصطفیٰ کھر کے ذریعے بے نظیر بھٹو کو پیغام بھیجا کہ ان کے خلاف بدعنوانیوں کے ثبوت اکٹھے کر لئے گئے ہیں۔ ''آپ کو نہ صرف انتخابات میں حصہ لینے کے لئے نااہل قرار دے

Marfat.com

دیا جائے گا بلکہ آپ کے شوہر کو مختلف مقدمات کے تحت ہمیشہ کے لئے پابند سلاسل کر دیا جائے گا، خود آپ کی گرفتاری بھی عمل میں لائی جا سکتی ہے۔" اس پیغام کے دینے کا مقصد یہ تھا کہ بے نظیر بھٹو ملک چھوڑ کر چلی جائیں اور متحدہ اپوزیشن کے لئے اقتدار حاصل کرنے کا راستہ صاف ہو جائے۔ لیکن بے نظیر بھٹو نے صدر غلام اسحٰق خان اور جتوئی کے ایجنٹوں کو جواب دیا "میں پاکستان نہیں چھوڑوں گی۔"

نگران وزیر اعظم غلام مصطفیٰ جتوئی نے اقتدار سنبھالنے کے ایک ماہ بعد عام انتخابات کے لئے شیڈول کا اعلان کیا اس سے پہلے انہوں نے بے نظیر بھٹو کا راستہ روکنے کے لئے صف بندی کر لی تھی۔ بے نظیر بھٹو کی حکومت برطرف کرنے کے نتیجے میں آنے والی اسمبلی میں دو سیاسی شخصیات وزیر اعظم بننے کی خواہش مند تھیں ان میں سے ایک تو میاں نواز شریف تھے اور دوسرے محمد خان جونیجو۔ محمد خان جونیجو کا خیال تھا کہ ان کی جماعت کو کسی قسم کی بیساکھی کے بغیر 24 اکتوبر کو ہونے والے عام انتخابات میں حصہ لینا چاہئے جبکہ میاں نواز شریف اس کے حق میں نہ تھے کیوں کہ غلام اسحاق خان اور جنرل مرزا اسلم بیگ کے منصوبے کے مطابق اسلامی جمہوری اتحاد کی جماعتوں کو ایک ہی پلیٹ فارم اور ایک ہی انتخابی نشان کے تحت انتخابات میں حصہ لینا تھا۔

اس کے جواب میں بے نظیر بھٹو نے بھی اتحاد قائم کرنے کے لئے بعض سیاسی جماعتوں سے رابطے کئے ان میں ایک مسلم لیگ کے ملک قاسم تھے جو سیاسی افق پر موجود تو تھے لیکن ان کی حیثیت نہ ہونے کے برابر تھی تاہم بے نظیر بھٹو کے ساتھ اتحاد کے نتیجے میں ان کے قد کاٹھ میں اضافہ ہو گیا۔ اس کے بعد بے نظیر بھٹو نے اصغر خان کے ساتھ رابطہ قائم کیا اور اس کے ساتھ ساتھ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے ساتھ بھی رابطہ قائم رکھا۔ اس طرح ستمبر 1990ء کے وسط میں پیپلز ڈیموکریٹک الائنس کے نام سے ایک سیاسی اتحاد وجود میں آ گیا۔

بے نظیر بھٹو کے بعض قریبی رفقاء نے بھی انہیں زچ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا وہ حکومت سے ہدایات کی روشنی میں بے نظیر بھٹو کو آنے والے کل کی بھیانک تصویر دکھا کر خوفزدہ کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ چنانچہ بے نظیر بھٹو نے اقتدار سے علیحدگی کے ایک ہفتے کے بعد ہی انکشاف کیا کہ مجھے سیاست چھوڑنے کی صورت میں معافی کی یقین دہانی کرائی گئی

Marfat.com

ہے لیکن میں نہ تو سیاست چھوڑوں گی اور نہ ہی ملک، میرا جینا مرنا پاکستان کے ساتھ ہے۔ غلام مصطفیٰ جتوئی نے بے نظیر بھٹو دور میں بنائے جانے والے آئی ایس آئی اور انٹیلی جنس بیورو کے سربراہوں کو تبدیل کر دیا اور شمس الرحمن کلو کی جگہ پر جنرل اسد درانی کو ڈائریکٹر جنرل آئی ایس آئی بنا دیا۔ بے نظیر بھٹو نے 20 اگست 1990ء کو صدر غلام اسحٰق خان سے ملاقات کی اور اپنے خدشات کا اظہار کیا انہوں نے کہا: ''میں سمجھتی ہوں کہ نگران حکومت احتساب کے نام پر الیکشن ملتوی کرانے کی کوشش کرے گی''، جس پر غلام اسحٰق خان نے جواب دیا: ''میں ضمانت دیتا ہوں کہ الیکشن کے پروگرام میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہوگی اور سرکاری میڈیا کو اپوزیشن کی کردار کشی کے لئے استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔''

اسی روز غلام مصطفیٰ جتوئی نے فوجی قیادت کے ساتھ ملاقات کی اور اس ملاقات میں فوجی قیادت نے غلام مصطفیٰ جتوئی کو مشورہ دیا کہ پروگرام کے مطابق انتخابات کا انعقاد یقینی بنایا جائے اور اسی روز پشاور ہائی کورٹ نے پیپلز پارٹی کی طرف سے اسمبلیاں توڑنے کے فیصلے کے خلاف دائر کی جانے والی رٹ سماعت کے لئے منظور کر لی اور فل بینچ تشکیل دینے کا اعلان کیا۔ 23 اگست کو نگران وزیر اعظم غلام مصطفیٰ جتوئی نے احتساب کے لئے خصوصی عدالتیں قائم کر دیں اور تین دن بعد بے نظیر بھٹو نے نگران حکومت کے انتقامی ہتھکنڈوں کو دیکھتے ہوئے سکھر میں ایک جلسہ میں تقریر کے دوران غلام اسحاق خان کو وارننگ دیتے ہوئے کہا: اسحاق خان کان کھول کر سن لو ہم پھر آ رہے ہیں۔ بے نظیر بھٹو کی طرف سے دی جانے والی وارننگ کے بعد بے نظیر بھٹو کو اقتدار سے باہر رکھنا غلام اسحاق خان کی زندگی کا واحد مقصد بن گیا۔

جتوئی نے ملک معراج خالد اور غلام مصطفیٰ کھر کے ذریعے بے نظیر بھٹو کو سیاست سے کنارہ کشی اختیار کرنے کا مشورہ دیا لیکن بے نظیر بھٹو اس پر کسی صورت تیار نہ تھیں جس پر ان کے خلاف 10 ستمبر 1990ء کو دو ریفرنس دائر کر دیئے گئے۔ جس کے بعد 11 ستمبر کو امریکی وزارت خارجہ کے ترجمان نے باضابطہ طور پر حکومت پاکستان کو مشورہ دیا کہ بے نظیر بھٹو کے خلاف کارروائی سے پہلے الزامات کی اچھی طرح جانچ پڑتال کر لی جائے۔ اسی مہینے کے آخر میں امریکہ نے پاکستان پر واضح کر دیا تھا کہ اگر انتخابات میں دھاندلی کی گئی تو ہم پاکستان کو ملنے والی امداد پر نظر

Marfat.com

ثانی پر مجبور ہو جائیں گے۔ جب بے نظیر بھٹو کے خلاف وقفے وقفے سے ریفرنس دائر کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا تو بے نظیر بھٹو نے بھی اسحاق خان کے احتساب کا مطالبہ کر دیا۔ 17 اکتوبر کو کوئٹہ میں فوجی افسروں سے خطاب کرتے ہوئے جنرل مرزا اسلم بیگ نے بے نظیر بھٹو کے خلاف ایک تقریر میں بے نظیر بھٹو کا نام لئے بغیر انہوں نے کہا عوام بیرون ملک سے سیاسی رہنمائی لینے والوں کو مسترد کر دیں۔

حالات و واقعات نے بے نظیر بھٹو پر واضح کر دیا تھا کہ سیاسی حلیفوں کے بغیر الیکشن میں کامیابی اگر ناممکن نہیں تھی تو مشکل ضرور تھی چنانچہ انہوں نے بھی مختلف سیاسی جماعتوں کے ساتھ مذاکرات کا سلسلہ شروع کر دیا اور ولی خان، مولانا فضل الرحمن اور نوابزادہ نصر اللہ خان سے بھی رابطہ کیا لیکن ان کی طرف سے خاطر خواہ جواب نہ ملا۔ اسی طرح انہوں نے غلام اسحاق خان سے بھی تعلقات کار بہتر بنانے کے لئے غلام اسحاق خان سے رابطہ کرنے کا فیصلہ کیا جس کے نتیجے میں ان کی غلام اسحاق خان سے 20 اگست کو ملاقات ہوئی۔ اگرچہ یہ ملاقات کوئی زیادہ خوشگوار ثابت نہیں ہو سکتی تھی تاہم بے نظیر بھٹو کا خیال تھا کہ اس طرح ان کے خلاف ریفرنس دائر کرنے کا سلسلہ رک جائے گا لیکن غلام اسحاق خان نے غلام مصطفیٰ جتوئی کے ذریعے بے نظیر بھٹو کے خلاف مقدمات دائر کرنے کا سلسلہ تیز کرنے کے احکامات جاری کر دیئے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بے نظیر بھٹو نے اپنے جلسوں میں اسلامی جمہوری اتحاد کی مرکزی قیادت کے ساتھ ساتھ غلام اسحاق خان پر بھی حملے کرنے شروع کر دیئے۔

دوسری طرف جی ایچ کیو اور ایوان صدر میں انتخابات کے نتائج کو حتمی شکل دینے کے لئے خصوصی سیل قائم کر دیئے گئے۔ اس طرح بے نظیر بھٹو کو اقتدار سے باہر رکھنے کے تمام انتظامات مکمل ہو گئے۔ جنرل مرزا اسلم بیگ نے 24 اور 27 اکتوبر کو منعقد ہونے والے انتخابات میں بڑے منظم انداز میں دھاندلی کرائی اور ضلعی انتظامیہ نے اسلامی جمہوری اتحاد کے امیدواروں کو کامیاب کرانے کے لئے ہر ممکن حربہ استعمال کیا اور بے نظیر بھٹو کو اقتدار سے باہر کر دیا گیا۔

☆☆☆

Marfat.com

بے نظیر بھٹو کا دوسر دورِ اقتدار

1990ء میں کرپشن کے الزامات عائد کر کے بے نظیر بھٹو کی حکومت ختم کر دی گئی تاہم کرپشن کے الزامات کبھی ثابت نہ ہو سکے۔ بلکہ یہ سیاسی تربیت اور قومی مفاد میں دلچسپی رکھنے ہی کا مظہر تھا کہ جب نواز شریف نے برسر اقتدار ہوتے ہوئے بے نظیر بھٹو کو جو اس وقت قائد حزب اختلاف تھیں پارلیمنٹ کی کمیٹی برائے امور خارجہ کا چیئر مین بنانا چاہا تو انہوں نے یہ عہدہ شکریہ کے ساتھ قبول کر لیا اور اپنی عمدہ صلاحیتوں کا اس طرح اظہار کیا کہ دورہ امریکہ کے دوران مختلف امور پر پاکستان کے موقف کی بھر پور ترجمانی کی اور یہ ثابت کر دیا کہ وہ اس منصب کی اہل ہیں اور قومی تقاضوں کو پورا کر سکتی ہیں۔ آخر صدر غلام اسحاق خان نے تقریباً وہی الزامات لگا کر جو بے نظیر بھٹو کی حکومت پر لگائے گئے تھے ایک مرتبہ پھر اسمبلی توڑ دی تو بے نظیر بھٹو اکتوبر 1993ء میں دوبارہ وزیراعظم منتخب ہو گئیں۔ 6 اکتوبر 1993ء کو ہونے والے عام انتخابات کے نتیجے میں 19 اکتوبر کو بے نظیر بھٹو نے دوسری مرتبہ وزیراعظم پاکستان کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔ اس مرتبہ بے نظیر بھٹو پہلے کی نسبت زیادہ تجربہ کار اور بااعتماد سیاستدان کے طور پر سامنے آئیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس مرتبہ انہیں ایسے لوگوں کی حمایت میسر آ گئی جو ان کے پہلے دور حکومت میں ان کے خلاف تھے یعنی بیورو کریسی اور جرنیل۔

وزیراعظم محترمہ بے نظیر بھٹو نے اپنے دوسرے دور حکومت کا آغاز اپنے پہلے دور اقتدار (1988ء تا 1990ء) قطعی مختلف انداز میں کیا۔ امور و معاملات کو نمٹانے، سیاسی حریفوں حلقوں سے معاملہ کرنے، اندرونی محاذ پر درپیش مسائل و مشکلات کا حقیقت پسندانہ ادراک اور اپنے وسائل کے حوالے سے انہیں حل کرنے مقدور بھر جدوجہد اور عزم کا اظہار کیا۔ ان سب باتوں میں ایک نپا تلا انداز اور ایک ٹھہراؤ نظر آتا تھا۔ اپوزیشن سے محاذ آرائی اور کشمکش ان کے کسی

Marfat.com

طرز عمل سے دکھائی نہیں دیتی تھی۔انہوں نے اپوزیشن جماعتوں کا تعاون حاصل کرنے اور انہیں ساتھ لے کر چلنے کا محض اشارہ ہی نہیں دیا بلکہ نومنتخب قومی اسمبلی کے پہلے اجلاس کے موقع پر قائد حزب اختلاف میاں نواز شریف کو چائے کی پیالی پر مل بیٹھنے اور اکٹھے ایوان میں داخل ہونے کی دعوت دے کر جذبہ خیر سگالی کا اظہار کیا۔قائد ایوان منتخب ہونے،اپنے عہدہ کا حلف لینے،قوم کے نام اپنی پہلی نشری تقریر،ارکان اسمبلی اور خاص طور پر بعض علمائے دین سے ملاقات کے دوران انہوں نے ہر موقع پر اپنے انتخابی منشور کو عملی جامہ پہنانے،تمام سیاسی قوتوں کو ساتھ لے کر چلنے اور افہام و تفہیم کے ساتھ امور مملکت انجام دینے کو اپنا مشن ٹھہرایا۔نہایت اہم اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ انہوں نے کسی لگی لپٹی کے بغیر اعلان کر دیا کہ وہ وزیروں اور مشیروں کی بندر بانٹ سے دور رہیں گی یہاں تک کہ آصف علی زرداری،حاکم علی زرداری اور والدہ نصرت بھٹو کو بھی کوئی سرکاری منصب نہیں سونپیں گی۔ان کے اس طرز عمل پر جے یو آئی کے مرکزی سیکرٹری جنرل مولانا فضل الرحمن نے اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا کہ پیپلز پارٹی کی حکومت تلخ تجربات سے بہت کچھ سیکھ چکی ہے اس لئے عوامی فلاح و بہبود کے کاموں میں اس حکومت کے ساتھ تعاون میں کوئی مضائقہ نہیں البتہ جس طرح نواز شریف نے اسلام کا نام استعمال کیا اور لوٹ کھسوٹ مچائی اس کی مثال نہیں ملتی۔مولانا فضل الرحمن نے کہا کہ نواب اکبر بگٹی،غلام مصطفیٰ جتوئی اور میں نے محترمہ بے نظیر بھٹو سے مشترکہ ملاقات کی جس میں محترمہ نے کہا کہ آپ لوگ ہمیں نفاذ اسلام کے لئے قانون سازی کا موقع دیں تو ہم اس کے لئے اقدامات کرنے کو تیار ہیں۔انہوں نے آئین کی بالادستی کو برقرار رکھتے ہوئے نفاذ اسلام کی راہ میں حائل رکاوٹیں بھی دور کرنے کے لئے مثبت اقدامات کی یقین دہانی کرائی۔ان کی اس یقین دہانی کے پیش نظر جے یو آئی نے ان کے ساتھ تعاون پر آمادگی ظاہر کی ہے۔

محترمہ بے نظیر بھٹو نے اپنی پہلی نشری تقریر میں اور اپنے انتخابی منشور میں بھی اقتصادی اور معاشی مسائل کے حل کو اپنی اولین ترجیح قرار دیا۔ان کا کہنا تھا کہ غربت،افلاس اور بیروزگاری کا خاتمہ اور قوم کو منشیات اور بدعنوانی سے نجات دلانا۔۔۔ہم ان دونوں محاذوں پر بیک وقت جنگ لڑیں گے۔حقیقت یہ ہے کہ حالیہ انتخابات سے پہلے ملک کو جس سنگین

Marfat.com

اقتصادی بحران کا سامنا تھا اس کا ذکر نگران وزیراعظم معین قریشی نے اپنی پہلی نشری تقریر میں کر دیا تھا اور قوم کو بتا دیا تھا کہ جب انہوں نے اقتدار سنبھالا تو خزانے میں روزمرہ کے اخراجات کے لئے بھی رقم نہ تھی اور ملک دیوالیہ ہونے کو تھا۔ نگران حکومت نے سابقہ حکمرانوں کی لوٹ کھسوٹ کے معدودے چند واقعات کی نشاندہی بھی کی اور ان کی اقتصادی پالیسی کے کھوکھلے پن کو قوم کے سامنے بے نقاب کر دیا۔

محترمہ بے نظیر بھٹو نے دگرگوں اقتصادی صورت حال میں اقتدار سنبھالا، وزیراعظم بن جانے اور اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ لینے کے بعد بے نظیر بھٹو نے اعلان کیا کہ آٹھویں ترمیم جمہوریت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور جب تک آئین میں 58(2) بی شق موجود ہے اس وقت تک ملک میں جمہوریت کو فروغ حاصل نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ وہ جمہوریت کی قاتل اس آئینی شق کی تنسیخ کے لئے بہت جلد اسمبلی میں ایک بل پیش کریں گی۔

اسمبلیوں کے انتخاب کے بعد اگلا مرحلہ نئے صدر کے انتخاب کا تھا بے نظیر بھٹو نے اپنی پارٹی کے پرانے وفادار سردار فاروق احمد خان لغاری کو صدارتی امیدوار نامزد کر دیا۔ مسلم لیگ کے نامزد امیدوار قائم مقام صدر وسیم سجاد تھے۔ صدر منتخب ہونے سے پہلے سردار فاروق احمد خان لغاری نے بے نظیر بھٹو کو باور کرانا شروع کر دیا کہ وہ حکومتی امور میں مداخلت کرنے کے بجائے سابق صدر چوہدری فضل الٰہی کی طرح علامتی صدر رہنا قبول کریں گے۔ صدر منتخب ہونے کے بعد بھی سردار فاروق احمد خان لغاری یہ سمجھتے تھے کہ جمہوریت کے فروغ کے لئے آٹھویں آئینی ترمیم کی تنسیخ ضروری ہے۔ 14 نومبر 1993ء کو صدر پاکستان کے عہدے کا حلف اٹھانے سے پہلے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے سردار فاروق احمد خان لغاری نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ یہ بہت خوش آئند ہے کہ پاکستان کا صدر اور وزیراعظم پی پی پی سے تعلق رکھتے ہیں، پی پی پی کے سیاسی فلسفے کی بنیاد جمہوریت ہے، جس پارٹی نے جمہوریت کے لئے جدوجہد کی ہو، قربانیاں دی ہوں اس پارٹی سے آمریت کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے۔ ہم تو آمریت کی سوچ کا سوچ بھی نہیں سکتے ہماری سیاسی زندگی جمہوریت کے لئے وقف ہے۔ ہماری آرزو تھی کہ پاکستان میں آئین کے مطابق پارلیمانی نظام قائم ہو اس لئے آمریت کا خطرہ بے بنیاد ہے

Marfat.com

ہم تو سمجھتے ہیں کہ پی پی پی کا صدر اور وزیر اعظم بننے سے ایسے تمام خدشات ختم ہو گئے ہیں۔ اب پاکستان میں کوئی بھی جمہوریت کو غیر مستحکم نہیں کر سکے گا اب صدارتی محل سازشوں اور تخریب کا مرکز نہیں بنے گا۔ صدر نے کہا کہ میری ترجیحات بھی وہی ہیں جن کا ذکر محترمہ نے اپنی پہلی نشری تقریر میں کیا ہے۔

وزیر اعظم بے نظیر بھٹو نے آٹھویں آئینی ترمیم کے خاتمے کے لئے دسمبر 1993ء میں ایک کمیٹی تشکیل دی جس میں اعتزاز احسن، اقبال احمد خان، خواجہ طارق رحیم اور فخر الدین جی ابراہیم شامل تھے۔ کمیٹی اپنا کام جاری نہ رکھ سکی کیوں کہ حزب اختلاف کے ایک اہم رکن نے اعتراض کیا تھا کہ یہ کمیٹی پورے ایوان کی نمائندگی نہیں کرتی کیوں کہ اس میں اپوزیشن کا کوئی رکن شامل نہیں ہے۔ اس کے بعد بے نظیر بھٹو نے اس طرف کوئی خاص توجہ نہ دی کیوں کہ وہ اپنے منتخب کیے ہوئے صدر پر مکمل اعتماد کرتی تھیں۔

1993ء کے انتخابات کے بعد اپوزیشن کی طرف سے حکومت کے ساتھ تعاون کی یقین دہانی کے باوجود بھی محاذ آرائی کی پالیسی اختیار کی گئی حالانکہ یہ یقین دہانی خود قائد حزب اختلاف نے دلائی تھی اور حکومت کے ساتھ تعاون کا وعدہ کیا تھا۔ چنانچہ حکومت کی طرف سے حتی المقدور کوشش کی گئی کہ اپوزیشن کی طرف تعاون کا ہاتھ بڑھایا جائے لیکن قائد حزب اختلاف کی طرف سے دن بدن حکومت کے ساتھ عدم تعاون اور محاذ آرائی کی پالیسی میں شدت آتی گئی اور آخر دل کا چور باہر آ گیا اور قائد حزب اختلاف میاں نواز شریف نے اعلان کر دیا کہ وہ وزیر اعظم بنیں یا نہ بنیں بے نظیر بھٹو کو وزیر اعظم نہیں رہنے دیں گے۔ یہ ایک ایسی منفی سوچ تھی کہ اس کے بعد اپوزیشن سے کسی مثبت انداز فکر کی توقع رکھنا ہی بیکار تھا لیکن اس کے باوجود بھی حکومت نے اپوزیشن کے منفی رویئے کے جواب میں مثبت طرز عمل کا مظاہرہ کیا۔ اپوزیشن کی طرف سے اس منفی طرز عمل کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حکومت نے بعض اپوزیشن رہنماؤں جن کے خلاف بدعنوانیوں کے ثبوت موجود تھے انہیں گرفتار کر کے عدالتوں میں پیش کرنا شروع کر دیا تھا۔ جس کے نتیجے میں اپوزیشن نے عدالتوں کا سامنا کرنے کے بجائے حکومت کے خلاف منفی طرز عمل اختیار کر لیا حالانکہ انہیں اپنا دفاع کرنے کا پورا پورا حق دیا گیا تھا۔ وزیر اعظم نے متعدد موقعوں پر اپوزیشن کو

Marfat.com

مذاکرات کی دعوت دی لیکن قائد حزب اختلاف کی طرف سے ہمیشہ ایک ہی جواب ملا کہ وہ مذاکرات نہیں چاہتے اور دعوت کو مسترد کیا جاتا رہا۔

سندھ میں امن وامان کی خراب صورت حال محترمہ بےنظیر بھٹو کو ورثہ میں ملی تھی چنانچہ 5 نومبر 1993ء کو محترمہ بےنظیر بھٹو نے ہدایت کی کہ سندھ میں بدامنی اور لاقانونیت پھیلانے والے عناصر کے خلاف سیاسی مصلحتوں سے بالاتر ہو کر سخت کارروائی عمل میں لائی جائے اور جرائم پیشہ عناصر خواہ کتنے ہی عزت دار ہوں یا سیاسی وابستگی رکھتے ہوں انہیں قانون کی گرفت میں لایا جائے۔ بےنظیر بھٹو نے فوج کی جانب سے تیار کردہ 72 بڑی مچھلیوں کی فہرست بارے میں بھی وزیراعلیٰ سندھ سے تبادلہ خیالات کیا اور کہا کہ صوبائی اپریشنل کمیٹی سندھ میں امن وامان کی مکمل بحالی کے لئے سخت ترین اقدامات سے بھی گریز نہ کرے۔

18 مئی 1995ء کو خان گڑھ شہر کو سوئی گیس کی فراہمی اور گرڈ اسٹیشن کا سنگ بنیاد رکھنے کے بعد ایک بڑے عوامی جلسے سے خطاب کرتے ہوئے وزیراعظم بےنظیر بھٹو نے کہا: مجھے اقتدار کا لالچ نہیں ہے، عوام سے میرا وعدہ ہے قومی مفادات پر سودے بازی نہیں کروں گی اگر ایسا وقت آیا تو ایک منٹ میں اقتدار چھوڑ دوں گی۔ انہوں نے مزید کہا کہ ماضی کی نسبت گذشتہ بیس ماہ میں امریکہ اور پاکستان کے درمیان زیادہ انڈرسٹینڈنگ ہوئی ہے پہلے ہم پر یکطرفہ طور پر دباؤ ڈالا جا رہا تھا کہ ایٹمی پروگرام رول بیک کر لیں لیکن اب امریکہ اور پاکستان میں انڈرسٹینڈنگ ہے کہ یہ مسئلہ باہمی مشاورت سے ہی حل ہو سکتا ہے۔

2 جون 1995ء کو اچانک ہنگامے شروع ہو گئے، تھانوں پر راکٹ حملے، فائرنگ کے واقعے میں 7 افراد ہلاک، 3 بینک اور 22 گاڑیاں نذر آتش کر دی گئیں۔ اس سے اگلے روز بھی کراچی میں 2 پولیس اہلکاروں سمیت 8 افراد ہلاک اور 45 زخمی ہو گئے۔ ایک پولیس ٹرک اور مسافر بس پر فائرنگ کے علاوہ متعدد گاڑیاں جلا دی گئیں۔ کراچی میں امن وامان کی خراب صورت حال کی وجوہات کسی کو بھی معلوم نہیں تھیں دراصل ایک کیو ایم حزب اختلاف کے ایما پر بےنظیر حکومت کو کمزور کرنے کی سازش کر رہی تھی۔ سرکاری ایجنسیوں کی فراہم کردہ رپورٹوں میں بھی یہی بتایا گیا تھا کہ کراچی میں ان ہنگاموں کی ذمہ دار ایم کیو ایم ہے چنانچہ قومی اسمبلی میں حزب

Marfat.com

اختلاف کے ارکان نے مطالبہ کیا کہ کراچی کے حالات کو سنبھالنے کے لئے ایم کیو ایم سے مذاکرات کئے جائیں اور انہیں غدار کہنے سے گریز کیا جائے۔جس کے جواب میں ڈاکٹر شیر افگن نے کہا کہ ایم کیو ایم کے قائدوران کے چند ساتھی کراچی میں خون خرابہ کر رہے ہیں یہ کہنا کہ ان سے افہام وتفہیم سے خون خرابہ ختم ہوسکتا ہے کیا وہ گن پوائنٹ پر مذاکرات کرنا چاہتے ہیں، الطاف حسین دہشت گردوں کا سربراہ ہے جو معصوم بننے کی کوشش کر رہا ہے۔

بے نظیر بھٹو کے دور میں امن عامہ کی صورت حال کو خراب کرنے کے لئے خفیہ ہاتھ سرگرم رہے، پولیس نے نوجوانوں سے رشوت لینا شروع کر دی اور جو رشوت نہ دے پاتے انہیں دہشت گرد قرار دے کر قتل کر دیا جاتا۔وزیر داخلہ نصیر اللہ بابر نے اپریشن کلین اپ کے دوران بہت سے دہشت گردوں کو پکڑا۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کراچی میں امن وامان تو بحال ہو گیا لیکن حکومت کے خلاف ایک منظم گروہ سرگرم ہو گیا جسے بھارتی انٹیلی جنس راء کی حمایت بھی حاصل تھی۔ایسی صورت حال میں فوجی بغاوت نے بے نظیر بھٹو کو مشکل میں ڈال دیا اگر یہ بغاوت کامیاب ہو جاتی تو میجر ظہیر اسلام عباسی کئی سینئر جرنیلوں سمیت بے نظیر کے خاندان کو ہلاک کر سکتے تھے۔مہنگائی کا اژدہا عوام کو زندہ درگور کئے ہوئے تھا خاص طور پر کاروباری طبقے میں خاصی بے چینی پائی جاتی تھی۔حکومت کے خلاف الزامات کے واقعات نے حالات کی سنگینی میں مزید اضافہ کر دیا۔اپوزیشن نے بے نظیر بھٹو اور آصف زرداری کے خلاف سپیکر اسمبلی کو ریفرنس بھیجا جس میں دونوں کی رکنیت اسمبلی ختم کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا ان پر لندن میں خفیہ طور پر لاکھوں پاؤنڈ کی جائیداد خریدنے اور آئینی دفعات (63,62) کی خلاف ورزی کا الزام لگایا گیا تھا۔اپوزیشن کی طرف سے صدر سے اپیلیں کی جانے لگیں کہ صدر اپنا آئینی اختیار استعمال کرتے ہوئے اسمبلی توڑ کر بے نظیر کو گھر بھیج دیں۔

جنرل عبدالوحید جو حتی الامکان سیاسی معاملات سے دور رہنے کی کوشش کرتے رہے اپنی مدت ملازمت پوری ہونے پر خاموشی سے ریٹائر ہو گئے اور ان کی جگہ پر جنرل جہانگیر کرامت نے اپنے فرائض سنبھال لئے۔اس کے بعد 6 جنوری 1996ء کو امریکہ نے پاکستان میں اپنے نئے سفیر تھامس سائمنز کا تقرر کر دیا جس کے بعد 16 فروری کو میاں نواز شریف ایک بین الاقوامی

Marfat.com

سیمنار میں شرکت کرنے کے لئے امریکہ گئے جہاں انہوں نے امریکی محکمہ خارجہ کی ایک خاتون آفیسر رابن رافیل سے ملاقات کی جو امریکی سی آئی اے کے مقتدر طبقوں کے ساتھ خصوصی مراسم رکھتی تھی۔ جب میاں نواز شریف وطن واپس لوٹے تو انہوں نے اپنے رفقاء کو بتایا کہ اب انتخابات کا انعقاد زیادہ دور کی بات نہیں۔

دوسری طرف بے نظیر بھٹو نے امریکہ کی مخالفت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے چین سے ایٹمی پاور پلانٹ کی تنصیب کے لئے جدید ترین ٹیکنالوجی حاصل کر لی۔ امریکہ کو اطلاع ملی کہ پاکستانی سائنسدان ایٹمی دھماکے کی تیاری کے سلسلے میں بلوچستان میں چاغی کے مقام پر موجود پہاڑوں کو کھوکھلا کر رہے ہیں۔ 20 مارچ 1996ء کو سید سجاد علی شاہ کی سربراہی میں سپریم کورٹ کے فل بینچ نے ججوں کی تقرری کے سلسلے میں حکومت کے خلاف فیصلہ دے دیا جس کے بعد بے نظیر بھٹو کی بیک وقت عدلیہ، صدر اور فوج کے ساتھ محاذ آرائی کا آغاز ہو گیا اور یہ تنازعہ بے نظیر حکومت کے زوال کا نقطہ آغاز ثابت ہوا۔

ہوا یہ کہ 20 مارچ 1996ء کو عدلیہ نے اپنے تاریخی فیصلے میں قرار دیا کہ صدر مملکت ججوں کا تقرر سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے مشورے کے بغیر نہیں کر سکتے اور یہ کہ کسی امیدوار کی سیاسی وابستگی کسی امیدوار کے لئے نااہلی نہیں ہو سکتی۔ 25 مارچ کو بے نظیر بھٹو نے کہا کہ ججوں کی تقرری کے بارے میں سپریم کورٹ کا فیصلہ حکومت کے خلاف نہیں بلکہ عدلیہ نے اپنے بعض ایسے ارکان کے خلاف دیا ہے جنہوں نے پہلے ایڈہاک جج مانگے، جنہوں نے پہلے ایڈیشنل جج رکھے، یہ عدلیہ کا عدلیہ کے خلاف فیصلہ ہے۔ ہم نے کوشش کی کہ روشن خیال جج لگائے جائیں جن کی سوچ جمہوری اور آئینی ہو۔ بے نظیر نے مزید کہا کہ ہمارے پاس سپریم کورٹ کے اس فیصلے پر نظر ثانی کی پیٹیشن کی آپشن موجود ہے۔ ان دنوں نواز شریف نے چیف جسٹس سجاد علی شاہ کی بھرپور حمایت کی اور 24 مارچ کو تحریک نجات کا دوسرا مرحلہ شروع کرنے کا اعلان کیا اور کہا کہ میں مر مٹنے والا کردار ادا کروں گا۔ اس روز وزیر اعظم ہاؤس میں بھی عدالتی فیصلے کے حوالے سے دن بھر صلاح مشورے جاری رہے۔

سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد جس بحث کا آغاز ہوا اس بات کا خدشہ موجود تھا کہ یہ

Marfat.com

کہیں بڑے بحران کی شکل نہ اختیار کرلے کیوں کہ حکومتی ارکان اس فیصلے پر مسلسل بیان دے رہے تھے اور ان میں سے بعض کی زبان بہت ہی سخت تھی۔ اپوزیشن اس فیصلے کو اپنی کامیابی سمجھ رہی تھی۔ پاکستان بار کونسل نے عدالت کے فیصلے کو تاریخی قرار دیتے ہوئے کہا کہ عدالت نے آئین کی تشریح کرکے وہ قانونی اصلاحات کردی ہیں جن کا طویل عرصہ سے انتظار تھا۔

26 مارچ کو وزیراعظم بے نظیر بھٹو اور اپوزیشن کے وفد نے صدر مملکت فاروق لغاری سے الگ الگ ملاقاتیں کرکے اپنے اپنے نکتہ نظر سے آگاہ کیا۔ اپوزیشن کے وفد نے صدر سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنا آئینی کردار ادا کرتے ہوئے حکومت کو سپریم کورٹ کے فیصلے پر عمل کرنے پر آمادہ کریں، وفد نے صدر کو میاں نواز شریف کا ایک خط بھی دیا۔ اس موقع پر صدر نے حکومت اور اپوزیشن کے درمیان ثالث کا کردار ادا کرنے کی پیش کش کی جسے قبول کرلیا گیا۔ اس کے بعد فوری ردعمل کے طور پر اپوزیشن کے مختلف ارکان قومی وصوبائی اسمبلی کے خلاف گوشواروں کی جائیدادیں چھپانے، غیر قانونی قرضے لینے اور ٹیکسوں میں گھپلوں کی تحقیقات جو آخری مرحلے میں تھیں روک دی گئی۔ اگلے روز وزیراعظم نے صدر لغاری سے تیسری مرتبہ ملاقات کی، صدر نے وزیراعظم بے نظیر بھٹو کو میاں نواز شریف کے خط کے مندرجات سے آگاہ کیا جس میں کہا گیا تھا کہ:

> "حکومت سپریم کورٹ کے فیصلے پر عملدرآمد نہیں کررہی میرے لئے ناگزیر ہوگیا ہے کہ میں آپ کی توجہ آئین کے آرٹیکل 190 کی طرف مبذول کراؤں جس کے تحت انتظامیہ کا یہ فرض ہے کہ وہ سپریم کورٹ کی معاونت میں کارروائی کرے۔ اس آئینی فرض کی ادائیگی میں ناکامی کے معنی یہ ہوں گے کہ انتظامیہ ریاست پر غیر آئینی حکومت کررہی ہے۔ اس صورت حال کو برقرار رہنے کی اجازت دی گئی تو اس کے نتیجے میں دوررس آئینی بحران پیدا ہوجائے گا چنانچہ میں آپ پر زور دوں گا کہ آپ اپنی آئینی ذمہ داری کے تحت اس امر کو یقینی بنائیں کہ ملک پر آئین کے مطابق حکومت کی جائے۔"

وزیراعظم بے نظیر بھٹو نے صدر لغاری کو بتایا کہ حکومت تفصیلی فیصلے کا انتظار کررہی ہے تاہم انہوں نے واضح کیا کہ ملک میں کوئی آئینی بحران نہیں ہے اور نہ ہی حکومت آئین کی خلاف

Marfat.com

ورزی کی مرتکب ہو رہی ہے۔ وزیر اعظم نے صدر مملکت کو بتایا کہ گذشتہ روز چاروں گورنروں اور وزرائے اعلیٰ نے حکومتی موقف کی تائید کرتے ہوئے کہا ہے کہ سپریم کورٹ کو فیصلہ دینے کا اختیار نہیں تھا۔ انہوں نے صدر کو بتایا کہ ان کی حکومت اپوزیشن سے خوشگوار تعلقات کار کے قیام کے لئے ہمیشہ کوشاں رہی مگر اس نے ہمیشہ منفی ردعمل ظاہر کیا۔ صدر نے وزیر اعظم سے کہا کہ حکومت سپریم کورٹ کے فیصلے پر مثبت رویہ اختیار کرے۔

بے نظیر بھٹو نے 28 مارچ 1996ء کو قومی اسمبلی میں سپریم کورٹ کے فیصلے پر پالیسی بیان دیتے ہوئے کہا کہ سپریم کورٹ کا فیصلہ آئین کے خلاف ہے، قائم مقام چیف جسٹس مقرر کرتے وقت چیف جسٹس سے تحریری رائے مانگی گئی تھی انہوں نے اس کی مخالفت نہیں کی۔ آئین میں قائم مقام چیف جسٹس کو چیف جسٹس تسلیم کیا گیا ہے۔ بے نظیر بھٹو نے اپنی تقریر میں جولب و لہجہ اختیار کیا اس سے واضح ہو گیا کہ حکومت سپریم کورٹ کے فیصلے پر اپنے موقف سے پیچھے ہٹنے پر آمادہ نہیں جس پر میاں نواز شریف نے اپنی جوابی تقریر میں کہا کہ حزب اختلاف حکومت کو عدلیہ کے خلاف کام کرنے کی اجازت نہیں دے گی۔ آخر کار بے نظیر بھٹو عدلیہ کے فیصلے پر عملدرآمد کرانے پر مجبور ہو گئیں۔

بے نظیر بھٹو کو اطلاع مل گئی تھی کہ آنے والے دنوں میں پنجاب میں دہشت گردی کی ایک نئی لہر اٹھنے والی ہے۔ 14 اپریل کو شوکت خانم کینسر ہسپتال میں بم دھماکہ ہوا جس میں آٹھ افراد ہلاک ہوئے۔ اس دھماکے کے ذریعہ بے نظیر بھٹو کو بدنام کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس کے بعد لاہور سے پتوکی جانے والی ایک بس میں پھولنگر کے قریب خوفناک دھماکہ ہوا جس میں 70 افراد زندہ جل کر راکھ ہو گئے۔ اس قسم کے بعض اور واقعات نے بے نظیر بھٹو حکومت کی جڑیں ہلا کر رکھ دیں جس پر ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے بے نظیر بھٹو نے کہا: ''بعض لوگ مجھے گھر بھیجنا چاہتے ہیں۔''

25 اپریل 1996ء کو عمران خان باقاعدہ سیاست میں آگئے اور انہوں نے تحریک انصاف کے نام سے ایک نئی سیاسی جماعت قائم کر لی۔ 5 مئی کو بے نظیر بھٹو نے پارلیمانی پارٹی کا اجلاس طلب کر کے ارکان اسمبلی کو کہا کہ وہ یہ ڈر دل سے نکال دیں کہ اسمبلی ٹوٹ جائے گی کیوں

Marfat.com

کہ صدارت کا عہدہ حاصل کرنے سے پہلے فاروق لغاری نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسمبلیوں کی قاتل آئینی شق 58(2) بی کا استعمال نہیں کریں گے۔

حکومت اور اپوزیشن کے درمیان محاذ آرائی میں اس وقت شدت پیدا ہوئی جب اپوزیشن لیڈر میاں نواز شریف نے بے نظیر بھٹو پر الزام لگایا کہ انہوں نے انگلینڈ میں سرے کے مقام پر کروڑوں روپے کی جاگیر خریدی ہے۔

20 جون کو صدر نے دبے لفظوں سے حکومت پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ حکمران اپنا معیار زندگی قومی وسائل کے مطابق بنانے کو تیار نہیں انہوں نے یہ بھی کہا کہ حکومت اپوزیشن کشیدگی جمہوریت کے لئے مشکلات پیدا کرسکتی ہے۔ 23 جون کو اپوزیشن کی اپیل پر بجٹ کے خلاف ملک گیر ہڑتال ہوئی، 24 جون کو قاضی حسین احمد نے اسلام آباد میں دھرنا دیا پولیس کی تمام ناکہ بندیوں اور رکاوٹوں کے باوجود جماعت اسلامی کے قافلے لیاقت باغ اور اسلام آباد پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔اس سے اگلے روز اتحادوں کی سیاست کرنے والے بزرگ لیڈر نواب زادہ نصر اللہ خان ایک نئے اتحاد کے ساتھ میدان میں آگئے۔نوابزادہ نصراللہ خان، غلام مصطفیٰ جتوئی، فضل الرحمن، میر بلخ شیر مزاری اور محمود اچکزئی نے پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے پارلیمنٹ کے اندر محدود مقاصد کے حصول اور غیر جانبدارانہ کردار ادا کرنے کے لئے اتحاد قائم کرنے کا اعلان کیا۔انہوں نے بے نظیر بھٹو کو لکھے گئے ایک مشترکہ خط کی نقول بھی تقسیم کیں جس میں بجٹ کی اصلاح وترمیم کے بارے میں تجاویز پیش کی گئی تھیں۔

میاں نواز شریف نے یکم جون کو احتساب کمشن کے قیام کے لئے اور 17 جون کو عدلیہ کا فیصلہ سبوتاژ ہونے سے بچانے کے لئے دو خط لکھے تھے جن کے جواب میں صدر نے واضح کہا کہ انہوں نے دونوں خط وزیراعظم کو بھجوادیئے ہیں تاکہ وہ ان پر حکومت کی رائے دے سکیں۔ اس طرح صدر لغاری نے اپوزیشن کے رابطوں پر پہلی مرتبہ مثبت ردعمل ظاہر کیا جس کے بعد 28 جون کو ملک کی چھ دینی جماعتوں نے حکومت کے خلاف بھرپور جدوجہد کرنے کا اعلان کردیا۔ قاضی حسین احمد نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ صدر کے پاس ایک ماہ میں حکومت کو چھٹی کرانے کے سوا کوئی راستہ نہیں۔اگر کسی نے مارشل لاء لگانے کی کوشش کی تو ہم مخالفت کریں گے۔

Marfat.com

3 جولائی کو جماعت اسلامی نے پورے ملک میں پرامن دھرنا دیا جس میں مسلم لیگ (ن) اور دیگر جماعتوں کے کارکنوں اور قائدین نے بھی شرکت کی۔ 20 جولائی کو قاضی حسین احمد نے ٹرین مارچ شروع کر دیا۔ 22 جولائی کو لاہور ائیر پورٹ پر زبردست دھماکہ ہوا جس کے نتیجے میں چھ افراد ہلاک ہو گئے۔ یہ دھماکے بے نظیر بھٹو حکومت کو کمزور کرنے کے سلسلے کی ایک کڑی تھے جس پر ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے بے نظیر نے ایک مرتبہ پھر اس بات کا اعادہ کیا کہ لغاری اسمبلی نہیں توڑ سکتے کیوں کہ ہم دونوں 1993ء کے تجربے کے بعد آئے ہیں۔ لغاری ایسے شخص ہیں جنہوں نے پوری زندگی آرٹیکل 58(2) بی کے خلاف آواز بلند کی ہے وہ آئین کی بالا دستی اور پارلیمانی طرز حکومت پر یقین رکھتے ہیں۔

اگلے روز اپوزیشن کی 14 جماعتوں نے حکومت ہٹاؤ مہم کے سلسلے میں مشترکہ جدوجہد کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اس مقصد کے لئے 15 رکنی ایکشن کمیٹی قائم کر دی۔ سربراہی اجلاس میں شریک رہنماؤں نے کہا پاکستان میں جمہوری نظام، پاکستانی عوام اور ملک کی دینی اسلامی اقدار کی بقاء اور تحفظ کے لئے موجودہ حکومت کو اقتدار سے ہٹانا ضروری ہو گیا ہے کیوں کہ حکومت ریاست کے جمہوری اور عدلیہ جیسے بنیادی اداروں اور عوام کے خلاف جنگ میں مصروف ہے۔

13 اگست کو اپوزیشن کی 16 جماعتوں کے سربراہی اجلاس نے حکومت کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک چلانے کا اعلان کر دیا۔ قائد حزب اختلاف میاں نواز شریف نے مطالبہ کیا کہ حکومت فی الفور مستعفی ہو جائے۔ 21 اگست کو بے نظیر بھٹو نے اوکاڑہ میں جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے اپوزیشن لیڈروں پر زبردست تنقید کی انہوں نے کہا کہ قاضی کرپشن کے خلاف جہاد سے پہلے اپنے دامن کے داغ دیکھیں جب ضیاء الحق نے افغان جہاد کا پیسہ دونوں ہاتھوں سے لوٹا تو آپ خاموش کیوں رہے۔ ضیاء الحق کی باقیات جمہوری نظام کے خلاف مسلسل سازشیں کر رہی ہے، نواز شریف کا خلافت راشدہ کا نعرہ جھوٹا ہے وہ بنیاد پرستوں کو گود میں لینے کے لئے یہ نعرہ لگا رہے ہیں۔ غریبوں کا مال لوٹنے والے خلافت راشدہ کا نظام کیسے لا سکتے ہیں۔

4 ستمبر کو بے نظیر بھٹو نے کہا کہ میں نے اپنی مقبولیت داؤ پر لگا کر مشکل فیصلے کئے ہیں، میرے خیال میں صحیح قیادت وہی ہے جو جرآت مندانہ فیصلے کرے۔ 6 ستمبر کو ایک امریکی

Marfat.com

وزیر نے اسلام آباد میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کرپشن پر قابو پائے اس کی کوئی حد ہونی چاہئے۔ بے نظیر بھٹو کی حکومت اس وقت تک ایک نازک موڑ پر آن پہنچی تھی چنانچہ بے نظیر بھٹو نے نواز شریف سے مصالحت کی کوششیں شروع کر دیں اور قومی اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے کہا بڑے قرض نادہندگان نوے فیصد غیر سیاسی لوگ ہیں لیکن بدنام سیاستدان ہو رہے ہیں، یہ قرضے ڈکٹیٹر شپ کے تاریک دور میں دیئے گئے تھے۔ انہوں نے اسمبلی میں 250 نادہندگان کی ایک فہرست پیش کی اور کہا کہ اس میں نوے فیصد غیر سیاسی لوگ ہیں۔ وزیر اعظم بے نظیر بھٹو نے کہا اگر موجودہ گیم چلانے کا مقصد سیاستدانوں کو ڈس کریڈٹ کرنا ہے تو یہ الگ بات ہے لیکن اگر مقصد اصلاح اور قرضوں کی واپسی ہے تو پھر اپوزیشن اس مقصد میں حکومت سے تعاون کرے۔ انہوں نے اعلان کیا کہ جو سیاستدان انتخابات اور جمہوری عمل کے ذریعے اقتدار میں آتے ہیں وہ کرپٹ نہیں، نہ وہ قرضے لیتے ہیں تاہم غیر جمہوری دور میں سامنے آنے والے سیاستدانوں نے قرضے لئے ہیں۔ وزیر اعظم نے کہا کہ آج میں اسمبلی میں اس خیال سے آئی تھی کہ اپوزیشن لیڈر الزام تراشی چھوڑ کر میرے ساتھ آئینی ترامیم منظور کرنے کے لئے تیار ہوں گے۔ انہوں نے کہا میں چاہتی ہوں کہ اپوزیشن والے حکومت کے خلاف سازش ناکام بنانے کے لئے میری حکومت کا ساتھ دیں۔ انہوں نے اسمبلی میں تقریر کے دوران پہلی مرتبہ میاں نواز شریف کی تعریف کی اور کہا کہ جمہوریت کے خلاف مہم جوئی سے انہیں اور نواز شریف دونوں کو نقصان پہنچے گا۔ میاں نواز شریف نے بے نظیر کی پیش کش کا مثبت جواب نہ دیا انہوں نے 8 ستمبر کو قومی اسمبلی کے اجلاس سے خطاب میں کہا کہ وزیر اعظم قوم کا اعتماد کھو چکی ہیں اس لئے انہیں فوراً انتخابات کا اعلان کر دینا چاہئے جس کے جواب میں بے نظیر نے کہا کہ نہ میں جا رہی ہوں نہ مڈ ٹرم انتخابات ہوں گے۔ میں اسی ایوان میں 1998ء میں انتخابات کا اعلان کروں گی تاہم انہوں نے یہ بھی کہا کہ میری وجہ سے قائد حزب اختلاف کو جو دکھ پہنچے ہیں میں اس پر نادم ہوں اور میں ان سے معافی کی خواستگار ہوں۔

سیاسی مبصرین کا خیال تھا کہ آئندہ انتخابات کے نتیجے میں اقتدار مسلم لیگ کو ہی ملے گا اس لئے اگر اس وقت میاں نواز شریف حکومت کو چھٹی کراتے کراتے سسٹم ہی سے ہاتھ دھو بیٹھے تو

Marfat.com

سب سے زیادہ نقصان انہیں کو پہنچے گا۔ بعض حلقوں کا خیال تھا کہ دونوں رہنماؤں کی تقاریر سے واضح احساس ہوتا تھا کہ انہیں نازک صورت حال کا احساس ہے۔ میاں نواز شریف بھی سمجھتے تھے کہ سسٹم کو بچانے اور حکومت کو ہٹانے کا کام آسان نہیں۔ اگر حکومت سے تعاون نہیں کرنا تو ایسا راستہ بھی اختیار نہ کیا جائے کہ جس سے غیر جمہوری قوتوں کو تقویت ملے۔ مسلم لیگ کی اس سیاسی اور جمہوری بے چارگی کو بے نظیر بھٹو بھی سمجھتی تھیں جس کا وہ بھرپور فائدہ اٹھا رہی تھیں۔ دونوں کو نازک صورت حال کا ادراک تھا اور دونوں نہیں چاہتے تھے کہ کوئی تیسرا آجائے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مختلف حلقوں میں یہ خبریں پھیلی ہوئی تھیں کہ دونوں کو رخصت کر کے کسی اور کو لانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ جب نواز شریف نے اسمبلی میں کہا کہ ہم غیر آئینی اقدام کی مخالفت کریں گے تو بے نظیر بھٹو نے بے ساختہ اور پر جوش انداز میں ڈیسک بجایا۔ یہ ایسا موقع تھا جب حکومتی اور اپوزیشن ارکان دونوں خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ارکان اسمبلی کی بڑی تعداد بھی سسٹم بچانا چاہتی تھی۔

وزیر اعظم نے ایک مرتبہ پھر نہایت فراخدلانہ انداز میں اپوزیشن کو مذاکرات کی دعوت دی اور ان مسائل کی بھی نشاندہی کی جن پر مذاکرات ہو سکتے تھے انہوں نے کہا کہ آٹھویں آئینی ترمیم کے خاتمے پر بھی بات چیت ہو سکتی ہے اس کا خاتمہ اپوزیشن کا مطالبہ بھی رہا ہے۔ چنانچہ میاں نواز شریف نے اپنے دور اقتدار کے آخری دنوں میں وزیر اعظم بے نظیر بھٹو سے اس مسئلہ پر تعاون چاہا تھا لیکن یہ ان کی ایک سیاسی چال اور اپنے اقتدار کو بچانے کی ایک کوشش تھی کیوں کہ جب وہ وزیر اعظم بنے تھے تو بے نظیر بھٹو نے قائد حزب اختلاف کی حیثیت سے انہیں آٹھویں ترمیم کے مسئلے پر تعاون کی پیش کش کی تھی جو میاں صاحب نے ٹھکرا دی تھی۔ وزیر اعظم بینظیر بھٹو اپنی اس پیش کش میں یہ بھی کہا تھا کہ وہ پارلیمنٹ کی مدت اقتدار پر بھی بات چیت کرنے کو تیار ہیں کیوں کہ اپوزیشن حکومت کی مدت پانچ سال کے بجائے چار سال کرنے کا مطالبہ کر چکی تھی۔ اسی طرح خواتین کی نشستوں کا مسئلہ بھی حل طلب تھا حالانکہ کئی اپوزیشن رہنماؤں نے اس سلسلے میں تعاون کی یقین دہانی بھی کرائی تھی لیکن اپوزیشن کے عدم تعاون کی وجہ سے اسمبلی میں خواتین کی نشستوں کا مسئلہ نہ صرف حل طلب تھا بلکہ قومی اسمبلی میں خواتین کی نمائندگی نہیں تھی تو اس کی ذمہ

Marfat.com

دار اپوزیشن ہی تھی کیوں کہ وہ اس مسئلہ کے حل کے لئے آئینی ترمیم پر حکومت سے تعاون پر آمادہ نہیں ہو رہی تھی۔ اسی طرح بے نظیر بھٹو نے صوبائی نشستوں میں اضافہ کرنے پر بھی آمادگی ظاہر کر دی تھی اس کے علاوہ وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کی طرف سے ایک نہایت اہم پیش کش غیر جانبدار الیکشن کمشن کے قیام پر مذاکرات بھی تھی۔ وزیر اعظم بے نظیر بھٹو نے ایک بات واضح کر دی کہ وہ اپوزیشن کی طرف سے مڈ ٹرم انتخابات کا مطالبہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں اس کی وجہ یہ تھی کہ اس ملک کے عوام نے پی پی پی کو پانچ سال تک حکومت کرنے کا مینڈیٹ دیا تھا اگر حکومت مڈ ٹرم انتخابات کا مطالبہ تسلیم کر لیتی تو عوامی مینڈیٹ کی توہین کرنے کی مرتکب ہوتی۔ اس ملک میں تین مرتبہ پہلے مڈ ٹرم انتخابات ہو چکے تھے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ کوئی حکومت اپنی مدت اقتدار پوری نہ کر سکی اور ترقیاتی منصوبے ادھورے رہ گئے اور عوام کے مسائل حل نہ ہوئے۔ وزیر اعظم بے نظیر بھٹو نے مڈ ٹرم الیکشن کے سوا باقی تمام اہم معاملات پر اپوزیشن کے ساتھ مذاکرات پر آمادگی ظاہر کر کے ایک مرتبہ پھر ثابت کر دیا تھا کہ وہ محاذ آرائی نہیں بلکہ مسائل کا حل چاہتی ہیں اور اپوزیشن کو ساتھ لے کر چلنا ان کی سیاست کا حصہ ہے لیکن ایک طرف اپوزیشن حکومت کے خلاف تحریک چلانے، احتجاج کرنے اور ہڑتالیں کرنے اور محاذ آرائی جاری رکھنے پر تلی ہوئی تھی اور دوسری طرف افسر شاہی ان کی حکومت کو غیر مقبول کرنے کے علاوہ بعض غیر ملکی قوتیں بے نظیر بھٹو کی حکومت کے خلاف سازشیں کرنے میں مصروف تھیں۔

16 ستمبر کو بے نظیر بھٹو نے ایک انٹرویو میں الزام لگایا کہ ورلڈ بینک کے بعض حکام میری حکومت کو غیر مستحکم کرنے کی سازش میں شریک ہیں اور ملکی معیشت کی غلط تصویر پیش کر رہے ہیں۔ وزیر اعظم بے نظیر بھٹو نے واضح کیا کہ ملک میں کوئی اقتصادی بحران نہیں ہے اور یہ حکام محض اپنے مفادات کی تکمیل کی غرض سے افواہیں پھیلا رہے ہیں۔ وزیر اعظم ہاؤس میں پی ڈی ایف پارلیمانی پارٹی کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے بے نظیر بھٹو نے انکشاف کیا کہ ورلڈ بینک کے ایک افسر اعظم علی زکی میرے پاس آئے اور خواہش ظاہر کی کہ انہیں تیل اور گیس کی ترقیاتی کارپوریشن چیئرمین مقرر کر دیا جائے۔ بے نظیر بھٹو نے کہا کہ میں نے استدعا ماننے سے انکار کر دیا کیوں کہ حکومت کی اپنی ترجیحات ہوتی ہیں اور میں محض ایک شخص کو خوش کرنے کے لئے اتنی اہم

Marfat.com

تقرری نہیں کر سکتی تھی اس طرح اپوزیشن کے ساتھ اعظم علی زئی میں ڈس انفارمیشن مہم میں شریک ہو گئے۔وزیراعظم نے کہا کہ لغاری سے یہ توقع نہیں کہ وہ 58(2)بی کا استعمال کریں گے وہ جمہوریت کے لئے ڈنڈے کھاتے رہے ہیں وہ اسمبلی کا خون نہیں کر سکتے۔انہوں نے کہا کہ صدر آرٹیکل 48 کے تحت تمام معاملات میں وزیراعظم کی ایڈوائس پر عمل کرنے کے پابند ہیں۔انہوں نے واضح الفاظ میں کہا کہ انتخابات 1998ء میں ہوں گے۔انہوں نے مزید کہا کہ اگر افسر شاہی منتخب ارکان کا حکم نہیں مانتی تو ایسے افسروں کو سخت کارروائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اسی روز ہرارے میں پاکستانی کمیونٹی سے خطاب سے متعلق صدر لغاری کا ایک بیان خبارات میں نمایاں طور پر شائع ہوا جس میں انہوں نے کہا کہ اگر حکومت اور اپوزیشن نے سیاسی کھیل آئین اور قانون کے اندر رہتے ہوئے نہ کھیلا تو اس کا نقصان ملک اور جمہوریت کو ہوگا۔انہوں نے کہا کہ ملک میں مارشل لاء کا کوئی خطرہ نہیں اور انہیں یقین ہے کہ مسلح افواج ماضی کو نہیں دہرائیں گی۔

اس وقت اپوزیشن رہنماؤں میں ایسے سیاستدان شامل تھے جنہوں نے جنرل ضیاء الحق کے طویل مارشل لاء دور میں سیاست شروع کی ورنہ عام جمہوری انداز میں اگر وہ سیاست میں داخل ہوتے تو وہ کبھی کوئی مقام حاصل نہ کر پاتے۔جن لوگوں کی کوئی سیاسی وابستگی نہ تھی نہ ان کی سیاسی تربیت ہوئی تھی وہ جانتے تھے کہ صبر آزما جمہوری جدوجہد ان کے بس کا روگ نہیں وہ اقتدار کے حصول کا آسان راستہ تلاش کرنے میں لگے رہے اور مارشل لاء نے انہیں یہ موقع فراہم کر دیا۔یہ وہ دور تھا جب پی پی پی کی قیادت مارشل لاء کے خلاف جدوجہد کر رہی تھی اور صبر آزما حالات سے دوچار طرح طرح کی مشکلات برداشت کر رہی تھی، جیلیں کاٹ رہی تھی اور کوڑے کھا رہی تھی اور آج کی اپوزیشن کے اکثر رہنما اقتدار کے مزے لوٹ رہے تھے۔چنانچہ جب ملک میں جمہوریت بحال ہوئی اور پی پی پی کا دوسرا دور اقتدار شروع ہوا تو ان کے سینے پر سانپ لوٹنے لگے کیوں کہ یہ لوگ مارشل لاء دور میں جو مراعات پا چکے تھے ان سے محروم ہو گئے اور انہوں نے ہی محاذ آرائی کا سلسلہ شروع کر دیا اور جنرل ضیاء الحق کی باقیات نے بھی ان کا ساتھ دینا شروع کر دیا۔1993ء میں بے نظیر بھٹو کو جب اقتدار ملا تو حالات بدل چکے تھے فوج نے سیاست میں دخل

Marfat.com

دینے کا ارادہ ترک کر دیا تھا اور وہ اپنی اصل ذمہ داریوں کی طرف لوٹ گئی تھی۔ مارشل لاء کی باقیات کا خیال تھا کہ وہ پھر سے اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے چنانچہ انہوں نے مختلف طریقوں سے فوج کو سیاست میں مداخلت کی ترغیب دینا شروع کر دی۔ کئی ایک سیاستدانوں کو تو فوجی بوٹوں کی آوازیں بھی سنائی دینے لگیں حالانکہ فوجی قیادت بار بار یہ اعلان کر چکی تھی کہ وہ سیاست میں ہرگز مداخلت نہیں کرے گی لیکن اقتدار کے بھوکے سیاستدانوں کو یقین نہیں آ رہا تھا چنانچہ اس وقت بھی اپوزیشن کے بعض رہنما کبھی تو صدر کو اسمبلیاں توڑنے کا مشورہ دیتے اور کبھی فوج کو سیاست میں مداخلت کے اشارے دیتے۔ حکومت کو اس بات کا پوری طرح احساس تھا کہ فوج ہرگز سیاست میں مداخلت نہیں کرے گی چنانچہ وزیراعظم بے نظیر بھٹو کا 15 ستمبر کو ایک امریکی جریدے ''ہارورڈ انٹرنیشنل ریویو'' میں وزیراعظم بے نظیر بھٹو کا ایک مضمون شائع ہوا جس میں انکشاف کیا گیا تھا کہ پاک فوج نے گمراہ کن سیاسی عناصر کی جانب سے جمہوری نظام میں مداخلت کی کال کو مسترد کر دیا ہے اور جمہوری منتخب حکومت کو فوج کی مکمل اور غیر مشروط حمایت حاصل ہے۔ پاک فوج نے گذشتہ سالوں کے تجربات کے بعد اپنا رویہ تبدیل کر لیا ہے اور وہ جمہوری منتخب اداروں کے امور میں مداخلت نہ کرنے کا حتمی فیصلہ کر چکی ہے۔ انہوں نے اپنے مضمون میں کہا کہ پاک فوج عوام کے ذریعے منتخب ہونے والے نمائندوں کے کام میں مداخلت نہ کرنے اور ملک کو سیاسی طور پر چلانے کو ترجیح دے رہی ہے۔

18 ستمبر کو وزیراعظم بے نظیر بھٹو نے ایک مرتبہ پھر اپوزیشن کو حکومت کی جانب سے تمام آئینی معاملات اور سیاسی استحکام کی خاطر مذاکرات کی دعوت دی اور کہا کہ ہماری موجودہ روش کے پیش نظر قائد حزب اختلاف کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ جمہوریت کی بقا اور ملک کے استحکام کی خاطر حکومت کے ساتھ مذاکرات کریں۔ اگر انہوں نے یہ پیش کش قبول نہ کی تو پھر ملک میں سیاسی عدم استحکام کی ذمہ داری اپوزیشن پر عائد ہوگی۔ وزیراعظم ہاؤس میں پاکستان پیپلز پارٹی کے ضلعی صوبائی اور مرکزی عہدے داروں کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے وزیراعظم نے کہا کہ قائد حزب اختلاف ماضی کی طرح اب بھی چور دروازے سے اقتدار میں آنا چاہتے ہیں لیکن ان کی یہ کوشش کامیاب نہیں ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ ان کی تربیت غیر سیاسی ماحول میں ہوئی ہے اور وہ

Marfat.com

اس حقیقت کی اہمیت کو نہیں سمجھتے کہ ایوان صدر میں اب ضیاء الحق یا غلام اسحاق جیسا کوئی شخص موجود نہیں بلکہ فاروق احمد خان لغاری سیاسی اور جمہوری عمل کے نتیجے میں ملک کے اعلیٰ ترین منصب پر فائز ہوئے ہیں اس لئے ان سے کسی ماورائے آئین اقدام کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

20 ستمبر 1996ء کو پاکستان پیپلز پارٹی ایک عظیم صدمے سے دوچار ہوگئی، میر مرتضیٰ بھٹو پولیس فائرنگ سے ہلاک ہوگئے ابھی مرتضیٰ بھٹو کی رسم قل ادا نہ ہوئی تھی کہ فاروق لغاری نے ججوں کی تقرری کے مسئلے پر وزیر اعظم کے ساتھ اختلافات کا اعتراف کر لیا اور انہوں نے سپریم کورٹ سے کہا کہ وہ اپنے مشاورتی دائرہ اختیار کو بروئے کار لاتے ہوئے یہ رائے دے کہ آیا صدر اعلیٰ عدالتوں میں تقرریوں کے معاملے میں وزیر اعظم کے مشورے کے پابند ہیں یا نہیں۔

23 ستمبر کو صدر نے آئین کے آرٹیکل 56(2) کے تحت حاصل اختیارات استعمال میں لاتے ہوئے بیک وقت سینٹ اور قومی اسمبلی کو مراسلے بھیجے جن میں کہا گیا تھا کہ احتساب کے عمل کو یقینی بنانے کے لئے پارلیمنٹ کے دونوں ایوان باقی تمام امور چھوڑ کر فوری طور پر قانون سازی کریں۔ یہ مراسلے قائد حزب اختلاف کے ساتھ خط و کتابت کی روشنی میں بھیجے گئے تھے۔ 26 ستمبر کو میاں نواز شریف نے صدر مملکت سے تین گھنٹے تک ملاقات کی اور صدر سے حکومت کی فوری برطرفی کا مطالبہ کیا۔ صدر نے کہا کہ اگر قومی مفاد میں ضروری ہوا تو وہ آئین کے آرٹیکل 58(2) بی کے تحت خود کو حاصل صوابدیدی اختیارات کا استعمال کرنے سے گریز نہیں کریں گے اور یہ کہ جب بھی انتخابات ہوئے وہ اپنی آئینی ذمہ داریاں پوری کریں گے۔ اسی روز وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کی صدارت میں وفاقی کابینہ کا اجلاس ہوا جس میں وفاقی کابینہ نے بے نظیر بھٹو پر اعتماد کا اظہار کیا اور صدارتی ریفرنس اور پارلیمنٹ کے لئے صدر کے پیغام پر بھی سیر حاصل غور کیا گیا۔

28 ستمبر کو صدر اور وزیر اعظم کے درمیان چھ گھنٹے طویل ملاقات ہوئی جس میں کھل کر تمام گلے شکوے دور کئے گئے تاہم وزیر اعظم نے صدر مملکت پر اعتماد کا اظہار کیا۔ 12 اکتوبر کو قاضی حسین احمد نے صدر سے ملاقات کے بعد 24 اکتوبر کو اسلام آباد میں دھرنا دینے کا اعلان کر دیا۔ 18 اکتوبر کو میاں نواز شریف نے انکشاف کیا کہ فیصلہ کرنے والی قوتیں چند ہفتوں کے اندر اقدام کرنے والی ہیں۔ اگلے روز قائد حزب اختلاف میاں نواز شریف نے اپوزیشن کی طرف سے

Marfat.com

احتسابی کمشن کے قیام کا ایک بل قومی اسمبلی میں پیش کیا۔ انہوں نے اس بل میں صدر، وزیر اعظم، وزرائے اعلیٰ، معاونین خصوصی، ارکان اسمبلی، سینیٹرز، وزراء، اٹارنی جنرل، پارلیمانی سیکرٹری، مشیروں سیاسی جماعتوں کے عہدے داروں اور افسروں کے احتساب کی تجویز پیش کی۔ گریڈ 18 سے 22 تک کے افسروں کے احتساب کی تجویز پیش کی اور اس سے نچلے افسروں کے لئے ایک علیحدہ نظام قائم کرنے کی تجویز پیش کی۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر حکومت چاہے تو وہ 1947ء سے احتساب کی تجویز پر بھی متفق ہیں۔ انہوں نے سرکاری افسروں کے احتساب کے لئے وفاقی محتسب کو وسیع تر اختیارات دینے کا مطالبہ کیا۔

10 اکتوبر 1996ء کو بے نظیر بھٹو نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ اگر اپوزیشن کے پاس طاقت ہے تو تحریک عدم اعتماد لائے کیوں کہ یہ ایک جمہوری طریقہ ہے ہم ان کے عدم اعتماد کا مقابلہ کریں گے۔ اسی روز صدر اور وزیر اعظم کے درمیان دو دو گھنٹے کی ملاقاتوں کے تین دور ہوئے۔ صدر نے وزیر اعظم کو حکومت کی ناکامی کے اسباب بتائے وزیر اعظم بے نظیر بھٹو نے صدر لغاری کو یقین دلایا کہ حکومت بدعنوانی کا خاتمہ، امن وامان بہتر بنانے اور اقتصادی مسائل کے حل کے لئے صدر کے پیش کئے گئے نکات پر عمل درآمد کرائے گی۔

11 اکتوبر کو وزیر اعظم نے ایوان صدر میں فاروق لغاری سے ملاقات کی، دونوں رہنماؤں نے طے کیا کہ آئندہ دونوں رہنما اہم سیاسی و اقتصادی امور پر پالیسی طے کرنے سے پہلے ایک دوسرے کو اعتماد میں لیں گے۔ 14 اکتوبر کو ایوان صدر میں ہی صدر فاروق لغاری کی صدارت میں قومی سلامتی اور اندرونی و بیرونی صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے ایک اعلیٰ سطح کا اجلاس ہوا جس میں وزیر اعظم بے نظیر بھٹو، آرمی چیف جنرل جہانگیر کرامت، وزیر داخلہ نصیر اللہ بابر، وزیر اعظم کے مشیر جلال زیدی، سیکرٹری خارجہ نجم الدین شیخ، سیکرٹری داخلہ اور بعض حساس اداروں کے سربراہوں نے شرکت کی۔ سیکرٹری داخلہ اور حساس اداروں کے سربراہوں نے صدر اور وزیر اعظم کو ملک میں امن وامان اور دیگر امور کے حوالے سے تبادلہ خیالات کیا۔ صدر نے ملک میں امن وامان کی مجموعی صورت حال کو تشویشناک قرار دیتے ہوئے وزیر اعظم کو ہدایت کی کہ چاروں صوبوں میں عوام کی جان و مال کے تحفظ کے لئے ٹھوس اقدامات کئے جائیں۔ دراصل اس

Marfat.com

اجلاس کا مقصد وزیر اعظم کو یہ باور کرانا تھا کہ حکومت امن و امان بحال کرنے میں ناکام ہو چکی ہے۔ بعد میں صدر نے جہانگیر کرامت سے علیحدگی میں بھی ملاقات کر کے بھی ملک کی تازہ سیاسی صورت حال، کرپشن کے خاتمہ کے لئے کی جانے والی کوششوں اور دیگر امور پر تبادلہ خیالات کیا۔ دراصل اس ملاقات میں ہی مقتدر قوتوں نے اسمبلی کی برطرفی کے حوالے سے فیصلہ کر لیا تھا۔

17 اکتوبر کو صدر نے وزیر اعظم کو ایک خط بھیجا جس میں انہوں نے لکھا کہ ان کے نوٹس میں یہ بات لائی گئی ہے کہ وزراء ارکان پارلیمنٹ سرکاری افسروں کے تبادلوں اور دیگر سرکاری امور میں بے جا مداخلت کرتے ہیں۔ بے نظیر بھٹو نے ڈگمگاتی ہوئی کشتی کو سہارا دینے کے لئے آخری چارہ کار کے طور پر اپنے رفقاء کو ہدایت کی کہ وہ ایوان صدر کے کسی اقدام کے خلاف ردعمل کا اظہار نہ کریں۔ وزیر اعظم نے توقع ظاہر کی کہ وہ حکومت کے تمام اقدامات پر اپنی آراء سے حکومت کو آگاہ کرتے رہیں گے تا کہ صورت حال کو بہتر بنانے کے لئے ٹھوس اقدامات اٹھائے جاسکیں۔ 18 اکتوبر کو وزیر اعظم بے نظیر بھٹو نے روزنامہ جنگ کو ایک انٹرویو دیا جس میں کہا کہ حکومتوں کے مستقبل کا فیصلہ افراد یا ادارے نہیں کر سکتے ملک کا مال کھانے والے 97 فیصد تاجر اور بیوروکریٹ ہیں مگر اخبارات میں لگتا ہے جیسے 97 فیصد سیاستدان کرپٹ ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ ممکن ہے میں قائد حزب اختلاف کو ایسی پیش کش کردوں کہ وہ 1998ء تک الیکشن کا انتظار کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔

20 اکتوبر 1996ء کو حکومت نے کرپشن کے خاتمہ کے لئے پندرواں آئینی ترمیمی بل قومی اسمبلی میں پیش کیا جو حکومت کے خاتمے کا باعث بن گیا۔ اس بل کے تحت صدر وزیر اعظم، گورنرز، جج جرنیل، وزیر اور سرکاری افسر احتساب کی زد میں آتے تھے یہ بل قانون اور انصاف کے وزیر مملکت رضا ربانی نے پیش کیا۔ ایوان نے قواعد و ضوابط معطل کر کے بل پیش کرنے کی اجازت دی اس بل کا مقصد آئین میں ترمیم کر کے آرٹیکل 175 (اے) کا اضافہ کرنا تھا جس کے تحت متذکرہ بالا عہدے داران کے خلاف بدعنوانی، بددیانتی، رشوت اور کرپشن کے الزامات کے تحت کارروائی کی جاسکتی تھی۔

وزیر مملکت رضا ربانی نے کہا کہ حکومت ملک سے ہر قسم کی بدعنوانیوں اور کرپشن کا

Marfat.com

خاتمہ کرنا چاہتی ہے اس لئے وہ جمہوری طریقے سے پارلیمنٹ کے ذریعے احتساب کا بل لانا چاہتی ہے۔ آئینی بل کے ذریعے اعلیٰ عدالتوں کے ججوں پر بددیانتی کے الزامات پر پارلیمنٹ کے اندر مواخذہ کیا جا سکے گا اور الزام ثابت ہونے کی صورت میں متعلقہ جج کو برطرف کر دیا جائے گا۔ اس بل کی خاص بات تھی کہ یہ بل پانچ جولائی 1977ء سے نافذ العمل ہونا تھا اس سے ان تمام لوگوں کا احتساب کیا جانا تھا جو 5 جولائی 1977ء سے آج تک سرکاری اور عوامی عہدوں پر فائز رہے تھے۔ اس بل کے تحت الزامات کی تحقیقات کے لئے پارلیمنٹ کی خصوصی کمیٹی قائم ہوگی جس میں وزیراعظم، قائد حزب اختلاف، چیئرمین سینٹ، سپیکر قومی اسمبلی، حکومت اور اپوزیشن کے چار چار ارکان شامل ہوں گے اور اسمبلی ٹوٹنے کی صورت میں بھی سپیشل کمیٹی نئی اسمبلی کے قیام تک قائم رہے گی۔ فوجی افسروں کے خلاف سپیشل کمیٹی اور پبلک پراسیکیوٹر کی سفارش پر وزارت دفاع کارروائی کرے گی۔ اس بل میں کسی بھی سرکاری عہدیدار کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا تھا بلکہ وہ سرکاری محکمے جن کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ ان کے پاس ان کے احتساب کا اپنا نظام موجود ہے جن میں اعلیٰ عدالتوں کے جج اور فوجی افسران شامل ہیں انہیں بھی سرکاری بل کے تحت احتساب کے دائرے میں لانے کی تجویز رکھی گئی تھی۔ اور اس بل کو قانونی شکل دینے کے بعد 5 جولائی 1977ء سے تمام سرکاری افسران اور عہدیداروں کا احتساب ہو سکے گا۔ میاں نواز شریف نے اپنے 9 اکتوبر کے بل میں صرف اتنا کہا تھا کہ وہ 1947ء سے احتساب کا نظام قائم کرنے کے لئے بھی تیار ہیں حالانکہ یہ بظاہر ایک پرکشش تجویز تھی لیکن عملاً ایسا ہونا ناممکن تھا اور اس کا مطلب محض وقت کا ضیاع تھا دراصل وہ صرف موجودہ حکومت کے احتساب تک اپنے آپ کو محدود کرنا چاہتے تھے حالانکہ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ بدعنوانی اور کرپشن کا اصل آغاز تو 5 جولائی 1977ء سے اس وقت شروع ہوا جب ایک آئینی جمہوریت کا تختہ الٹ دیا گیا اور ملک پر طویل مارشل لاء مسلط کر دیا گیا۔ اس مارشل لاء کے دور میں سیاسی مخالفین کو جس طرح انتقام کا نشانہ بنایا گیا اور جس طرح ایک فوجی آمر نے اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کے لئے سیاستدانوں کو کرپٹ کیا، آئین کی بے حرمتی کی، اعلیٰ عدالتوں کے تقدس کو پامال کیا، آئین میں غیر جمہوری اور غیر آئینی طریقے سے ترامیم کیں اور پھر انہیں آٹھویں آئینی ترمیم کے ذریعے تحفظ فراہم کیا، جمہوری اداروں کو کمزور

Marfat.com

کرنے کے لئے غیر جماعتی بنیادوں پر انتخابات کی بدعت شروع کی جس سے ملک میں علاقائی، لسانی اور نسلی تعصبات کے علاوہ برادری ازم کو ہوا ملی۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ جمہوریت کی بحالی کے بعد ملک میں جو کرپشن، بدعنوانی اور رشوت کا جو زور دیکھنے میں آ رہا تھا اس کی بنیاد بھی مارشل لاء کے دور میں پڑی۔ خود ضیاء الحق نے اعتراف کیا تھا کہ اس کے دور میں رشوت کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا۔ جائز کاموں کے لئے بھی رشوت لی جاتی ہے اور رشوت کے ریٹ بھی کئی گنا بڑھ گئے ہیں۔

اب صورت حال یہ تھی کہ اس سے پہلے 9 اکتوبر کو قائد حزب اختلاف میاں نواز شریف احتسابی کمشن ایکٹ 96ء کے نام سے ایک بل قومی اسمبلی میں پیش کر چکے تھے۔ ان دونوں بلوں کے مندرجات پر تفصیلی غور کرنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ حکومت کی طرف سے پیش کردہ بل ہر لحاظ سے اپوزیشن کے بل پر فوقیت رکھتا تھا۔ قومی اسمبلی اور سینٹ کے پیش نظر صدر کا وہ مراسلہ بھی تھا جو صدر نے 23 ستمبر کو بھیجا تھا اور حکومت کی طرف سے پیش کی گئی آئینی ترامیم بھی اور کرپشن کے خاتمے کے لئے جو پارلیمانی عمل شروع ہونے والا تھا، اس کے نتائج کافی حوصلہ افزاء معلوم ہوتے تھے لیکن صدر، فوج اور عدلیہ کو بھی احتساب کی زد میں لانے کی یہ کوشش پیپلز پارٹی کی حکومت کو مہنگی پڑی۔ بے نظیر بھٹو بھی نتائج کا سامنا کرنے کو تیار تھیں انہوں نے وفاقی کابینہ کے اجلاس میں بعض وفاقی وزراء کی طرف سے اعلیٰ عدالتوں کے ججوں اور فوج سے وابستہ افراد کے احتساب کے معاملے میں رعایت کرنے کی تجویز رد کر دی تھی۔ وزیراعظم نے واضح کیا کہ اگر صدر اور وزیراعظم کا احتساب ہو سکتا ہے تو باقی افراد کا کیوں نہیں۔

میاں نواز شریف نے حکومت کا بل مسترد کرتے ہوئے اسے آئینی اداروں کے خلاف سازش قرار دیا۔ اور کہا ہم اسے منظور نہیں ہونے دیں گے۔ 24 اکتوبر کو صدر نے وزیراعظم کے نام ایک خط ارسال کیا جس میں کہا گیا تھا کہ آئین کی دفعہ 46 اے کے تحت یہ ضروری ہے کہ وزیر اعظم صدر کو کابینہ کے فیصلوں اور قانون سازی کی تمام تجاویز سے باخبر رکھے مگر احتساب بل کی کابینہ میں منظوری اور اسمبلی میں پیش کرنے سے قبل مجھے اطلاع نہیں دی گئی۔

حالات اسمبلی کی برطرفی کی طرف جا رہے تھے اور صدر لغاری آخری وقت تک بے نظیر

Marfat.com

بھٹو کو حکومت برطرف نہ کرنے کی یقین دہانیاں کراتے رہے۔ شائد وہ بھی جنرل ضیاء الحق کی طرح بے نظیر بھٹو کو سرپرائز دینا چاہتے تھے 58(2) بی کے استعمال سے چند روز قبل صدر لغاری ملک کے پہلے ایٹمی بجلی گھر کینوپ کی سلور جوبلی کی تقریب میں شرکت کے لئے کراچی گئے تو کمال اظفر اور وزیر اعلیٰ شاہ عبداللہ نے ان کا استقبال کیا۔ صدر لغاری نے وزیر اعلیٰ سندھ شاہ عبداللہ کو یقین دلایا کہ وہ اسمبلی توڑنے کا ہرگز ارادہ نہیں رکھتے لیکن بے نظیر بھٹو مجھ پر شک کر رہی ہیں۔ اس طرح انہوں نے شاہ عبداللہ کی پریشانی ختم کر دی کیوں کہ پچھلے چند ہفتوں سے وہ سمجھ رہے تھے کہ صدر فاروق لغاری اسمبلی توڑنے کا فیصلہ کر چکے ہیں اور وہ کسی وقت بھی اپنے فیصلے پر عمل درآمد کر سکتے ہیں۔

اسمبلی توڑنے کا فرمان جاری کرنے سے صرف 13 گھنٹے قبل صدر لغاری اپنے اور وزیر اعظم کے مشترکہ دوست کو یقین دلا رہے تھے کہ سنٹرل اینٹیلی جنس بیورو نے ایوان صدر میں ہونے والی پراسرار سرگرمیوں اور حکومت کی برطرفی کے لئے خفیہ صدارتی اقدامات کے حوالے سے وزیر اعظم کو تین نومبر کو جو رپورٹ بھیجی ہے وہ مفروضات پر مبنی ہے، اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ مشترکہ دوست سے یہ ملاقات پونے دو گھنٹے جاری رہی جس میں صدر نے تقریباً پندرہ مرتبہ دہرایا کہ ''بی بی کو آخر یقین کیوں نہیں آتا کہ فاروق محسن کش نہیں ہے۔''

بے نظیر حکومت کے خلاف شاہد حامد، خواجہ طارق رحیم اور ارشاد احمد حقانی نے جو چارج شیٹ تیار کی اور اسمبلی توڑنے صدارتی فرمان میں جو سب سے اہم مسئلہ قرار دیا گیا وہ جعلی پولیس مقابلوں میں ہلاک ہونے والوں کا مسئلہ تھا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ 1995ء کے پارلیمانی سال کے خاتمہ پر پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے صدر لغاری نے اس اقدام کو درست قرار دیتے ہوئے کہا تھا کہ کراچی اور سندھ کے دوسرے علاقوں میں قانون نافذ کرنے والے اداروں کے ذریعے دہشت گردی کے خاتمہ اور امن کی بحالی کے لئے بے نظیر حکومت نے مثالی اقدامات کئے ہیں، جبکہ صرف ایک سال کے بعد انہوں نے انہی اقدامات کو قابل گرفت قرار دے دیا تھا۔

4 نومبر کی دوپہر کو وزیر اعلیٰ شاہ عبداللہ اپنے دفتر میں بیٹھے تھے دو صوبائی وزراء ظفر

Marfat.com

لغاری اور نثار کھوڑو بھی موجود تھے، ظفر لغاری نے عبداللہ شاہ کو یاد دلایا کہ آج شام گورنر ہاؤس میں سندھ کے گورنر کی طرف سے نیپال کے وزیراعظم کے اعزاز میں عشائیہ ترتیب دیا گیا ہے جہاں آپ نے بھی جانا ہے۔ عبداللہ شاہ نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے اپنے سیکرٹری اور چیف منسٹر ہاؤس کے دیگر عملے سے گورنر کی دعوت کے بارے میں دریافت کیا تو سب نے لاعلمی کا اظہار کیا شام کو گورنر اور وزیراعلیٰ نیپال وزیراعظم کے استقبال کے لئے ائیرپورٹ پہنچے جہاں وزیراعلیٰ نے گورنر کی دعوت کے بارے میں دریافت کیا۔ گورنر نے مصنوعی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے وزیراعلیٰ کو پریشان کر دیا اور کچھ دیر بعد وزیراعلیٰ سے کہا کہ انہوں نے اپنے ملٹری سیکرٹری اور اے ڈی سی کو ہدایت کر دی ہے کہ وہ آپ کو کارڈ پہنچا دیں۔ شام کو جب دعوت ہوئی تو گورنر نے وزراء سے مصافحہ کرتے ہوئے اس سرد مہری کا مظاہرہ کیا کہ جیسے وہ بن بلائے ہی تقریب میں چلے آئے ہوں۔ رات گئے تقریب ختم ہوئی اور تمام لوگ اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ وزیراعلیٰ شاہ عبداللہ چیف منسٹر ہاؤس میں رات کو دیر تک گورنر کے رویئے پر غور کرتے رہے کہ گورنر نے اس قدر سرد مہری کا مظاہرہ پہلے تو کبھی نہیں کیا۔ یہ بات سوچتے سوچتے ان کو نیند آ گئی۔

کچھ عرصہ قبل غلط طور پر یہ بات مشہور کر دی گئی کہ بعض لوگوں کے حکم پر جمال لغاری اور بعض دوسرے اہل خانہ کی نجی مصروفیات کے بارے میں ویڈیو فلمیں تیار کی جا چکی ہیں ایوان صدر کے ذرائع اس قسم کی فلموں کی تردید کر رہے تھے لیکن دوسری طرف اسلام آباد اور ڈیرہ غازی خان میں ویڈیو فلم کا کاروبار کرنے والے دو افراد کو گرفتار کر لیا گیا۔ یہ بات مشہور تھی کہ انہوں نے بعض خاص شخصیات کے ایماء پر صدر لغاری اور ان کے بیٹے جمال لغاری اور خاندان کے چند دوسرے افراد کی انتہائی ذاتی مصروفیات کی ویڈیو فلم بنائی تھی۔ ایوان صدر ناہید خان، آصف علی زرداری، حسین حقانی، بیگم رعنا شیخ، شہناز وزیر علی، نواز کھوکھر، نوید قمر، جہانگیر بدر، ملک مشتاق اعوان اور وزیر بلدیات ناظم حسین شاہ پر بعض غلط الزامات پر اصرار کر رہا تھا۔ جبکہ بے نظیر بھٹو کے ذرائع صدر لغاری، ان کے صاحبزادوں اور چچا زاد بھائیوں کی بدعنوانیوں کے دستاویزی ثبوت رکھنے کا دعویٰ کر رہے تھے کہا جاتا ہے کہ صدر لغاری کے بیٹے جمال لغاری نے سوشل ایکشن بورڈ ڈیرہ غازی خان کے چیئرمین کی حیثیت سے بورڈ کے فنڈز کا جو حشر کیا صرف وہی منظر عام پر لایا جائے

Marfat.com

تو لغاری خاندان کی پاکدامنی کا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔

4 اور 5 نومبر کی رات کو حتمی فیصلے سے پہلے صدر لغاری اور بے نظیر بھٹو کے درمیان ایک ملاقات ہوئی جس میں شکوے شکایت کے علاوہ یہ طے پایا کہ صدر لغاری اگلے روز یعنی 5 نومبر کو اپنے آبائی گاؤں چوٹی جا رہے ہیں، نصیر اللہ بابر نوشہرہ روانہ ہونے والے ہیں اور ان دونوں کی واپسی کے بعد ایک اور ملاقات میں دوبارہ بات چیت کی جائے گی۔ اس فیصلے کے بعد صدر لغاری سونے کے لئے اپنے بستر میں چلے گئے، بعض مقتدر قوتوں کے نمائندوں نے انہیں فون کر کے جگایا اور کہا کہ وہ انہیں ملنے کے لئے آ رہے ہیں انہوں نے صدر مملکت کو تصویروں اور ویڈیو کیسٹوں کا ایک پیکٹ پیش کیا جسے دیکھ کر صدر مملکت کی ہمت جواب دے گئی اور حکومت کی برطرفی کے لئے فیصلہ کن احکامات دے دیئے گئے۔ اس سلسلے میں تمام امور تیزی کے ساتھ طے پانے لگے۔ بے نظیر بھٹو نے شاہ عبداللہ سے فون پر بات کی اور کہا کہ وہ سندھ کے ارکان قومی وصوبائی اسمبلی اور سینیٹروں کو لے کر اسلام آباد پہنچ جائیں یہ بے نظیر بھٹو کی آخری کال تھی اس کے بعد وزیراعظم ہاؤس کے فون خاموش کر دیئے گئے۔

☆☆☆

Marfat.com

بے نظیر بھٹو اور مسئلہ کشمیر

پاکستان پیپلز پارٹی کے بانی اور سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو شہید کشمیریوں کے حق وصداقت اور انصاف پر مبنی حق خود ارادیت کے عظیم علمبردار اور ترجمان تھے۔ انہوں نے اپنی تمام سیاسی زندگی میں اقتدار کے اندر اور باہر جس طرح مسئلہ کشمیر پر پاکستان کے موقف اور کشمیریوں کی خواہشات کی ترجمانی اور وکالت کی اس نے پاکستانی اور کشمیری عوام کو ان کا گرویدہ بنا لیا۔ یہ بات ایک عظیم المیہ ہے کہ ان کو جسمانی طور پر ختم کر دینے کے بعد ان کے جانشینوں نے مسئلہ کشمیر کو سرد خانے میں ڈال دیا۔ یہ اعزاز بھی جناب بھٹو کی دختر، دختر مشرق محترمہ بے نظیر بھٹو وزیر اعظم پاکستان کو حاصل ہوا کہ انہوں نے مسئلہ کشمیر پر دلیرانہ اور ایک زوردار موقف اختیار کیا جو حقیقت پر مبنی تھا۔ پاکستان کے سیاسی قائدین میں وہ واحد سیاسی رہنما تھیں جنہوں نے اقتدار کے اندر اور باہر رہ کر یکساں طور پر کشمیریوں کے موقف کی بھرپور ترجمانی کی اور پاکستان کے قومی مفادات اور اصولوں پر مبنی موقف پر قائم رہیں باوجود یکہ بعض دیگر ذمہ دار سیاسی قائدین اور وقت کے حکمران پاکستان کے موقف کے برخلاف نظریات کی لہر کا شکار ہو گئے۔ یہ بات تاریخ کے ریکارڈ پر ہے کہ محترمہ بے نظیر بھٹو نے اکتوبر 1993ء کی انتخابی مہم کے دوران باقی سیاسی قائدین کے مقابلے میں مسئلہ کشمیر پر بھرپور اور زوردار انداز میں اظہار خیال کیا اور اس بات کا عہد کیا کہ وہ مسئلہ کشمیر قومی امنگوں اور خواہشات کے مطابق حل کرنے کے سلسلہ میں اپنا موثر اور بھرپور کردار ادا کریں گی۔

یہ افسوسناک امر ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی اور اس کے قائدین کی مسئلہ کشمیر کے حل کے سلسلے میں خدمات کو مسخ کرنے کے لئے بھٹو خاندان اور پاکستان پیپلز پارٹی سے قلبی نفرت کا لگاؤ رکھنے والے عناصر میں ماضی قریب میں مسئلہ کشمیر کے حوالے سے محترمہ بے نظیر بھٹو پر طرح

Marfat.com

طرح کے الزامات لگائے حتیٰ کہ انہوں نے پاکستان کے فوجی آمر جنرل ضیاء الحق پر تعریف و توصیف کے پھول نچھاور کیئے جنہوں نے اپنے عرصہ اقتدار میں مسئلہ کشمیر کو ایک طویل مدت تک سرد خانے میں ڈالے رکھا۔ پاکستان کا یہ آمر مسئلہ کشمیر سے اس حد تک لاتعلق رہا کہ جب بھارت نے دہلی کی تہاڑ جیل میں کشمیر کے عظیم ترین ہیرو اور حریت پسند رہنما جناب مقبول بٹ شہید کو تختہ دار پر لٹکایا تو اس فوجی حکمران نے اس بربریت پر اظہار احتجاج بھی نہ کیا۔

یہ بات بھی تاریخ کا حصہ ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی کے دوسرے دور اقتدار (دسمبر 1988ء تا اگست 1990ء) میں جب محترمہ بے نظیر بھٹو پاکستان کی وزیراعظم تھیں تو بھارتی مقبوضہ کشمیر میں بھارت کے خلاف کشمیری مسلمانوں نے اپنی آزادی کی تاریخ ساز جدوجہد کا آغاز کیا، غالباً کشمیری مسلمانوں کا محترمہ بے نظیر بھٹو کی قیادت پر اعتماد تھا جس نے ان کو ایک نیا حوصلہ دیا اور انہوں نے پوری استقامت اور قوت کے ساتھ بھارت کے خلاف اپنی جدوجہد جاری رکھی۔ محترمہ بے نظیر بھٹو نے اپنے سابقہ دور اقتدار میں حریت پسندوں کی ہر ممکن مدد کی اور اس کے نتیجہ میں کشمیری مجاہدین نے پوری دنیا کو مسئلہ کشمیر کے حل کی ضرورت کا احساس دلایا۔ یہ بات بھی تاریخ کا حصہ ہے کہ محترمہ بے نظیر بھٹو کی حکومت نے کشمیری مجاہدین کی اخلاقی، سیاسی اور سفارتی سطح پر بھرپور حمایت کی اور ان کی تحریک کو ایک نئی سمت عطا کی۔

پاکستان کی تاریخ میں یہ بھی ایک منفرد واقعہ ہے کہ محترمہ بے نظیر بھٹو کی سابقہ وزارت عظمٰی کے دوران پاکستان کی تمام معروف اور مسلمہ سیاسی جماعتوں اور ان کے قائدین کو مسئلہ کشمیر کے بارے میں اعتماد میں لیا گیا اور بریفنگ دی گئی۔ انہی کی وزارت عظمٰی کے دوران ایک طویل مدت کے بعد بطور خاص پاکستان کی پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں مسئلہ کشمیر کو بھرپور طریقہ سے زیر بحث لایا گیا اور ایک متفقہ قرارداد منظور کی گئی۔ محترمہ بے نظیر بھٹو نے اپنے سابقہ دور حکومت میں بطور وزیراعظم مسئلہ کشمیر پر عالمی حمایت حاصل کرنے کے لئے 15 ممالک کا دورہ کیا۔ یہ بات بھی تاریخ کا حصہ ہے کہ اسلامی کانفرنس کی تاریخ میں پہلی بار اگست 1990ء کے اوائل میں محترمہ کی وزارت عظمٰی کے دوران مسئلہ کشمیر پر پہلی بار قرارداد منظور کی گئی۔ مگر مقام افسوس ہے کہ ایک گہری سازش کے تحت اس قرارداد کی منظوری کے صرف دو دن بعد ان کی حکومت کو برطرف کر

Marfat.com

دیا گیا۔

یہ کشمیریوں کی طرف سے محترمہ بے نظیر بھٹو کی قیادت پر اعتماد کا اظہار تھا کہ پاکستان پیپلز پارٹی کی انتخابات میں کامیابی اور اس کے نتیجہ میں اس کی حکومت کے قیام کے بعد مقبوضہ کشمیر میں جدوجہد آزادی کی رفتار تیز ہوگئی یقیناً محترمہ بے نظیر بھٹو کی قیادت میں کشمیری رہنماؤں کو امید کی ایک کرن نظر آتی تھی جس سے ان کے حوصلے بلند ہوئے۔ محترمہ کے قائد ایوان اور وزیر اعظم منتخب ہونے کے بعد محترمہ کی طرف سے بھارت پر واشگاف انداز میں یہ واضح کر دیا گیا کہ مسئلہ کشمیر کو کشمیری عوام کی خواہشات کے مطابق حل کرنا ہوگا۔ انہوں نے بھارت کو خبردار کیا کہ وہ مقبوضہ کشمیر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں بند کرے اور ایسے حالات پیدا کیے جائیں تاکہ مسئلہ کشمیر پر امن طور پر کشمیریوں کی منشا کے مطابق حل ہو سکے۔ مسئلہ کشمیر پر عالمی حمایت حاصل کرنے کی غرض سے محترمہ بے نظیر بھٹو نے ذاتی طور پر اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کے علاوہ 15 ممالک کے سربراہان مملکت اور حکومت جن میں امریکہ، برطانیہ، چین، فرانس اور روس شامل تھے کو خطوط تحریر کر کے ان پر واضح کیا کہ بھارتی مقبوضہ کشمیر میں جبر وتشدد اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کا سلسلہ بند کرا کر مسئلہ کشمیر کو اقوام متحدہ کی قرار دادوں کے تحت حل کرایا جائے۔ انہوں نے اپنے خط میں یہ زور بھی دیا کہ مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کے سلسلہ میں وہ بھارت پر دباؤ ڈالیں تاکہ پاکستان کے ساتھ بامقصد مذاکرات کا آغاز کرے۔ محترمہ بے نظیر بھٹو نے ان عالمی رہنماؤں کے نام اپنے خط میں مقبوضہ کشمیر میں بھارت کی دہشت گرد اور قابض افواج کے ہاتھوں مقدس ترین مذہبی مقام درگاہ حضرت بل کے محاصرہ کی طرف بھی توجہ مبذول کرائی۔ محترمہ بے نظیر بھٹو کی طرف سے یقیناً سفارتی محاذ پر یہ ایک دلیرانہ اور حقیقت پسندانہ اقدام تھا جسے پوری قوت اور شدت کے ساتھ وسیع پیمانہ پر جاری رکھنے کی ضرورت تھی۔

محترمہ بے نظیر بھٹو نے بھارت کے ایک اخبار ''ہندو'' کو انٹرویو دیا یہ انٹرویو 12 نومبر 1993ء کو شائع ہوا جسے راولپنڈی اسلام آباد کے انگریزی روزنامہ ''دی نیوز'' نے 13 نومبر کو من وعن نقل کیا تھا۔ اپنے اس انٹرویو میں محترمہ بے نظیر بھٹو نے مختلف موضوعات بالخصوص ایٹمی مسئلہ اور مسئلہ کشمیر کے بارے میں حقیقت پسندانہ اور دلیرانہ موقف

Marfat.com

اختیار کیا۔ بھارت وزیراعظم کی مسئلہ کشمیر سمیت باہمی مذاکرات کی پیش کش کے حوالہ سے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے محترمہ بے نظیر بھٹو نے بڑے واضح اور واشگاف الفاظ میں فرمایا کہ بھارت کو سب سے پہلے اس بات کی وضاحت کرنی چاہئے کہ ''کیا بھارت مسئلہ کشمیر پر ایک علیحدہ ایجنڈا کے موضوع کے طور پر بات چیت کے لئے تیار ہے؟ اور کیا وہ سازگار ماحول پیدا کرنے کے لئے جنگ بندی اور کچھ افواج کشمیر سے نکالنے کے لئے تیار ہے؟'' اس سلسلے میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ محترمہ بے نظیر بھٹو نے بجا طور پر اپنے انٹرویو میں کہا کہ جب تک درگاہ حضرت بل کا محاصرہ ختم نہیں کیا جاتا اور بھارت مقبوضہ کشمیر سے اپنی افواج کا کچھ حصہ نکال نہیں لیتا وہ بھارت کے ساتھ بات چیت کے لئے بھارت نہیں جا سکتیں کیوں کہ کشمیر میں قتل عام جاری ہے۔ محترمہ بے نظیر بھٹو کا یہ موقف ان کی مستقل مزاجی اور اس عزم کا اظہار تھا کہ وہ کشمیری عوام کی منشا اور پاکستان کے مفادات کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کا تصور بھی نہیں کر سکتیں۔

محترمہ بے نظیر بھٹو نے ایک عظیم مدبر کے اوصاف کا ثبوت فراہم کیا جب انہوں نے بھارت کو اس بارے میں رضامند ہونے کا مشورہ دیا کہ ''طاقت کا استعمال کسی مسئلہ کا مستقل حل نہیں ہے اور ہمیں مسئلہ کشمیر کا سیاسی حل ہی تلاش کرنا پڑے گا۔'' اس سلسلہ میں انہوں نے بھارت کو یہ مشورہ بھی دیا کہ وہ ''کشمیر کی کڑوی گولی نگل لے کیوں کہ وسیع تر امن اور استحکام کے مقاصد کے حصول کی خاطر تاریخ میں بعض اوقات کڑوی گولیوں کو نگلنا ہی پڑتا ہے۔'' اپنے اس حقیقت پسندانہ موقف کے جواز میں بے نظیر بھٹو نے برصغیر کی تاریخ سے چند واقعات بھی بطور مثال پیش کئے۔

وزیراعظم پاکستان بے نظیر بھٹو نے اپنے انٹرویو میں اس بات کا برملا اظہار کر کے کہ ''لائن آف کنٹرول کو بھارت اور پاکستان کے درمیان معاہدہ کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا'' پاکستان اور کشمیری عوام کے حقیقی جذبات اور احساسات کی ترجمانی کی۔ انہوں نے یہ بھی واضح کیا کہ ''اس طرح کا معاہدہ کشمیریوں کے لئے قابل قبول نہیں ہوگا اور نہ ہی اس سے بین الاقوامی قانون کے تقاضے پورے ہوتے ہیں۔'' محترمہ نے زوردار انداز میں اس بات کا اعلان کیا کہ ''ہمیں مسئلہ کشمیر کو اس کے تاریخی تناظر میں حل کرنا ہوگا۔'' محترمہ بے نظیر بھٹو کے یہ الفاظ کہ ''اب وقت آ گیا

Marfat.com

ہے کہ خواہ کتنا ہی مشکل فیصلہ کیوں نہ ہو ہمیں اس کا سامنا کرنا ہی پڑے گا۔ ہم نے 1947ء میں اس کا سامنا کیا اور پھر 1971ء میں بھی سامنا کیا اور اگر ہمیں 1994ء میں اس کا سامنا کرنا پڑے تو کڑوی گولی نگلنی پڑے گی تا کہ برصغیر جنوبی ایشیا کے خطہ میں علاقائی سلامتی اور استحکام کی بنیادوں کو استوار کیا جا سکے۔'' اب تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں۔

☆☆☆

Marfat.com

ترقی اور خوشحالی کے لئے اقدامات

اکتوبر میں الیکشن کے بعد پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت نے اقتدار سنبھالا تو مختلف شعبوں میں ترقی کا عمل شروع کرنے کے لئے ٹاسک فورس بنائی گئی۔ زراعت، توانائی، تجارت اور برآمدات میں اضافہ کے لئے بنائی گئی ٹاسک فورسز نے فوری طور پر کام شروع کر دیا۔ وزیر اعظم نے اپنی پہلی تقریر میں ملک سے غربت، جہالت ختم کرنے اور خوشحالی لانے کے عزم کا اظہار کیا۔ حکومت کی ترجیحات میں معیشت کی بحالی اور مضبوط بنیادوں کو استوار کرنا، توانائی کے شعبے کی جانب خصوصی توجہ دینا تاکہ صنعت کاری کے عمل کو تیز کیا جا سکے زراعت کو ترقی دینا شامل تھیں۔ غیر ترقیاتی اخراجات کو کم کر کے ترقیاتی کاموں کو ترجیح دینے کا عمل شروع کیا گیا۔ وزیر اعظم بے نظیر بھٹو نے اپنے منشور کے مطابق سماجی اور اقتصادی شعبوں میں ترقی کے لئے فوری اقدامات شروع کئے۔

توانائی کا شعبہ ایک طویل عرصہ سے محروم توجہ رہا یہی وجہ ہے کہ تقریباً سارا سال لوڈ شیڈنگ رہتی ہے۔ کراچی جیسا شہر جسے روشنیوں کا شہر کہا جاتا تھا گھنٹوں اندھیروں میں ڈوبا رہتا تھا، اس وقت بجلی کی کل پیداوار نو ہزار میگاواٹ تھی جبکہ ہماری ضرورت گیارہ ہزار میگاواٹ تھی اور اس میں ہر سال تقریباً 12 فیصد کے حساب سے اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ توانائی کے بحران میں اگر کوئی شخص نئی صنعتوں کے قیام کے خواب دیکھے تو اسے دیوانہ ہی کہا جا سکتا تھا کیوں کہ جب ہماری پہلے سے قائم صنعتوں کو ضرورت کے مطابق بجلی مہیا نہیں کی جا سکتی تھی تو نئی صنعتوں کو کہاں سے ملتی۔

حکومت نے سب سے پہلے غازی بروتھا ڈیم تعمیر کرنے کی منظوری دی اس ڈیم اور بجلی گھر کی تعمیر پر ہمیں 1450 میگاواٹ بجلی میسر ہونے کا امکان تھا۔ حکومت کے پاس اتنے وسائل نہیں تھے کہ اس شعبے میں سرمایہ کاری کر سکے، قرضوں کی صورت حال پہلے ہی خراب تھی چنانچہ

Marfat.com

حکومت نے فیصلہ کیا کہ پرائیویٹ سیکٹر میں بجلی گھروں کے قیام کی منظوری دی جائے۔اس مقصد کے لئے پرائیویٹ پاور بورڈ کا قیام عمل میں لایا گیا۔نجی سرمایہ کاروں کے لئے سہولتوں اور ترغیبات کی منظوری دی گئی۔ملکی وغیر ملکی سرمایہ کاروں کو پیش کش کی گئی کہ وہ پاکستان میں توانائی کے شعبے میں سرمایہ کاری کریں۔سب سے پہلے حب پاور پراجیکٹ کی منظوری دی گئی، یہ منصوبہ ورلڈ بینک کے تعاون سے شروع کیا گیا اور اس پر 1.8 بلین ڈالر لاگت آئی۔یہ منصوبہ 1996ء کے آخر میں مکمل ہونے پر تقریباً تیرہ سو میگاواٹ بجلی پیدا کرنے لگا۔

توانائی کے شعبے میں سرمایہ کاری میں خوش آئند اور بڑی پیش رفت نومبر 1994ء میں امریکی وزیر توانائی مسز اولیری کے دورے کے دوران ہوئی امریکی وزیر تقریباً 80 امریکی سرمایہ کاروں کے ساتھ پاکستان کے پانچ روزہ دورے پر آئیں اور اسی دوران امریکی سرمایہ کاروں نے تقریباً پانچ بلین ڈالر سرمایہ کاری کے 16 معاہدوں پر دستخط کئے۔ان کے تحت پاکستان میں 12 نئے پاور پلانٹ لگانے کا منصوبہ بنایا گیا جن میں 9 تھرمل اور 3 ہائیڈل پاور پلانٹ شامل تھے اور ان کے مکمل ہونے سے (یہ منصوبے 1997ء کے آخر تک شروع ہونا تھے) 3507 میگاواٹ بجلی پیدا ہونے کی امید تھی۔ان میں سے 800 میگاواٹ کا ایک پلانٹ پورٹ قاسم کے قریب لگانے کا منصوبہ بھی تھا اور توقع تھی کہ وہ ستمبر 1996ء تک بجلی فراہم کرنا شروع کر دے گا۔720 ملین ڈالر کی لاگت سے پنجاب میں دو بجلی گھر لگانے کا منصوبہ بھی بنایا گیا جن سے 720 میگاواٹ بجلی حاصل ہونے کی توقع تھی اور یہ تقریباً پچاس لاکھ افراد کی بجلی کی ضروریات پوری کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔اچ کے مقام پر قدرتی گیس سے چلنے والا ایک بجلی گھر تعمیر کرنے کا منصوبہ بھی تیار کیا گیا جس پر 660 ملین ڈالر لاگت کا تخمینہ تھا یہ بجلی گھر مکمل ہونے پر 558 میگاواٹ بجلی پیدا کرنے کی صلاحیت کا حامل ہوسکتا تھا۔

اس کے علاوہ حکومت نے نجی شعبے میں تقریباً دو درجن سرمایہ کاروں کو بجلی گھر لگانے کی اجازت دی۔دنیا کا ایک بڑا سرمایہ کار مسٹر گارڈن دو اکتوبر 1994ء میں پاکستان آیا اور پاکستان میں توانائی کے شعبے میں سرمایہ کاری کے معاہدے پر دستخط کئے۔اس معاہدے کے تحت مسٹر گارڈن کی طرف سے پاکستان میں تقریباً 8 بلین ڈالر کی سرمایہ کاری کی جانی تھی۔اس میں سب

Marfat.com

سے بڑا منصوبہ پاکستان سے 40 کلومیٹر دور ساحلی علاقے پر کوئلے سے چلنے والا ایک بجلی گھر تعمیر کیا جانا تھا جس پر ساڑھے پانچ بلین ڈالر لاگت آنے کی توقع تھی۔ یہ منصوبہ مکمل ہونے پر تقریباً 5300 میگاواٹ بجلی حاصل ہونے کی توقع تھی۔ اس بجلی گھر میں استعمال کے لئے تھر میں پائے جانے والے کوئلے کو نکالنے کا کام بھی مسٹر گارڈن کے کنسورشیم کو سونپا گیا تھا۔ توانائی کے شعبے میں منظور کیا جانے والا یہ سب سے بڑا منصوبہ تھا۔ کوئلے کے ذخائر نکلنے سے اور بجلی گھر مکمل ہونے سے تھر کے علاقے میں خوشحالی کا نیا دور شروع ہونا تھا اور وہ علاقہ جو صدیوں سے غربت کی چکی میں پس رہا تھا خوشحالی اور ترقی کی جانب گامزن ہونے کی توقع تھی۔

امریکی سرمایہ کاروں کے ساتھ گیس اور تیل کی تلاش کے منصوبوں کے لئے بھی معاہدے پر دستخط کئے گئے۔ بدین اور رتانہ کے علاقوں میں گیس اور تیل کی تلاش کے لئے امریکی کمپنیاں تقریباً 300 ملین ڈالر کی سرمایہ کاری کرنے کی خواہشمند تھیں۔ کوئٹہ میں قدرتی گیس سے چلنے والا بجلی گھر تعمیر کیا گیا جس پر 105 ملین ڈالر لاگت آئی اور 104 میگاواٹ بجلی پیدا کرنے کا ہدف حاصل کیا گیا۔ جام شورو (سندھ) میں 310 میگا واٹ کا ایک بجلی گھر لگایا گیا جس پر 174 ملین ڈالر لاگت آئی۔

صدر فاروق لغاری کے دورہ ایران کے دوران ایران سے تجارت بڑھانے کے امکانات کا جائزہ لیا گیا۔ ایران ہم سے شوگر پلانٹ خریدنے میں دلچسپی رکھتا تھا اور اس کے بدلے میں بلڈوزر فراہم کرنے کا خواہشمند تھا۔ ایران سے پاکستان تک گیس پائپ لائن بچھانے کا بھی منصوبہ زیر غور تھا پاک ایران آئل ریفائنری ملتان میں لگانے کے معاہدے کو بھی حتمی شکل دی گئی اور اس پر کام شروع کیا گیا۔

ورلڈ بینک کی سربراہی میں 37 غیر ملکی بینکوں کے ایک کنسورشیم نے پاکستان کے توانائی کے شعبے میں 750 ملین ڈالر کی سرمایہ کاری کی پیش کش کی جس میں ورلڈ بینک 80 فیصد سرمایہ کاری کر رہا تھا۔ کویت کی ایک فرم کے تعاون سے 60 لاکھ ٹن سالانہ طاقت کی آئل ریفائنری بلوچستان کے ساحل پر تعمیر کی گئی۔

ملک میں ٹرانسپورٹ کے مسائل حل کرنے کے لئے نیشنل ماس ٹرانزٹ اتھارٹی کا قیام

Marfat.com

عمل میں لایا گیا جو ابتدائی طور پر بڑے شہروں یعنی کراچی، لاہور اور فیصل آباد میں ٹرانسپورٹ کی سہولتوں کو بہتر بنانے کی ذمہ دار تھی۔ لوگوں کو روزگار کے مواقع فراہم کرنے کے لئے 1995ء تک پرائیویٹ شعبے میں 16 لاکھ نئی آسامیاں پیدا کی گئیں۔

معیشت کو ٹھوس بنیادوں پر استوار کیا گیا اور خسارے کی سرمایہ کاری کو بتدریج کم کیا گیا۔ زرمبادلہ کے ذخائر جو دسمبر 1993ء میں محض 300 ملین ڈالر تھے اگلے سال بڑھ کر تین ارب ڈالر ہو گئے۔ ٹیکسوں کی وصولی کے نظام کو بہتر بنایا گیا تا کہ ٹیکسوں کی چوری کو ختم کیا جا سکے۔ قرضوں کی وصولی کو یقینی بنانے کے لئے سخت اقدامات کئے گئے۔

پاکستان میں دیگر ترقی پذیر ملکوں کی طرح ہاؤسنگ کا مسئلہ بھی شدید ہوتا جا رہا ہے اس مسئلے پر قابو پانے کے لئے باقاعدہ منصوبہ بندی کی گئی۔ 1994ء میں تقریباً 5660 ملین روپے مختص کر دیئے گئے جو مختلف ترقیاتی سکیموں اور منصوبوں پر خرچ کئے گئے۔ اس میں شہری اور دیہی علاقوں میں نئے رہائشی پلاٹ مہیا کرنے، پینے کے لئے صاف پانی کی فراہمی، نکاسی آب کی سہولتوں کی فراہمی اور کچی آبادیوں کے ماحول کو بہتر بنانا شامل تھا۔ نیشنل ہاؤسنگ پالیسی کے تحت ہر سال تقریباً 78000 ہاؤسنگ یونٹ مہیا کئے گئے اور آئندہ مدت میں کئے جانے تھے۔ پرائیویٹ شعبے میں بھی ہاؤسنگ فنانس کمپنیوں کو قرضے فراہم کرنے کی اجازت دی گئی تا کہ لوگوں کو گھر بنانے کے لئے آسان اقساط پر قرضہ مل سکے چنانچہ ایک سال کے دوران ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن نے تقریباً 982 ملین روپے کے قرضے فراہم کئے۔ صوبوں میں لیبر کالونیوں کے قیام کے لئے بھی ایک ارب روپے کی منظوری دی گئی۔

دفاع کا شعبہ کسی ملک کے اہم ترین شعبہ ہوتا ہے اور کوئی بھی ملک اپنے دفاع سے غافل نہیں رہ سکتا۔ پاکستان اپنے جغرافیائی حالات کے سبب اپنے دفاع سے کسی طور بھی غافل نہیں رہ سکتا۔ مالی دشواریوں کے باوجود حکومت نے دفاع کے شعبے کے بجٹ میں کوئی کمی نہیں کی۔ پاکستان نیوی کی دفاعی صلاحیتوں میں اضافے کے لئے فرانس سے تین ماڈرن سب میرین خریدنے کا معاہدہ کیا۔ ایئر فورس کے لئے جنگی جہازوں کی خریداری کے لئے کئی ممالک سے مذاکرات کئے گئے۔ اگرچہ اس وقت تک امریکہ نے ہمیں ایف سولہ طیارے فراہم نہیں کئے تھے

Marfat.com

جس کی پیشگی ادائیگی بھی کر دی گئی تھی تاہم امریکہ سے مذاکرات کیے گئے تا کہ وہ ایف سولہ طیارے دینے پر رضامند ہو جائے۔ مارہ (بلوچستان) میں نیا نیول بیس قائم کیا گیا۔ سیہون شریف اور ڈیرہ غازی خان میں نئے ائیر پورٹ تعمیر کیے گئے اور دیگر ائیر پورٹس پر مزید سہولتیں فراہم کی گئیں۔

امور خارجہ کی طرف بھی قابل تحسین پیش رفت کی گئی کشمیر کے مسئلے کو نئے سرے سے اجاگر کیا گیا۔ جنیوا میں بین الاقوامی حقوق انسانی کمشن کے سامنے بھی اس مسئلے کو رکھا گیا۔ جنرل اسمبلی کے اجلاس میں بھی اس مسئلے کو پیش کیا گیا تا کہ ہندوستان کو مجبور کیا جائے کہ وہ یہ مسئلہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کی روشنی میں حل کرے۔

☆☆☆

Marfat.com

بے نظیر بھٹو کی جلاوطنی

بے نظیر بھٹو کی اسمبلی توڑتے وقت صدر فاروق لغاری نے ان پر وہی الزامات لگائے جو گورنر جنرل غلام محمد، جنرل سکندر مرزا، جنرل ضیاء الحق، غلام اسحاق خان نے اسمبلیاں توڑتے وقت اپنے اپنے زمانے کی حکومتوں پر لگائے تھے۔ اسی قسم کے الزامات کے تحت غلام اسحاق خان دو مرتبہ میاں نواز شریف اور ایک مرتبہ محترمہ بے نظیر بھٹو کی حکومت برطرف کر چکے تھے۔ اسمبلی توڑنے کے بعد ملک معراج خالد کو نگران وزیر اعظم بنا دیا۔ نگران حکومت نے احتساب کا عمل شروع کیا جس کے بعد فاروق لغاری نے ایک احتساب آرڈیننس جاری کیا جس میں صدر، گورنروں اور فوجی افسروں کو احتساب سے مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا یہ احتساب ڈرامہ بری طرح ناکام ہو گیا اور احتساب کا عمل آنے والی حکومت پر چھوڑ دیا گیا۔ فروری 1997ء میں ہونے والے انتخابات کے نتیجے میں میاں نواز شریف ''بھاری مینڈیٹ'' کے ساتھ برسر اقتدار آئے تو انہوں نے متذکرہ بالا آرڈیننس کو قانون کی شکل دی۔ آرڈیننس کو قانونی شکل دیتے ہوئے انہوں نے اس میں ایک اہم ترمیم بھی کر دی کہ اب اس قانون کا اطلاق 1985ء کے بجائے 1990ء سے ہوگا۔ اس پر سیاسی حلقوں میں زبردست تنقید کی گئی اور اس قانون کو یکطرفہ کارروائی قرار دیا کیوں کہ اس سے پہلے جب میاں نواز شریف پنجاب کے وزیر اعلیٰ تھے پلاٹوں کی مبینہ غیر قانونی الاٹمنٹ کے بارے میں ہائی کورٹ فیصلہ دے چکی تھی جس میں میاں نواز شریف کے صوبائی وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے اپنے صوابدیدی اختیارات کے غلط استعمال کی نشاندہی کی گئی تھی۔ احتساب ایکٹ کے جاری ہوتے ہی محترمہ بے نظیر بھٹو اور ان کے شوہر آصف علی زرداری کے خلاف درجنوں ریفرنسز دائر کئے گئے جن میں سے ایک ''ایس جی ایس'' ریفرنس کے نام سے مشہور ہے۔ تقریباً ایک سال تک اس مقدمے کی سماعت ہوتی رہی جس کے بعد عدالت نے 15 اپریل

Marfat.com

1999ء کو اپنا فیصلہ سنایا۔ عدالت کا فیصلہ آنے سے تین روز قبل بے نظیر بھٹو کو جب یقین ہو گیا کہ عدالت ان کے خلاف فیصلہ دینے والی ہے تو وہ لندن چلی گئیں اور جلاوطنی اختیار کر لی تاہم عدالت کا فیصلہ آنے کے بعد وہ قانونی طور پر مفرور تھیں۔ بے نظیر بھٹو کے مقدمے کے فیصلے پر ملے جلے رد عمل کا اظہار کیا گیا اور سیاستدانوں کی بڑی تعداد نے مطالبہ کیا کہ اب وزیر اعظم نواز شریف اور دیگر بدعنوان عناصر کے خلاف زیر التوا مقدمات کے فیصلے بھی جلد کئے جائیں۔ 4 فروری 2001ء کو پاکستانی اخبارات میں جلی سرخیوں کے ساتھ ایک خبر چھپی جس نے قانونی و سیاسی حلقوں میں ہلچل پیدا کر دی۔ یہ خبر بعض ٹیپس کے بارے میں تھی جن سے صاف پتہ چلتا تھا کہ بے نظیر کے خلاف کرپشن کے مقدمے کی سزا نواز شریف کے حکم پر پہلے سے تیار کی گئی تھی اور جج پر طے شدہ فیصلہ سنانے کے لئے بے نظیر بھٹو کے سیاسی مخالفین کی طرف سے شدید دباؤ ڈالا گیا تھا۔ جسٹس ملک محمد قیوم نے اپنے ایک باضابطہ بیان میں ان آڈیو ٹیپس کو جعلی اور خود ساختہ قرار دیا، یہی موقف خالد انور نے بھی اختیار کیا جو اس وقت وفاقی وزیر قانون تھے۔ یہ انکشاف ایسے وقت پر ہوا جب محترمہ بے نظیر بھٹو اپنی سزا کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کرنے والی تھیں چنانچہ سپریم کورٹ میں مختصر سی سماعت کے بعد ان کی اپیل منظور ہو گئی اور ان کی سزا معاف کر دی گئی۔

میاں نواز شریف نے اپنے دور اقتدار میں جب فوجی قیادت کے ساتھ محاذ آرائی شروع کی تو جنرل پرویز مشرف نے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ محترمہ بے نظیر بھٹو جو بدستور جلاوطنی کی زندگی گزار رہی تھیں انہوں نے اپنی آٹھ سالہ جلاوطنی کے دوران نہ صرف پاکستان پیپلز پارٹی کو متحد رکھا بلکہ پاکستان پر مسلط مشرف حکومت کے خلاف جمہوریت کی بحالی کے لئے جدوجہد جاری رکھی اور اس وقت کا بھرپور استعمال کیا۔ انہوں نے ایک طرف اپنی پارٹی اور کارکنوں سے رابطے رکھے اور دوسری طرف دنیا بھر کے دورے کر کے مختلف یونیورسٹیوں اور تھنک ٹینکس سے خطاب کیا۔ عالمی اخبارات اور رسائل میں مضامین لکھے، بحث مباحثوں میں حصہ لیا جن میں انہوں نے عملی سیاسی و اقتصادی حالات کے پس منظر میں پاکستان کی نقشہ بندی کی۔ اس طرح ان کا ایک مدبر سیاست دان کی حیثیت سے امیج ابھر کر سامنے آیا۔ یوں دنیا کے مختلف ممالک بالخصوص امریکہ نے انہیں ایک ایسی لیڈر پایا جو اپنے ملک کا مقدر عالمی سطح پر لڑنے کی صلاحیت رکھتی ہے یہی وہ وجہ قرار دی گئی

Marfat.com

جو پاکستان میں صدر جنرل پرویز مشرف اور بے نظیر بھٹو کے درمیان مفاہمت کی بنیاد بنی۔

محترمہ بے نظیر بھٹو نے اپنی جلا وطنی کے دوران ملک پر مسلط غیر نمائندہ حکومت کا مقابلہ کرنے کے لئے مسلم لیگ ن کے قائد میاں نواز شریف کے ساتھ بھی روابط قائم رکھے اور جمہوریت کی بحالی کے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے میثاق جمہوریت پر دستخط کیے تاہم جب میاں نواز شریف کو جنرل پرویز مشرف کے مذکراتی نمائندوں کے بے نظیر بھٹو کے ساتھ روابط کا علم ہوا تو میثاق جمہوریت شبہات کی نذر ہو کر پس منظر میں چلا گیا۔

8 جولائی 2007ء کو میاں نواز شریف کی کوششوں سے لندن میں ایک آل پارٹیز کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ اس کانفرنس میں پاکستان پیپلز پارٹی، مسلم لیگ ن، مجلس عمل، تحریک انصاف، پونم سمیت علاقائی اور چھوٹے صوبوں کی رہنمائی کرنے والی جماعتوں کے رہنماؤں نے شرکت کی۔ اے پی سی میں دیگر ایجنڈے پر پاکستان پیپلز پارٹی نے اتفاق کر لیا لیکن متوقع الیکشن کے بائیکاٹ کے حوالے سے پیپلز پارٹی کا موقف تھا کہ اس کا فیصلہ وقت آنے پر حالات دیکھ کر کیا جائے گا۔ اس کے بعد 11 جولائی کو لندن میں ن لیگ، مجلس عمل، تحریک انصاف اور پونم سمیت تمیں اپوزیشن جماعتوں نے ایک اتحاد قائم کر لیا جس کا مقصد ملک میں آمریت کا خاتمہ اور آئین کی بحالی قرار دیا گیا۔ پاکستان پیپلز پارٹی نے اس اتحاد میں شمولیت اختیار نہیں کی پیپلز پارٹی کا اصرار تھا کہ اے آر ڈی کو ہر صورت میں قائم رکھا جائے گا۔

پاکستان کو ایک دو نہیں کئی چیلنجوں کا سامنا ہے جن میں دہشت گردی کے خلاف عالمی اتحاد کا حصہ ہونا، ملک کے اندر القائدہ یا طالبان کی کارروائیاں، پڑوسی ملک افغانستان میں جاری مسلسل جنگ، پڑوسی ملک ایران کے خلاف امریکہ کے جارحانہ عزائم، پڑوسی ملک بھارت کی طرف سے درپیش مسلسل خطرات، اندرون ملک سیاسی و علاقائی نسلی اور مذہبی انتہا پسندی، معاشی استحکام کے باوجود بے روزگاری میں اضافہ وغیرہ۔ ان چیلنجوں سے نمٹنے کے لئے ملک میں وسیع تر سیاسی مفاہمت وقت کی اہم ترین ضرورت قرار پاتی ہے جس کی پہل صدر جنرل پرویز مشرف اور محترمہ بے نظیر بھٹو کی جانب سے کی گئی۔ 27 جولائی 2007ء صدر جنرل پرویز مشرف نے ابوظہبی میں براہ راست ملاقات کی۔ دونوں رہنماؤں کے درمیان ملاقات کے دو دور ہوئے۔ اس

Marfat.com

ملاقات کے لئے صدر پرویز مشرف کے قریبی ساتھی ائیر کموڈور ظفر اقبال نے اہم کردار ادا کیا۔ یہ ملاقات ابوظہبی کے خلیفہ زائد کے مہمانوں کے لئے مخصوص،ض: ''قصر مشرف'' میں ہوئی۔

بعض حلقوں کی جانب سے اس اعتراض پر کہ پرویز مشرف اور بے نظیر بھٹو کے درمیان ہی یہ مفاہمت کیوں مذکورہ چیلنجوں سے نمٹنے کے لئے اور جماعتیں بھی سامنے آسکتی ہیں۔ اس کا تجزیہ کرنے والے دانشوروں کا کہنا تھا کہ یہ مفاہمت ایک دو دن یا ایک دو ملاقاتوں کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ کئی برسوں کا تسلسل ہے اور یہ تسلسل صرف دو شخصیات یا دو گروپوں کے درمیان شراکت اقتدار تک نہیں تھی بلکہ علامی تناظر کے پس منظر میں تھی۔

سیاسی دانشوروں کے نزدیک اس اس مفاہمت کا آغاز گو کہ اکتوبر 2002ء کے عام انتخابات کے وقت ہو گیا تھا لیکن اس میں شدت کا احساس 2003ء میں صدر جنرل پرویز مشرف پر یکے بعد دیگرے خودکش حملوں کے بعد ہوا جس کے بعد ہر سطح پر اقدامات کئے جانے لگے۔ ایک طرف محترمہ بے نظیر بھٹو نے ایک مدبر سیاستدان کی حیثیت سے دنیا بھر کے تھنک ٹینکس کے سامنے عالمی سیاسی منظر نامے کا تجزیہ پیش کرنا شروع کیا اور اس میں پاکستان کے سیاسی کردار کی نقشہ بندی کی تو دوسری طرف پارٹی کو ریلیف دینے کے لئے نومبر 2004ء میں محترمہ بے نظیر بھٹو کے شوہر آصف علی زرداری کی رہائی عمل میں آئی۔ وہ بیرون ملک گئے۔ ان دانشوروں کے مطابق مفاہمت کو سال 2007ء کے آغاز میں پایہ تکمیل تک پہنچنا تھا لیکن عدلیہ کے بحران کے باعث یہ التوا کا شکار رہی اور اس دوران پیدا ہونے والی نت نئی صورتحال بھی کبھی ہاں کبھی نہ جیسے حالات پیدا کرتی رہی۔ اسی دوران محترمہ بے نظیر بھٹو نے یکم ستمبر 2007ء کو اعلان کیا کہ مذاکرات کامیاب ہوں یا ناکام وہ پاکستان لوٹ رہی ہیں تاہم واپسی کی تاریخ کا حتمی اعلان 14 ستمبر کو کیا جائے گا۔ مذاکرات کے دوران بے نظیر بھٹو نے تیسری بار وزیر اعظم بننے، 58(2)بی ختم کرنے اور انتخابات سے پہلے بلدیاتی ادارے توڑنے کی شرائط پیش کیں۔ جس پر ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے مسلم لیگ ق کے رہنما چوہدری شجاعت حسین نے کہا کہ ان مطالبات کی قطعی کوئی گنجائش نہیں۔ مسلم لیگ ق کے سربراہ چوہدری شجاعت حسین نے طارق عزیز سے رابطہ کر کے اپنے تحفظات سے آگاہ کیا انہوں نے کہا کہ ہمیں قربانی کا بکرا نہ بنایا جائے۔ جس پر شیخ رشید احمد نے

Marfat.com

چوہدری برادران کو دلاسہ دیتے ہوئے کہا کہ چوہدری برادران نہ گھبرائیں ان کو اکیلا نہیں چھوڑا جائے گا وہ ہمارے ساتھ رہیں گے۔ پیپلز پارٹی کے ترجمان کے مطابق صدر کا اسمبلی توڑنے کا اختیار سپریم کورٹ کی آمادگی سے مشروط کر دیا گیا ہے، تیسری بار وزیراعظم بننے کا قانون ایکٹ آف پارلیمنٹ کے ذریعے لایا جائے گا جبکہ بے نظیر بھٹو کے وزیراعظم بننے میں ایوان صدر کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کرے گا۔ چوہدری شجاعت حسین نے کہا کہ مذاکرات مزید صرف ایک فیصد آگے بڑھے ہیں پہلے 9 فیصد بات چیت کامیاب تھی اب یہ 10 فیصد ہوگئی ہے۔

محترمہ بے نظیر بھٹو نے پارٹی کی ایگزیکٹو کمیٹی اور فیڈرل کونسل کے دو روزہ اجلاس کے بعد ایک پرہجوم پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ میں اس لئے لوٹ رہی ہوں کہ پاکستان کو ایک اعتدال پسند قیادت کی ضرورت ہے کیوں کہ انتہا پسندی نے ملک کو گرفت میں لے رکھا ہے حکومت انہیں کنٹرول کرنے میں ناکام ہوگئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ حکومت سے مذاکرات کامیاب ہوں یا ناکام میں وطن واپس لوٹ رہی ہوں۔ انہوں نے کہا کہ مذاکرات میں سب سے بڑی رکاوٹ خوفزدہ برسراقتدار حکمران پارٹی ہے۔ محترمہ بے نظیر بھٹو نے حکومت کے قومی مصالحتی ایجنڈے کو تسلیم کر لیا جس کے تحت محترمہ بے نظیر بھٹو سمیت تمام سیاسی رہنماؤں اور کارکنوں کے خلاف انتقامی بنیادوں پر بنائے جانے والے مقدمات واپس لے لئے جائیں گے اور حکومت کی یہ تجویز بھی قبول کر لی کہ 58(2) بی اور تیسری مرتبہ وزیراعظم بننے پر پابندی کے خاتمے پر بات چیت صدارتی انتخاب کے بعد ہوگی۔ محترمہ بے نظیر بھٹو نے کہا کہ پیپلز پارٹی قومی اسمبلی سے استعفیٰ نہیں دے گی تاہم جنرل پرویز مشرف کو وردی میں ووٹ نہیں دیا جائے گا۔

پاکستان پیپلز پارٹی کے نمائندوں اور صدر جنرل پرویز مشرف کی مذاکراتی ٹیم کے درمیان مذاکرات کا ایک دور 5 ستمبر کو ہوا جس میں فریقین کے درمیان متعدد امور پر پیش رفت ہوئی تاہم معاملات کو حتمی شکل دینے کے لئے بات چیت جاری رکھنے پر اتفاق کیا گیا۔ اس ملاقات میں بے نظیر بھٹو کی طرف سے مخدوم امین فہیم اور رحمن ملک نے شرکت کی اور جنرل پرویز مشرف کی طرف سے ان کے معتمد خاص اور قومی سلامتی کونسل کے سیکرٹری جنرل طارق عزیز اور صدر کے چیف آف سٹاف لیفٹیننٹ جنرل ریٹائرڈ جاوید اقبال شامل تھے۔

Marfat.com

6 ستمبر کو ایک امریکی ٹی وی کو انٹرویو دیتے ہوئے محترمہ بے نظیر بھٹو نے کہا کہ بنیادی معاملات میں سے ایک وردی کا معاملہ طے ہو گیا ہے تاہم پیپلز پارٹی جنرل پرویز مشرف کی طرف سے فوجی عہدہ رکھنے کی کسی بھی کوشش کو معاہدہ ختم کرنے کی کوشش سمجھے گی۔ صدر جنرل پرویز مشرف کی مذاکراتی ٹیم نے اسلام آباد پہنچ کر راولپنڈی کیمپ آفس میں صدر جنرل پرویز مشرف کو مذاکرات کے درمیان ہونے والی پیشرفت سے آگاہ کیا۔ 14 ستمبر کو پیپلز پارٹی نے اعلان کیا کہ بے نظیر بھٹو 18 اکتوبر کو کراچی ایئر پورٹ پر اتریں گی۔

صدر جنرل پرویز مشرف اور پاکستان پیپلز پارٹی کے درمیان مذاکرات رفتہ رفتہ آگے بڑھ رہے تھے 9 ستمبر کو صدارتی ٹیم اور بے نظیر بھٹو کی مذاکراتی کمیٹی کے درمیان صدر اور پارلیمنٹ کے مابین اختیارات کے توازن کے حوالے سے مذکرات پر غور کے لئے ایوان صدر میں ایک مشاورتی اجلاس ہوا جس میں وزیراعظم شوکت عزیز، چوہدری شجاعت حسین، صدر کی مذکراتی ٹیم کے ارکان نے شرکت کی اور مذکرات کے دبئی راؤنڈ کے بارے میں بریفنگ دی۔ مسلم لیگی قیادت کو بتایا گیا کہ بے نظیر بھٹو چاہتی ہیں کہ صدر کو 58(2) بی کے تحت اسمبلی توڑنے سے قبل سپریم کورٹ کی رضامندی حاصل کی جائے، تیسری بار وزیراعظم بننے پر پابندی ختم کی جائے اور آئندہ عام انتخابات سے قبل نگران عبوری حکومت کی تفصیلات طے کرنے میں پیپلز پارٹی کو شریک کیا جائے۔ صدارتی کیمپ نے پیپلز پارٹی کے ساتھ مذاکرات کو نتیجہ خیز بنانے کے لئے پارلیمنٹ سے فوری طور پر ایک آئینی پیکج منظور کرانے کی تجویز پیش کی اور مسلم لیگی قیادت کو پیغام دیا کہ نیا آئینی پیکج منظور کرانے کے لئے قومی اسمبلی کا اجلاس جلد بلایا جائے۔ مسلم لیگی قیادت نے اجلاس پر واضح کر دیا کہ اگر پیپلز پارٹی کے ساتھ کوئی سمجھوتہ ہوا تو حکمران مسلم لیگ کو سخت نقصان ہوگا اور پارٹی کے کئی ارکان کی جانب سے ساتھ چھوڑنے کا امکان ہے۔

14 ستمبر کو محترمہ بے نظیر بھٹو نے وطن واپسی کے حوالے سے اپنے فیصلے کا اعادہ کیا اور کہا کہ 18 اکتوبر حتمی تاریخ ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں گرفتاری سے نہیں ڈرتی چونکہ ملک میں آمریت ہے اس لئے کچھ بھی ہو سکتا ہے لیکن اس وقت ملک کی عدالتیں آزاد ہیں اور وہ خود عوام کے مقدمات پر فیصلے دے رہی ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ پچھلے دس سال میں مجھ پر مقدمات قائم

Marfat.com

کیے گئے ہیں لیکن کوئی بھی جرم ثابت نہیں کر سکے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے ورکروں نے اسلام آباد سیکرٹریٹ میں بے نظیر بھٹو کی واپسی کے حوالے سے پر جوش انداز میں نعرے بازی کی۔ اس موقع پر مخدوم امین فہیم نے کہا کہ بے نظیر بھٹو 18 اکتوبر کو کراچی انٹرنیشنل ایئر پورٹ پر اتریں گی اور سب سے پہلے مزار قائد اعظم پر حاضری دیں گی اور آئندہ لائحہ عمل کا اعلان بعد میں کیا جائے گا۔

محترمہ بے نظیر بھٹو کی واپسی کا اعلان سن کر پیپلز پارٹی کے کارکنوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور وہ سڑکوں پر نکل آئے۔ ملک بھر میں جشن منایا گیا ڈھول کی تھاپ پر بھنگڑے ڈالے گئے اور جلوس نکالے گئے۔ اعلان کے بعد پی پی کے بعض ایسے قائدین بھی منظر عام پر آنا شروع ہو گئے جو غیر اعلانیہ طور پر گوشہ نشینی اختیار کر گئے تھے۔ صدر جنرل پرویز مشرف نے بے نظیر بھٹو کو انتخابات کے بعد وطن واپس آنے کا مشورہ دیا جسے محترمہ بے نظیر بھٹو نے مسترد کر دیا۔ 14 اکتوبر کو بے نظیر بھٹو نے گلف نیوز سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ میری وطن واپسی سے مشرف کو کوئی پریشانی نہیں تاہم حکمران اتحاد بالخصوص ق لیگ مجھ سے خوفزدہ ہے۔ انہوں نے 18 اکتوبر کو واپسی کے عزم کو دوہرایا اور کہا کہ واپسی کے حتمی شیڈول کا اعلان 16 اکتوبر کو ہوگا۔ جب مخالفین کو یقین ہو گیا کہ بے نظیر بھٹو وطن واپس آنے کا فیصلہ کر چکی ہیں اور اپنے فیصلے پر قائم ہیں تو انہوں نے محترمہ کو واپسی سے روکنے کے لئے کوششیں شروع کر دیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ محترمہ بے نظیر بھٹو کی وطن واپسی رکوانے کے لئے اسلام آباد سے سرکاری سطح پر مبینہ حکم نامہ جاری کرایا گیا اور ملک کے حساس اداروں نے اس سلسلے میں اپنا اثر رسوخ استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔

16 اکتوبر کو محترمہ بے نظیر بھٹو نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ مجھے اصل خطرہ بیت اللہ محسود سے نہیں بلکہ حکومت میں شامل چند ریٹائرڈ فوجی افسروں سے ہے، یہ افسر جہادی ہیں اور جہادی عناصر کو سپورٹ کر رہے ہیں۔ انہوں نے برطانوی ٹی وی سکائی نیوز اور ایک اخبار سے ٹیلی فونک گفتگو میں کہا کہ مجھے خدشہ ہے کہ واپسی پر چند ریٹائرڈ فوجی افسر میرے قتل کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں لیکن میں خوفزدہ نہیں ہوں واپس ضرور آؤں گی۔ بیت اللہ محسود جیسے لوگ صرف شطرنج کا مہرہ ہیں اصل دشمن تو ریٹائرڈ فوجی افسر ہیں جنہوں نے جہاد شروع کر رکھا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

بے نظیر بھٹو کی وطن واپسی

نومبر کے مہینے میں عوام کو جو سب سے بڑی خوشی نصیب ہونے کی امید پیدا ہوئی تھی وہ یہ تھی کہ صدر جنرل پرویز مشرف وردی اتار کر سول حکومت کی داغ بیل ڈالنے والے تھے۔ انہوں نے دو اکتوبر کی شام ملک کے مستقبل کے لئے انتہائی اہم فیصلے کئے۔ آئی ایس آئی کے سابق ڈائریکٹر جنرل اشفاق کیانی کو فور سٹار جنرل کے عہدے پر ترقی دے کر ملک کا نیا آرمی چیف اور اپنا جانشین مقرر کیا ان کا یہ انتخاب کیسا ہے اس کا فیصلہ آنے والا وقت ہی کرے گا لیکن ان کے آرمی چیف کا عہدہ سنبھالنے کے بعد بعض بیانات سے یہ امید دکھائی دیتی ہے کہ وہ فوج کو سیاست میں ملوث کرنے کے خلاف ہیں وہ چاہتے ہیں کہ فوج صرف اپنی پیشہ وارانہ سرگرمیوں میں ہی مصروف رہے۔ جنرل اشفاق کیانی کو اپنا جانشین مقرر کرتے وقت جنرل پرویز مشرف نے دعویٰ کیا کہ ان کی سوچ اور جنرل اشفاق کیانی کی سوچ میں رتی بھر بھی فرق نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تیزی سے بدلتی ہوئی صورت حال میں حکومت کو فی الحال کسی بڑے خطرے کا سامنا نہیں تھا اور صدر جنرل پرویز مشرف کے لئے آسان نظر آ رہا تھا کہ وہ صدارت کی اگلی مدت کا حلف اٹھانے سے پہلے وردی اتار کر جنرل کیانی کو مکمل طور پر ملک کا چیف آف آرمی سٹاف بنا دیا جائے گا۔

جنرل اشفاق کیانی کی ایک اہمیت یہ بھی ہے کہ وہ محترمہ بے نظیر بھٹو کے ساتھ پاور شیئرنگ اور دیگر امور پر ہونے والی گفتگو میں بہت کلیدی کردار ادا کرتے رہے ہیں اور اس سلسلے میں انہوں نے متعدد مرتبہ بے نظیر بھٹو صاحبہ سے ملاقات کی۔ چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مستقبل کے اقتدار کے یہ تینوں بڑے پاور بروکرز انتہا پسندی کے حوالے سے یکساں خیالات کے حامل تھے اور ان تینوں شخصیات کے مابین ملاقاتوں کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ صدر جنرل پرویز مشرف نے بے نظیر بھٹو سے ابوظہبی میں اپنی ملاقات کے دوران جس وسیع تر ایجنڈے پر اتفاق کیا جنرل کیانی نے

Marfat.com

صدر مشرف کے دست راست طارق عزیز اور ان کے چیف آف سٹاف جنرل حامد کے ہمراہ اس ایجنڈے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کئی مرتبہ محترمہ بے نظیر بھٹو کے ساتھ ملاقات کی۔ اس طرح صدر جنرل پرویز مشرف کی ٹیم کئی مہینوں سے پیپلز پارٹی کے ساتھ بات چیت میں مصروف رہی تھی قومی اتفاق رائے اور سیاسی مصالحت کے نام پر پیپلز پارٹی کے ساتھ جاری ان مذاکرات میں بہت کچھ طے ہو چکا تھا اور اس طرح حکومت مستقبل کے لئے ملک کے سیاسی نظام کا ایک خاکہ تیار کر چکی تھی جس کے ذریعے پر امن طور پر انتقال اقتدار ممکن ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔

سیاسی مبصرین کے مطابق مسلم لیگ ق جو صدر کے پاکستان پیپلز پارٹی کے رابطوں کے سخت خلاف تھی اس میں بھی وہ دم خم باقی نہیں رہے گا اور صدر کے دوبارہ انتخاب کے بعد اسٹیبلشمنٹ کی نظر میں مسلم لیگ ق کی اہمیت بتدریج کم ہوتی چلی جائے گی۔ مبصرین کے مطابق چھ اکتوبر تک مسلم لیگ ق کے پاس ایک مضبوط سیاسی پلیٹ فارم تھا لیکن صدر کو ووٹ ڈالنے کے بعد مسلم لیگ ق کے سامنے موجودہ حکومتوں کے تحلیل ہونے کا نقشہ بھی موجود ہے اور چوہدری برادران کو نئی بارگیننگ کے لئے ایک بار پھر اسی طاقت سے دوبارہ جیت کر آنا پڑے گا جو بظاہر مشکل نظر آ رہا ہے۔

جنرل کیانی کا آرمی چیف کے لئے نامزد ہونا اور پیپلز پارٹی کے ساتھ مذاکرات کامیاب کروانا وہ حقیقتیں تھیں جن کا تعلق اگلے عام انتخابات سے تھا کہا جا رہا تھا کہ اب بے نظیر بھٹو تیسری مرتبہ وزیر اعظم بن سکیں گی۔ اگر اس حوالے سے پارلیمنٹ سے کوئی پیکج نہ بھی منظور کرایا جاتا تب بھی بے نظیر بھٹو کے تیسری مرتبہ وزیر اعظم بننے کے راستے میں موجود رکاوٹ کو صدارتی آرڈیننس کے ذریعے بھی ختم کیا جا سکتا تھا۔ اس سلسلے میں شیخ رشید احمد بڑا معنی خیز اظہار خیال کر چکے تھے کہ اگلے چند مہینوں میں موجودہ دوست دشمن بن سکتے ہیں اور موجودہ دشمن دوست بن سکتے ہیں۔ وہ واضح طور پر اشارے کر رہے تھے کہ مستقبل میں پیپلز پارٹی اور اسٹیبلشمنٹ کے درمیان تعاون ہو سکتا ہے۔

بے نظیر بھٹو نے 18 اکتوبر کو وطن واپس آنے کا عندیہ دیا ان کے واپس آنے اور استقبال کرنے والوں کی تعداد دیکھ کر ہی اس بات کا تعین کیا جا سکے گا کہ وہ وزیر اعظم بن سکیں گی یا

Marfat.com

نہیں تاہم جنرل پرویز مشرف کا کہنا تھا کہ پیپلز پارٹی کو کوئی پسند کرے یا نہ کرے یہ جماعت ایک حقیقت ہے۔پیپلز پارٹی کی قیادت کو تسلیم کیا جائے یا نہ کیا جائے یہ بھی ایک حقیقت ہے اور اس حقیقت کو صرف عوام ووٹ نہ دے کر ہی جھٹلا سکتے ہیں۔

بے نظیر بھٹو نے اپنی پاکستان آمد سے پہلے ایک مضمون ''میں واپس کیوں آ رہی ہوں'' لکھا جس میں انہوں نے اپنی پاکستان آمد کے حوالے سے پاکستان کی معروضی صورت حال کا تجزیہ بھی کیا ہے، وہ لکھتی ہیں:

''ان گرمیوں کے موسم میں میری خواہش تھی کہ میں اپنے خاندان کے ساتھ نیو یارک میں چھٹیاں اپنے تینوں بچوں اور اپنے شوہر کے ساتھ گزاروں گی۔میرے شوہر کو دل کا عارضہ 1996ء سے 2004ء تک پاکستان میں سیاسی اسیری کے دوران لاحق ہو گیا تھا جس کا علاج ہو رہا ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ ہم سب مل کر تھیٹر جائیں گے اور سینٹرل پارک میں چہل قدمی کریں گے اور اس کے ساتھ ساتھ ہم اپنے دوست واحباب سے بھی ملاقاتیں کریں گے لیکن 2007ء کی گرمیاں ہمیں یہ موقع نہیں دے سکیں اور پاکستان پر میڈیا کی توجہ ہو گئی جہاں سیاسی صورت حال تیزی کے ساتھ تبدیل ہو رہی تھی اور ہم بھی اس میں پھنس کر رہ گئے۔

وہ لوگ جو جنوبی ایشیا کے واقعات پر نظر رکھتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان حقیقی طور پر ٹرننگ پوائنٹ پر پہنچ چکا ہے۔تقریباً ایک دہائی کی فوجی ڈکٹیٹر شپ نے پاکستان میں جمہوریت کے بنیادی ڈھانچے کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔سیاسی پارٹیوں پر حملے ہوئے ہیں، سیاسی لیڈروں کو گرفتار کیا گیا ہے اور عدالتی نظام کو توڑ موڑ کر پارٹی کے لیڈروں کو جلاوطنی پر مجبور کر دیا گیا ہے۔این جی اوز پر مستقل حملے ہو رہے ہیں خاص طور پر ان این جی اوز پر جو انسانی حقوق، جمہوری اقدار اور خواتین کے امور پر کام کر رہی ہیں۔پریس کو بھی اکسایا جاتا رہا ہے اور نیو یارک ٹائمز جیسے اخبار کے رپورٹر کو بھی دیگر رپورٹروں

Marfat.com

کے ساتھ گرفتار کیا گیا ہے، انہیں مارا پیٹا گیا ہے اور انہیں غائب کر دیا گیا ہے ۔طلباء اور مزدور یونینوں کو کام کرنے کی اجازت نہیں دی گئی ۔ایک ایسے الیکشن کمشن کی مدد سے جو انتخابات میں دھاندلی اور فراڈ کو نہیں روک سکا، کے ذریعے انتخابی اداروں کو تباہ کیا گیا ہے ۔دہشت گردی کے خلاف جنگ میں صورتحال یہ ہے کہ پاکستان کے کچھ علاقوں کو طالبان اور القائدہ کے حمائتیوں کے حوالے کر دیا گیا ہے اور پاکستان کو بین الاقوامی دہشگردی کی تحریک کے لئے سازگار بنا دیا ہے۔

لیکن تحریک جمہوریت نہ ہونے کی وجہ سے سب سے زیادہ نقصان یہ ہوا ہے کہ پاکستان کے عوام میں مایوسی کا احساس بڑھ رہا ہے اور روزمرہ کی مشکلات کو حل کرے کے لئے سیاسی نظام کی صلاحیت ان کی نظروں میں دھندلا گئی ہے ۔سماجی شعبے میں سرمایہ کاری نہیں ہوئی اور اسے قومی پالیسی میں پیچھے دھکیل دیا گیا۔ معیار زندگی ہر شعبے میں تنزلی کا شکار ہو گیا ہے چاہے روزگار ہو یا تعلیم یا رہائش ہو یا صحت ۔جیسے جیسے عوام میں یہ احساس بڑھا ہے ویسے ویسے مذہبی اور سیاسی انتہا پسندی کو فروغ ملا ہے۔حکومت کی ناکامی کی وجہ سے بنیاد پرستی کو فروغ ملا ہے جو اس بات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سیاسی مدرسوں کو فروغ حاصل ہوا اور ان میں دوسرے مذاہب سے نفرت اور عسکری تربیت دینے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔وہ غریب والدین جو اپنے بچوں کی غذا اور لباس کا بندوبست نہیں کر سکتے وہ اپنے بچوں کو اس قسم کے مدرسوں میں بھیجتے ہیں تاکہ انہیں غذا مل سکے اور ان کی رہائش کا بندوبست ہو سکے۔

مدرسوں کا فروغ یہ اہم اشارہ دیتا ہے کہ پاکستانی سیاست میں انتہا پسندی اپنی جگہ بنا رہی ہے ۔میں ہمیشہ اس بات پر یقین کرتی آئی ہوں کہ انتہا پسندی اور جدیدیت میں پاکستان میں بنیادی جنگ رہی ہے ۔جدیدیت انتہا پسندی پر صرف اسی وقت فتح مند ہو سکتی ہے جب پاکستان میں جمہوریت کو

Marfat.com

فروغ ملے اور سماجی شعبے میں ترقی ہو اور لوگوں کا معیار زندگی بہتر ہو۔ میں نے 2007ء میں یہ محسوس کیا کہ ڈکٹیٹر شپ پاکستانی عوام کی اکثریت جو کہ اعتدال پسند ہے کے لئے خطرہ بن رہی ہے اور وہ لوگ جو ہمہ جہتی چاہتے ہیں، تعلیم اور ٹیکنالوجی چاہتے ہیں اور جو پاکستان کو اکیسویں صدی میں مہذب قوموں کی صف میں کھڑا کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے بھی خطرات پیدا ہو رہے ہیں۔ ماضی میں جمہوریتوں میں انتہا پسندی کو جگہ نہیں ملی تھی اور انتخابات میں وہ کبھی بھی گیارہ فیصد سے زیادہ ووٹ نہیں لے سکے تھے لیکن اب ڈکٹیٹر شپ میں انتہا پسندی، افراتفری اور انتشار پھیل رہا ہے اور پاکستان ایک ناکام ریاست کی سمت جا رہا ہے۔

میری پارٹی پاکستان پیپلز پارٹی جنرل پرویز مشرف سے مذاکرات کر رہی تھی لیکن ان مذاکرات سے ہم حکومت کو کبھی بھی ٹھوس انداز میں جمہوری اصلاحات کی طرف نہیں لا سکے۔ 2007ء موسم گرما میں جب چیف جسٹس آف پاکستان بحال ہوئے تو جنرل پرویز مشرف کے ساتھ مذاکرات نے ایک جامع ٹرن لیا۔ ایسا محسوس ہوا کہ ملک کے پاس پرامن طور پر جمہوریت کی طرف جانے کا موقع موجود ہے اور یہ موقع دوسری جنگ جو کہ جدیدیت اور انتہا پسندی کے درمیان لڑی جا رہی ہے نہایت اہم ہے اور اس موقع کو کامیاب ہونا چاہئے۔ میرے پاس یہ چوائس تھی کہ میں یا تو مذاکرات کروں یا سڑکوں پر آ جاؤں۔ مجھے معلوم تھا کہ سڑکوں پر جنرل مشرف کی ڈکٹیٹر شپ کے خلاف احتجاج میں سینکڑوں لوگ جاں بحق ہو سکتے ہیں۔ میں نے بہت احتیاط سے اکا جائزہ لیا اور مذکرات کا انتخاب کیا۔ میں نے اس بات کا انتخاب کیا کہ پاکستان کے تمام اعتدال پسند عناصر کو اکٹھا کروں تا کہ ایسا سیاسی نظام قائم کیا جا سکے جو سولہ کروڑ پاکستانیوں کی ضروریات پوری کر سکے۔ پاکستانی عوام کو با اختیار بنانا حکومت کرنے اور دہشگردی کے خلاف جنگ میں کامیابی حاصل

Marfat.com

کرنے کے لئے انتہائی اہم ہے۔

میں جانتی ہوں کہ پاکستان میں کچھ لوگ جن میں سیاسی پارٹیاں بھی شامل ہیں فوجی حکومت سے اس قدر عاجز تھیں کہ وہ فوجی حکومت کے ساتھ ہر قسم کے مذاکرات کا دروازہ بند کرنا چاہتی تھیں لیکن ابتداء ہی سے میرا ہدف یہ تھا کہ پاکستان میں آزادانہ اور منصفانہ انتخابی عمل کی ضمانت حاصل ہو جس کے ذریعے ایک جائز پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیاں بنائی جائیں اور آئینی طریقے سے ایک سویلین صدر منتخب ہو سکے جو پارلیمانی جمہوریت کو سمجھتا ہو اور یہ بات بھی کہ پارلیمنٹ سب سے بالا دست ہے۔ میں کسی خاص حل کے لئے مذاکرات نہیں کر رہی تھی بلکہ میں ایک ایسے عمل کے لئے مذاکرات کر رہی تھی جس کی ضمانت دی جا سکے۔ یہی مقصد ابتداء میں تھا اور ابھی بھی یہی مقصد ہے۔ کیا ہم اس مقصد کی طرف پیش رفت کر رہے ہیں؟ میں ابھی نہیں کہہ سکتی، بہت سارے عوام ہیں خاص طور پر حکومتی پارٹی میں وہ لوگ جنہوں نے ملک میں انتہا پسندی اور عسکریت پسندی کو با اثر بنایا اور جو پاکستان پیپلز پارٹی کی واپسی سے خوفزدہ ہیں جو کہ ان دہشت گرد قوتوں کو پیچھے دھکیل سکتی ہے جو 1996ء میں میری حکومت کی برطرفی کے بعد مضبوط ہوئے۔ وہ جمہوری عمل کو ناکام کرنا چاہتے ہیں کیوں کہ جمہوری عمل سے ایک معتدل پاکستان قائم کیا جا سکتا ہے۔ مذاکرات کا یہ عمل بہت اونچ نیچ کا شکار رہا کبھی یہ مذاکرات آگے بڑھے لیکن جب جنرل مشرف حکومتی اتحاد میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرتے ہیں تو وہ پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور منصفانہ انتخابی عمل کے لئے کئے گئے اعتماد سازی کے وعدوں کو پورا نہیں کرتے۔

جیسے جیسے صدارتی و پارلیمانی انتخابات قریب آ رہے ہیں میں اپنے حمائتیوں کے ساتھ مل کر پاکستان واپس آنے کا منصوبہ بنا رہی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ پاکستان کی جمہوریت کی طرف واپسی انتہائی اہم ہے کیوں کہ

Marfat.com

جمہوریت ہی سے عوام کے مسائل حل کئے جا سکتے ہیں۔ جب عام حکومت میں شراکت دار ہوتے ہیں تو پھر وہ دہشت گردوں، مجرموں اور منفی قوتوں کو شکست دے سکتے ہیں۔

میں نیویارک میں اپنے اہل خاندان کے ساتھ چھٹیاں نہیں گزار سکی لیکن یہ چند ہفتے پاکستان کے مستقبل کے لئے انتہائی اہم ثابت ہو سکتے ہیں۔ بہت عرصہ قبل میں نے اس بات کا ادراک کیا کہ میری ذاتی زندگی سیاسی ذمہ داریوں کے ماتحت ہے۔ جب میرے والد شہید ذوالفقار علی بھٹو جو کہ پاکستان کے پہلے منتخب وزیراعظم تھے کو 1977ء میں گرفتار کیا گیا اور اس کے بعد انہیں شہید کر دیا گیا تو پاکستان پیپلز پارٹی جو کہ پاکستان کی سب سے بڑی سیاسی جماعت ہے کی قیادت کا بوجھ اٹھانے کی ذمہ داری مجھ پر اچانک آن پڑی۔ یہ وہ زندگی نہیں تھی جس کی میں نے منصوبہ بندی کی تھی لیکن یہ اب میری زندگی ہے۔ میرے شوہر اور بچے میری سیاسی ذمہ داریوں کو سمجھتے ہیں اور انہیں تسلیم کرتے ہیں کہ پاکستانی عوام کے لئے میری ذمہ داریاں مقدم ہیں۔ میں یہ چاہوں گی کہ اس ماہ کے آخر میں اپنے بیٹے کو کالج بھیجوں لیکن اب میں پاکستان واپسی کا منصوبہ بنا رہی ہوں تا کہ پارلیمانی انتخابات میں اپنی پارٹی کی مہم کی قیادت کر سکوں۔

میں نے اس زندگی کا انتخاب نہیں کیا، اس زندگی نے میرا انتخاب کیا ہے۔"

پاکستان پیپلز پارٹی کی چیئرپرسن محترمہ بے نظیر بھٹو ساڑھے آٹھ سال کی جلاوطنی ختم کر کے 18 اکتوبر 2007ء کو جب کراچی پہنچیں تو اس وقت شہر بھر میں جشن کا سا سماں تھا اور عوام کا ایک جم غفیر ان کے استقبال کے لئے امنڈ آیا تھا۔ بے نظیر بھٹو اور جلوس کے اندر کے حفاظتی انتظامات پیپلز پارٹی کی قیادت نے اپنے ذمے لے رکھے تھے جبکہ جلوس کے بیرونی حلقے کی ذمہ داری پولیس اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کی تھی۔ حکومتی ذرائع کے مطابق مرکزی جلوس کے راستوں اور ارد گرد سے آنے والے جلوسوں کی حفاظت کے لئے بیس ہزار سے زائد پولیس اور

Marfat.com

رینجرز کے اہلکار تعینات کیے گئے تھے۔ کراچی پولیس کی جانب سے حتمی سیکورٹی پلان ترتیب دیا گیا تھا اور محکمہ داخلہ کی طرف سے شہر میں سات دن کے لئے دفعہ 144 نافذ کر دی گئی تھی اور اسلحہ کی نمائش پر پابندی تھی۔ جلوس کے راستے اور جلسہ گاہ کو بم ڈسپوزل اسکواڈ کلیئر کر رہا تھا اور کراچی ایئر پورٹ کے جناح ٹرمینل آنے جانے کے لئے صرف ایک راستہ چھوڑا گیا تھا۔ بے نظیر بھٹو بلٹ پروف ٹرک پر سوار ہو کر استقبالی جلوس کی قیادت کر رہی تھیں اور اس ٹرک کی حفاظت کے لئے پانچ ہزار رضا کار اور سینکڑوں پولیس اہلکار متعین تھے۔ ٹرک کو خصوصی طور پر اس مقصد کے لئے تیار کیا گیا تھا اور اس کی شیشے کی دیواروں پر رائفل کی گولیاں، راکٹ لانچر اور دھماکہ خیز مواد تجرباتی بنیادوں پر استعمال کیا گیا۔ بے نظیر بھٹو کی سیکورٹی ٹیم نے کراچی ایئر پورٹ سے براستہ شاہراہ فیصل مزار قائد تک پندرہ مقامات کی نشاندہی کی تھی جو اٹھارہ اکتوبر کو سیکورٹی رسک ہو سکتے تھے۔

وطن واپس لوٹنے سے چند روز قبل بے نظیر بھٹو نے کہا تھا کہ میری وطن واپسی کا صدارتی انتخاب اور مفاہمتی آرڈیننس سے کوئی تعلق نہیں، مشکل میں گھرے پاکستان کی خدمت کرنا چاہتی ہوں، کوئی بھی سچا مسلمان مجھ پر خودکش حملہ نہیں کرے گا۔ اٹھارہ اکتوبر وطن واپس جانے کا وعدہ پورا کروں گی، مجھے ذوالفقار علی بھٹو کی فکری رہنمائی حاصل ہے۔ ملک کو بچانے کے لئے انتخابات کے سوا کوئی راستہ نہیں ہمیں اپنا طرز سیاست اور حکومت بدلنا ہوگا۔ اگر انتخابات میں دھاندلی ہوئی تو تمام جماعتیں مل کر احتجاج کریں گی۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان میں دہشت گردی پر دل خون کے آنسو روتا ہے مجھے واپسی موخر کرنے کا مشورہ دیا جا رہا ہے لیکن میں عوام سے کیا گیا وعدہ پورا کروں گی۔

18 اکتوبر 2007ء کو جب بے نظیر بھٹو ساڑھے آٹھ سالہ جلاوطنی کے بعد کراچی ایئر پورٹ پر اتریں تو لاکھوں کارکن ان کا والہانہ استقبال کرنے کے لئے موجود تھے۔ بے نظیر بھٹو فرط جذبات سے آبدیدہ ہو گئیں اور انہیں قرآن پاک کے سائے میں طیارے سے نیچے لایا گیا۔ انہوں نے آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی آنکھوں سے اوپر آسمان کی طرف دیکھا اور اپنے وطن کی سرزمین کو اپنے سامنے پا کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور وطن کی سلامتی کے لئے دعا بھی کی۔ لاکھوں افراد جو ائیر پورٹ کے ارد گرد جمع تھے ان کے نعروں کی گونج صاف سنائی دے رہی تھی۔

Marfat.com

بے نظیر بھٹو نے ائر پورٹ پر نجی ٹی وی سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ وہ انتقامی سیاست پر یقین نہیں رکھتیں اور سیاست میں برداشت اور رواداری کا مظاہرہ ہونا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ جمہوریت میں اختلاف رائے ہوتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسلحہ اٹھایا جائے یا تشدد کا راستہ اختیار کیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان ہے تو ہم سب ہیں۔ جمہوریت اور وردی ساتھ نہیں چل سکتے قوم کو ان میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔ انہوں نے صحافیوں سے باتیں کرتے ہوئے کہا کہ میری حفاظت اللہ اور عوام کریں گے لاکھوں افراد کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر نے جمہوریت اور پیپلز پارٹی کے حق میں فیصلہ سنا دیا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ پیپلز پارٹی نے مذاکرات کے دوران کامیابی حاصل کی اور تکنیکی طور پر جنرل مشرف کی وردی مذاکرات کے نتیجے میں اتروادی جس پر جنرل پرویز مشرف سپریم کورٹ میں بیان حلفی بھی دے چکے ہیں۔

بے نظیر بھٹو وی آئی پی لاؤنج سے باہر آ کر خصوصی طور پر تیار کردہ فلوٹ میں بیٹھ گئیں۔ خود کو اپنے پر جوش کارکنوں کے درمیان پا کر بے نظیر بھٹو والہانہ انداز میں ان کے نعروں کے جواب ہاتھ ہلا ہلا کر ان کا شکریہ ادا کر رہی تھیں۔ ٹرک پر بے نظیر بھٹو کی سیکورٹی کے لئے بلٹ پروف شیشے لگائے گئے تھے لیکن وہ عوام کی محبت سے مغلوب ہو کر سیکورٹی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بلٹ پروف شیشوں کے احاطے سے باہر آ گئیں اور پارٹی کے دیگر عہدے داران کے ساتھ کھڑی ہو گئیں۔ بے نظیر بھٹو کا قافلہ بڑی سست رفتار کے ساتھ جلسہ گاہ کی طرف رواں تھا ملک بھر سے آنے والے قافلوں کی آمد کا سلسلہ جو پچھلے دو روز سے جاری تھا تا حال ان کی آمد سے قافلہ طویل ہوتا جا رہا تھا۔ فضا میں سیکورٹی ہیلی کاپٹر مسلسل پروازیں کر رہے تھے۔ قافلے کی منزل مزار قائد تھی جہاں بے نظیر بھٹو نے عوام سے خطاب کرنا تھا لیکن بے نظیر بھٹو کا استقبالی قافلہ جیسے ہی رات بارہ بجے کے قریب کارساز کے مقام پر پہنچا بے نظیر بھٹو کے ٹرک کے سامنے دو خودکش بم دھماکے ہوئے جس کے نتیجے میں 150 افراد ہلاک اور 500 کے قریب زخمی ہو گئے۔ زخمیوں میں پیپلز پارٹی کی مرکزی رہنما بیگم عابدہ حسین بھی شامل تھیں۔ اس حملے میں بے نظیر بھٹو اور دیگر رہنما محفوظ رہے اور بعد ازاں پیپلز پارٹی کے صدر مخدوم امین فہیم اور دیگر رہنما محترمہ بے نظیر بھٹو کو ایک دوسری کار میں بلاول ہاؤس لے گئے اور مزار قائد کے سامنے ہونے والا جلسہ منسوخ کر دیا گیا۔

Marfat.com

دھماکے کے بعد جلوس کے شرکاء میں افراتفری پھیل گئی اور لوگوں نے محفوظ مقامات کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ عینی شاہدین کے مطابق ایک شخص بم ہے بم ہے چیختا ہوا آیا لوگ مذاق سمجھے اور ہنسنے لگے۔ بینظیر بھٹو کے سیکورٹی ایڈوائزر رحمٰن ملک نے بتایا کہ دھماکہ سے دس منٹ پہلے بے نظیر آرام کے لئے ٹرک کے اندر چلی گئی تھیں تاہم دھماکہ کے فوری بعد انہیں ٹرک سے اتار کر بلاول ہاؤس پہنچا دیا گیا۔ انہوں نے بتایا کہ دھماکہ کے بعد راجہ پرویز اشرف کے کپڑوں میں آگ لگ گئی۔ مخدوم امین فہیم گاڑی سے نیچے گر پڑے جبکہ میرے بھی بال جل گئے۔

بے نظیر بھٹو اپنی خودنوشت ''مفاہمت، اسلام، جمہوریت اور مغرب'' جو انہوں نے اپنی شہادت سے چند روز پہلے ہی مکمل کی تھی میں لکھتی ہیں:

> ''ائیر پورٹ سے نکل کر میرا بکتر بند ٹرک چیونٹی کی رفتار سے چل رہا تھا کیوں کہ آس پاس مجمع بڑھتا جا رہا تھا۔ شام ڈھلی تو سٹریٹ لائٹس مدھم ہوتے ہوتے بجھنے لگیں۔ موبائل فون کے سگنل جیم کرنے والے آلات بھی کام نہیں کر رہے تھے جن کا کام کسی متوقع خودکش بمبار یا بارود سے بھرے ریموٹ کنٹرول کھلونا ہوائی جہاز کو میرے ٹرک کے قریب پھٹنے سے روکنا تھا۔ میرے شوہر آصف علی زرداری نے دبئی میں ٹی وی پر میرے قافلے کی لائیو کوریج دیکھتے ہوئے مجھ سے بات کی اور سمجھانے کی کوشش کی کہ ٹرک کی چھت پر کھڑے ہو کر عوام کے سامنے آنا خطرناک ہو سکتا ہے لیکن میں نے کہا کہ میں اپنے عوام کے سامنے آ کر ہی ان کا استقبال کروں گی۔ رات بارہ بجے سے کچھ بعد میں نے ایک شخص کو دیکھا جس نے ایک شیر خوار بچے کو پیپلز پارٹی کے جھنڈے سے ملتے جلتے کپڑے پہنا رکھے تھے اور اسے ہاتھوں میں اٹھائے وہ بار بار مجھے اشارے کر رہا تھا کہ میں بچے کو تھام لوں۔ میں نے ہجوم کو اشارہ کیا کہ وہ اس شخص کے لئے راستہ بنائیں لیکن جب اس کے لئے راستہ بن گیا تو وہ آگے آنے سے کترانے لگا اور اس نے بچہ ہجوم میں سے کسی کے حوالے کرنے کی بھی کوشش کی۔ مجھے تشویش ہوئی کہ بچہ زمین پر گر کر ہجوم کے پیروں

Marfat.com

میں کچلا نہ جائے۔ میں نے اشارہ کیا کہ بچے کو میرے پاس لے کر آ، میں نے سیکورٹی گارڈ کو بھی اشارہ کیا کہ اس شخص کو ٹرک کے اوپر آنے دیا جائے تاہم جب وہ شخص ٹرک تک پہنچا میں ٹرک کے اندر بنے کمرے میں آ چکی تھی کیوں کہ میرے پاؤں درد کرنے لگے تھے۔ ایک ہی جگہ پر دس گھنٹے کھڑے رہنے سے میرے پیر سوج گئے تھے اور جوتا پہننے سے مزید تکلیف ہو رہی تھی۔ میں نے سینڈل کے سٹریپ کھولے اور اپنی سیکرٹری ناہید خان کے ساتھ اس تقریر پر کام شروع کر دیا جو مجھے مزار قائد پر کرنی تھی اور جو میری زندگی کی سب سے اہم تقریر تھی۔ ایک نکتے پر بحث کے دوران میں نے کہا ہمیں اس تقریر میں سپریم کورٹ میں دائر کی گئی اس پٹیشن کا ذکر بھی کرنا چاہیے جس میں استدعا کی گئی تھی کہ قبائلی علاقوں میں تمام سیاسی جماعتوں کو کام کرنے کا موقع دیا جائے تا کہ انتہا پسندوں کا سیاسی سطح پر مقابلہ کیا جا سکے۔ ابھی میری بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ ایک زوردار دھماکے سے ٹرک لرز گیا۔ پہلے دھماکے کی آواز، پھر روشنی کا فلیش، پھر شیشے ٹوٹنے کی آواز اور اس کے بعد موت کی خاموشی۔ ذرا دیر کے بعد چیخ و پکار شروع ہوئی اور میں نے دل میں کہا اوہ میرے خدا یہ نہیں ہو سکتا۔ میں نے باہر دیکھا تو اندھیری رات نارنجی روشنی میں نہائی ہوئی تھی اور سڑک پر لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ اب میں جان گئی ہوں کہ پیپلز پارٹی کے رنگوں والے کپڑے پہنے بچے کے ساتھ کیا ہوا ہمیں شبہ ہے کہ اسی بچے کے کپڑوں کے نیچے پلاسٹک دھماکہ خیز مواد رکھا گیا تھا۔ پارٹی کے پارلیمانی رکن آغا سراج درانی میرے ٹرک کے آگے راستہ بنا رہے تھے انہوں نے مجھے بتایا کہ جب مشکوک آدمی نے بچہ ٹرک کے اوپر پہنچانا چاہا تو انہوں نے اسے منع کر کے چلتا کیا۔ اس پر وہ شخص بچے کو لئے ٹرک کے بائیں جانب چلنے والی ایک پولیس گاڑی کی طرف گیا جس میں موجود افراد نے بھی بچے کو لینے سے انکار کر دیا۔ اس سے آگے والی پولیس وین میں پارٹی کی ایک

Marfat.com

کونسلر رخسانہ فیصل بلوچ اور ایک کیمرہ مین بھی سوار تھے جب وہ آدمی اس وین کے قریب آیا تو پچھلی پولیس گاڑی والوں نے خبردار کیا کہ بچے کو مت لینا، بچے کو مت لینا، بچے کو ٹرک کے اندر مت جانے دینا۔ یہ دونوں پولیس گاڑیاں متوازی اسی جانب چل رہی تھیں جس طرف ٹرک کے اندر میں بیٹھی ہوئی تھی۔ جب پولیس والے اس مشکوک آدمی کو روکنے کی کوشش کر رہے تھے، اسی وقت پہلا دھماکہ ہوا۔ دوسری پولیس وین میں سوار تمام افراد مارے گئے۔ ایک منٹ سے بھی کم وقفے سے 15 کلوگرام کا ایک کار بم دھماکہ کیا گیا اور عینی شاہدین کے مطابق اس کے ساتھ ہی باہر نشانہ بازوں کو فائرنگ کرتے بھی دیکھا گیا۔"

حساس اداروں نے صدر جنرل پرویز مشرف کو جو ابتدائی رپورٹ پیش کی اس کے مطابق حملہ خودکش تھا اور اس کا براہ راست نشانہ بے نظیر بھٹو تھیں لیکن وہ بکتر بند گاڑی کی وجہ سے محفوظ رہیں۔ خودکش حملوں کی کڑیاں چارسدہ اور آرمی میس میں ہونے والے دھماکوں سے ملتی ہیں۔ رپورٹ کے مطابق حملہ آور کی ٹائمنگ صحیح تھی لیکن محترمہ اتفاقاً بلٹ پروف گاڑی میں چلے جانے کی وجہ سے بچ گئیں۔ حکومتی ذرائع نے اس حملہ کو خودکش اور طالبان کی کارروائی قرار دیا تھا لیکن بے نظیر بھٹو نے اس موقف کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ طالبان یا کوئی اور گروہ اندرونی سپورٹ کے بغیر مجھ پر حملہ نہیں کر سکتا۔ انہوں نے اٹھارہ اکتوبر کے بم دھماکوں کے بعد اپنے ایک بیان میں کہا تھا کہ ہمیں یہ نہ بتایا جائے کہ القاعدہ یا طالبان نے حملہ کیا ہے بلکہ ہمیں یہ بتایا جائے کہ اس حملے کے فنانسرز اور سپانسرز کون ہیں۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان میں میری زندگی کو شدید خطرہ لاحق ہے میں ان افراد کو جانتی ہوں جو مجھے قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

بے نظیر بھٹو نے سانحہ کارساز ایف آئی آر درج کرانے کے لئے بہادر آباد تھانے میں درخواست دی تھی جس میں کہا گیا تھا کہ انہوں نے صدر جنرل پرویز مشرف کو 16 اکتوبر کو خط لکھ کر جن تین اشخاص سے متعلق خدشات کا اظہار کیا تھا ان کو بم دھماکوں کے سلسلے میں شامل تفتیش کیا جائے۔ پولیس نے ان کی درخواست وصول کر لی اور کہا تھا کہ ایک واقع کی دو ایف آئی آر درج نہیں کی جا سکتیں تاہم بے نظیر بھٹو کی درخواست کو تحقیق کا حصہ بنایا جائے گا۔ دراصل حکومت

Marfat.com

نے سانحہ کارساز کے تین گھنٹے بعد اپنی طرف سے ایف آئی آر درج کرادی تھی جس پر بے نظیر بھٹو نے احتجاج کیا تھا اور کہا تھا کہ اصل ایف آئی آر یہی ہے۔

سانحہ کارساز کے بعد اگلے روز بے نظیر بھٹو نے بلاول ہاؤس میں پریس کانفرنس میں اپنے متوقع دشمنوں کا ذکر کیا لیکن ان کے نام ظاہر نہیں کیے صرف اتنا بتایا کہ انہوں نے نام لکھ کر صدر مشرف کو دے دیئے ہیں جس کے بعد قیاس آرائیاں شروع ہوگئیں۔ کہا جاتا ہے کہ بے نظیر بھٹو نے اپنی سیکورٹی کے حوالے سے صدر مشرف کو لکھے گئے خط میں چار افراد کے نام ظاہر کئے تھے جو ان کے خلاف سازش کر سکتے ہیں ان میں صوبہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ چوہدری پرویز الٰہی، گورنر پنجاب کے سیکرٹری حسن وسیم افضل، ڈائریکٹر انٹیلی جنس بیورو بریگیڈیر اعجاز شاہ اور لیفٹیننٹ جنرل ریٹائرڈ حمید گل کے نام شامل تھے۔

سانحہ کارساز کے بعد 22 اکتوبر کو بے نظیر بھٹو زخمیوں کی عیادت کے لئے جناح ہسپتال پہنچیں اور صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ تحقیقات عمل میں غیر ملکی ماہرین کو شامل نہ کیا گیا تو نتائج قبول نہیں کیے جائیں گے۔ حکومت نے غیر ملکی اداروں سے تحقیقات کرانے کا مطالبہ مسترد کر دیا۔ اسی روز چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کا ایک بیان شائع ہوا جو انہوں نے ایک کیس کی سماعت کے دوران دیا تھا اور جس میں کہا گیا تھا کہ اگر سانحہ کراچی پر تحقیقاتی اداروں نے پیش رفت نہ کی تو وہ از خود نوٹس لیں گے۔

23 اکتوبر 2007 کو بے نظیر بھٹو نے انکشاف کیا کہ ان کے وکیل فاروق ایچ نائیک کو ایک دھمکی آمیز خط ملا ہے جو سپریم کورٹ میں ان کے لئے چھوڑا گیا تھا۔ بے نظیر بھٹو نے بتایا کہ یہ خط اسامہ کے کسی گمنام ساتھی کی طرف سے لکھا گیا ہے جس میں دھمکی دی گئی ہے کہ مجھے بکری کی طرح ذبح کر دیا جائے گا۔ محترمہ بے نظیر بھٹو نے کہا کہ سانحہ 18 اکتوبر کی آڑ میں انتخابات ملتوی کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی کیوں کہ حکومت میں شامل بعض عناصر نہیں چاہتے کہ انتخابات ہوں۔ محترمہ بے نظیر بھٹو نے حکومت کے اس موقف کو مسترد کر دیا کہ سانحہ کارساز کی تحقیقات کے لئے غیر ملکی ماہرین کی ضرورت نہیں۔ انہوں نے کہا کہ غیر ملکی ماہرین ہی اس سانحے کی سائنسی بنیادوں پر تحقیقات کر سکیں گے۔

Marfat.com

25 اکتوبر کو بے نظیر بھٹو نے بلاول ہاؤس کراچی میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں اور ہم عوام کی بہتری کا پروگرام لے کر آئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ فوج اور ہمارا دکھ ایک ہے قبائلی علاقوں میں بے گناہ لوگ مارے جا رہے ہیں جن میں ہماری مسلح افواج کے لوگ بھی شامل ہیں۔ انہوں نے کہا ہمیں ایسی منصوبہ بندی کرنی چاہئے جس کے تحت ہم ہر شہری کو تحفظ دے سکیں پاکستان کے چپے چپے کا دفاع کر سکیں۔ ضیاء الحق کے دور میں سیاچن گلیشئر اور یحییٰ خان کے دور میں مشرقی پاکستان ہمارے ہاتھ سے چلا گیا جبکہ ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں ایک انچ زمین نہیں گئی بلکہ جنگ میں ہاری ہوئی 5 ہزار میل واپس لے لی گئی۔ پیپلز پارٹی کے دور میں ملک کا دفاع مضبوط تھا اور پاکستان کو کوئی نقصان نہیں ہوا۔ محترمہ بے نظیر بھٹو نے کہا میں واضح کر دینا چاہتی ہوں کہ آمرانہ نظام سے وہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جو تشدد، دہشت گردی، تخریب کاری اور فرقہ واریت کی سیاست پر یقین رکھتے ہیں۔ پیپلز پارٹی کی تاریخ میں ایک باب رقم ہوگا کہ جس طرح محترمہ نے ہمت و جرأت کا مظاہرہ کیا وطن واپسی پر جلوس نکالا اور اس سے کارکن جو آٹھ سال سے بے یقینی کی کیفیت میں تھے وہ یقین کی کیفیت میں آ گئے۔ سانحہ کے ایک روز بعد ہی محترمہ سیکورٹی کی پرواہ کئے بغیر اسپتال پہنچیں اور زخمیوں کی عیادت کی لیاری گئیں جہاں جاں بحق ہونے والوں کے ورثاء سے تعزیت کی۔ اس طرح محترمہ نے کارکنوں کو سکتے اور خوف کی کیفیت سے باہر نکلنے میں مدد کی۔ محترمہ بے نظیر بھٹو نے 28 اکتوبر کو لاڑکانہ میں سانحہ کارساز کے واقعہ میں شہید ہونے والے 17 سالہ نظام الدین سموں والد اور ماموں اشرف سموں اور آفتاب نیک محمد بھٹو کے والد عامر بھٹو سے ان کے بھائی سردار واحد بخش بھٹو عبدالخالق بھٹو اور ڈاکٹر روشن شیخ کے ورثاء سے اظہار تعزیت کے لئے گئیں تو اس موقع پر صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ وہ سیاسی مخالفت پر یقین نہیں رکھتیں، عوام کی طاقت پر یقین رکھتی ہیں۔

تجزیہ نگاروں کا کہنا تھا کہ بے نظیر بھٹو پرویز مشرف کے ساتھ ایک مفاہمت کے تحت پاکستان آئی تھیں لیکن وہ خفیہ ہاتھ جو پرویز مشرف کی بے نظیر بھٹو کے ساتھ مفاہمت کے مخالف تھے انہوں نے مسلسل دوری پیدا کی اور یہ دوری ان کی شہادت کی شکل میں ظاہر ہوئی۔

☆☆☆

Marfat.com

انتخابی مہم کا آغاز

پاکستان پیپلز پارٹی کی قائد محترمہ بے نظیر بھٹو نے اپنی انتخابی مہم کا آغاز یکم دسمبر 2007ء کو پشاور شہر سے کیا اور پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا ہم بائیکاٹ کر کے صدر پرویز مشرف کو دو تہائی اکثریت نہیں لینے دیں گے۔ مسلم لیگ کے چیئرمین میاں نواز شریف اے پی ڈی ایم کے اجلاس میں اپنی ہم خیال جماعتوں کے ساتھ عام انتخابات کے بائیکاٹ کا اعلان کر چکے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ پاکستان پیپلز پارٹی بھی بائیکاٹ کرنے میں ان کا ساتھ دے۔ انہوں نے اپنی اس خواہش کا اظہار اپنی انتخابی مہم کے دوران منعقدہ جلسوں سے خطاب کرتے ہوئے بھی کیا۔ چنانچہ انہوں نے 3 دسمبر کو اسلام آباد میں محترمہ بے نظیر بھٹو سے ملاقات کر کے انہیں اس بات پر قائل کرنے کی کوشش کی۔ فریقین کی مذاکراتی ٹیموں نے اپنے اپنے دلائل دیئے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کا اصرار تھا کہ پیپلز پارٹی کی طرف سے 1985ء کے انتخابات کے بائیکاٹ کے نتائج آج تک پوری قوم بھگت رہی ہے اس لئے وہ دوبارہ ایسی غلطی نہیں کریں گے کیوں کہ بائیکاٹ کے نتیجے میں ایسی غیر نمائندہ قوتیں قوم پر مسلط ہو جاتی ہیں جن سے جان چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔ مسلم لیگ کا اصرار تھا کہ انتخابات کا بائیکاٹ کیا جائے کیوں کہ پی سی او اور موجودہ نگران سیٹ اپ کی موجودگی میں ان کے زیر انتظام ہونے والے عام انتخابات صاف اور شفاف نہیں ہوں گے۔ دونوں پارٹیوں کے رہنماؤں نے ایک مشترکہ پریس کانفرنس میں بتایا کہ ان کے درمیان اس بات پر اتفاق رائے ہو گیا ہے کہ موجودہ حالات میں عام انتخابات منصفانہ اور شفاف ہوتے نظر نہیں آتے اس لئے حکومت کے سامنے چارٹر آف ڈیمانڈ پیش کریں گے اگر حکومت نے اسے قبول نہ کیا تو ہم دونوں الیکشن کے بائیکاٹ کی طرف جائیں گے۔ حکومت سے مطالبات کے لئے چارٹر آف ڈیمانڈ تیار کرنے کے لئے آٹھ رکنی کمیٹی قائم کر دی گئی ہے۔ اس

Marfat.com

طرح مسلم لیگ کے رہنما پاکستان پیپلز پارٹی کے رہنماؤں کو قائل نہ کر سکے تاہم انہوں نے خود انتخابات میں جانے کا فیصلہ کرلیا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی اتحادی اے پی ڈی ایم کی پارٹیاں ان سے ناراض ہوگئیں۔

پاکستان پیپلز پارٹی کی قائد محترمہ بے نظیر بھٹو نے ملک کے مختلف حصوں میں جلسے منعقد کرنے کا سلسلہ شروع کیا انہوں نے مردان، نوشہرہ، کوئٹہ، میر پور، لاڑکانہ، رحیم یار خان، بہاولپور، حسن ابدال، پشاور اور اٹک میں عوامی جلسوں میں خطاب کرتے ہوئے عوام کو باور کرایا کہ مسلم لیگ ق نے عوام کو مسائل و مصائب کے سوا کچھ نہیں دیا۔ ملک میں معاشی و سیاسی بحران کے ذمہ دار یہی لوگ ہیں جو جنرل ضیاء الحق کی باقیات ہیں جو ہر آمر کا ساتھ دیتے ہیں اور اپنے مفادات کی خاطر عوام کو مسائل سے دوچار کرتے ہیں۔ محترمہ بے نظیر بھٹو نے کہا میں بھٹو کی بیٹی ہوں میں خوفزدہ نہیں ہوتی، بھٹو نے ملک کی معیشت اور دفاع کو مضبوط کیا، انہوں نے عوام کو روزگار دیا، ملک کو گندم میں خودکفیل بنایا لیکن انہیں پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔ محترمہ بے نظیر بھٹو نے اپنے جلسوں سے خطاب میں کہا کہ سٹیل ملز سکینڈل میں سپریم کورٹ نے اپنے فیصلے میں وزیراعظم اور کابینہ کو اس کا ذمہ دار قرار دیا مگر کسی کو بھی گرفتار نہیں کیا گیا۔ جمہوری قوتوں کو روکنے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن تخریب کاری اور انتہا پسندی روکنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ الیکشن میں فوج بلائی جائے، چیف الیکشن کمشنر الیکشن کے شفاف اور منصفانہ انعقاد کے لئے بلدیاتی اداروں کو معطل کریں، پولنگ اسٹیشن پرائمری اور سیکنڈری سکولوں میں بنائے جائیں۔ محترمہ بے نظیر بھٹو نے کہا کہ ماضی میں کبھی لینڈ مافیا نے اور کبھی شوگر مافیا نے عوام کو لوٹا۔ سپریم کورٹ کو ہڑپ کیا گیا، سٹاک ایکسچینج میں لوٹ مار کی گئی، میڈیا پر پابندی لگائی گئی۔ پاکستان کے عوام یتیم نہیں ہیں پاکستان پیپلز پارٹی ان کے ساتھ ہے پیپلز پارٹی برسر اقتدار آ کر ان لوٹوں لٹیروں اور مفاد پرستوں سے حساب لے گی۔

☆☆☆

Marfat.com

بے نظیر بھٹو کا آخری دورہ پشاور

بے نظیر بھٹو کا آخری دورہ پشاور اس لحاظ سے انتہائی اہم تھا کہ ایک ایسے وقت میں انہوں نے پشاور کا دورہ کیا جب اس سرزمین سے تعلق رکھنے والے دو سابق وفاقی وزراء آفتاب احمد خان شیرپاؤ اور انجینئر امیر مقام آزادی سے اپنے گھروں کا رخ نہیں کر سکتے تھے۔ دوسری جانب انہیں القائدہ اور طالبان کا خوف دلا کر انتخابی مہم میں حصہ لینے سے باز رکھنے کی بار بار کوشش کی جاتی رہی تاہم وہ پشاور گئیں اور شیرنی کی طرح گھومتی پھرتی رہیں۔ اس دورے میں وہ اے این پی کے رہبر تحریک اور بزرگ سیاستدان خان عبدالولی خان مرحوم کے دعائے مغفرت کے لئے ولی باغ چارسدہ گئیں جہاں انہوں نے مرحوم کی اہلیہ اور اے این پی کی سابق صوبائی صدر بیگم نسیم ولی خان سے ان کے شوہر کے انتقال پر تعزیت کی، انہوں نے وہاں پر نماز بھی ادا کی۔

اس دورے کی خاص بات ان کی پریس سے بات چیت تھی پریس ٹاک کا وقت تین بجے دیا گیا تھا تاہم سیکورٹی انتظامات کے باعث وہ صبح ساڑھے نو بجے ہی صحافیوں سے مل کر روانہ ہو گئیں۔ ان کا سیکورٹی شیڈول انتہائی سخت تھا تاہم اس دورے کے باعث سرحد میں پاکستان پیپلز پارٹی کا امیج (Image) کافی بہتر ہوا۔ ملکی اور غیر ملکی میڈیا نے ان کے دورے کو کافی تشہیر کی اور کہا گیا کہ انہوں نے طالبان کے Home Land میں قدم رکھ کر بڑی جرأت کا مظاہرہ کیا ہے اور بلا شبہ ایسا ہی تھا۔ اپنے دورے کے دوران وہ پارٹی کے لیڈر اور امیدوار برائے قومی اسمبلی ارباب عالمگیر کے گھر بھی گئیں جہاں انہوں نے ان سے ان کے والد سابق وزیر اعلیٰ ارباب محمد جہانگیر کے انتقال پر بھی تعزیت کی۔ وہ پیپلز پارٹی کے ممتاز رہنما سید قمر عباس مرحوم کی رہائش گاہ بھی پہنچیں جنہیں گذشتہ مئی میں نامعلوم افراد نے فائرنگ کر کے قتل کر دیا تھا۔

دوسری مرتبہ وہ پیپلز پارٹی کی انتخابی مہم کے سلسلے میں پشاور گئیں اور سابق وزیر حاجی

Marfat.com

خیان کے بھانجے اور پی پی کے رہنما کے انتقال پر تعزیت کے لئے ان کے گھر بھی گئیں۔اس دورے کی ایک اہم بات یہ تھی کہ وہ سابق وزیر داخلہ اور پیپلز پارٹی کے مرکزی رہنما میجر نصیر اللہ بابر کے گھر بھی گئیں۔نصیر اللہ بابر بے نظیر بھٹو کی صدر پرویز مشرف کے ساتھ ڈیل کے حوالے سے ان سے ناراض تھے اور ایک مرتبہ تو انہوں نے پارٹی کی سیاست سے کنارہ کشی کا بھی اعلان کر دیا تھا لیکن یہ ڈیل کامیاب نہ ہونے کی بنا پر نصیر اللہ بابر اپنا غم وغصہ سمیٹنے کے بعد احتجاج کر کے دوبارہ واپس آ گئے۔

اپنے جلسوں میں محترمہ بے نظیر بھٹو نے پارٹی اور عوام کے ساتھ اپنے تعلق کا اظہار کرتے ہوئے واضح کیا کہ وہ عوام کو تنہا نہیں چھوڑیں گی۔

تیسری مرتبہ وہ 25 دسمبر 2007ء کو پشاور کے دورے پر گئیں تو کوئی نہیں جانتا تھا کہ سرحد کے عوام اپنی محبوب لیڈر کو دوبارہ کبھی نہ دیکھ سکیں گے۔اس جلسے میں انہوں نے واشگاف الفاظ میں عوام کو مخاطب کرتے ہوئے اپیل کی کہ وہ انتہا پسندوں کو مسترد کر کے پیپلز پارٹی کو کامیاب بنائیں کیوں کہ پی پی اقتدار میں آ کر سرحد اور قبائلی علاقوں کو ترقی دے گی۔

اس موقع پر انہوں نے میاں نواز شریف سے اپنے اختلافات کے حوالے سے واضح کیا کہ اب یہ اختلافات ماضی کا حصہ بن چکے ہیں اور جمہوریت کی بحالی کے لئے مل کر ساتھ چلیں گے۔انہیں ادھر ادھر سے جو دھمکیاں مل رہی تھیں وہ خوفزدہ کرنے کے لئے کافی تھیں لیکن اپنی شہادت سے ایک روز قبل اس جلسے میں انہوں نے دشمنوں کو للکارتے ہوئے کہا کہ وہ دھمکیوں سے ڈرنے والی نہیں ہیں، ایٹمی طاقت سے زیادہ طاقت عوام کی ہے اور اس جلسے نے ثابت کر دیا ہے کہ پی پی عوام کی پارٹی ہے۔

اس موقع پر بے نظیر بھٹو نے دہشت گردی اور ملک کو درپیش بحرانوں کا ذکر کرتے ہوئے جمہوریت کے لئے اپنی جدوجہد جاری رکھنے کے عزم کا اعادہ کیا۔اپنے خطاب کے دوران انہوں نے کہا کہ انہیں عوام سے دور رکھنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔درحقیقت انہیں ہر ممکن خوف دلانے کی سازش کی جا رہی تھی۔ارباب نیاز سٹیڈیم سے پہلے ان کے جلسے کے لئے جناح پارک پشاور منتخب کیا گیا تھا لیکن اچانک یہ مقام تبدیل کر دیا گیا بعد ازاں بتایا گیا کہ مقام کی تبدیلی

Marfat.com

سیکورٹی کے پیش نظر عمل میں لائی گئی ہے۔اسی روز جب محترمہ بے نظیر بھٹو ایک بڑے جلسے سے خطاب کرنے والی تھیں صبح پونے چھ بجے شہر میں ایک کیبل نیٹ ورک کا دفتر بم سے اڑا دیا گیا جبکہ محترمہ بے نظیر بھٹو کے خطاب سے چند گھنٹے قبل ارباب نیاز سٹیڈیم کے عقب میں بم کا ایک زوردار دھماکہ ہوا۔اس سے پہلے چارسدہ میں عید قربان کے روز سابق وفاقی وزیر داخلہ آفتاب شیر پاؤ پر قاتلانہ حملہ ہو چکا تھا جس میں وہ تو معجزانہ طور پر بچ گئے تاہم ان کے صاحبزادے مصطفیٰ شیر پاؤ شدید زخمی ہو گئے اور 56 سے زائد افراد شہید ہوئے۔

محترمہ بے نظیر بھٹو نے جلسے میں اپنے خطاب کے دوران چارسدہ خودکش دھماکے کا ذکر کر کے اپنے سیاسی تدبر کا ثبوت دیا۔اس جلسے کے دوران ایک پندرہ سالہ مبینہ تخریب کار رحیم الاسلام بھی گرفتار ہوا۔ایجنسیوں کے مطابق اس کے پاس سے دھماکہ خیز مواد بھی برآمد ہوا۔خفیہ ایجنسیاں اسے پکڑ کر لے گئیں اور بعدازاں اس کی کوئی خبر نہیں ملی پھر سنا گیا کہ اس کے پاس صرف پٹاخے تھے۔

اس جلسے میں سیکورٹی کے سخت انتظامات اور شہر میں بم دھماکوں کی وجہ سے خوف وہراس کی فضا کے باعث شرکاء کی تعداد کم تھی جو ایک لازمی امر تھا، ہر طرف طرح طرح کی افواہیں پھیلی ہوئی تھیں۔پیپلز پارٹی صوبہ سرحد کے قریبی حلقے اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ محترمہ بے نظیر بھٹو نے اپنی شہادت سے صرف ایک روز قبل اپنے دورہ پشاور کے اختتام پر سرحد پولیس کی جانب سے بہترین حفاظتی انتظامات اور حکمت عملی پر نہ صرف اطمینان کا اظہار کیا تھا بلکہ دورے کے اختتام پر اٹک پل پر سرحد پولیس کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کیا تھا۔یادرہے کہ وہ جلسہ گاہ سے واپس ہوئیں تو باچا خان چوک سے خیبر روڈ تک محترمہ بے نظیر بھٹو نے گاڑی کا سن روف کھول کر کارکنوں کے نعروں کا ہاتھ ہلا ہلا کر جواب دیا۔یوں لگ رہا تھا جیسے وہ پشاور کے عوام سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بچھڑنے پر الوداع کہہ کر ہمیشہ کے لئے رخصت ہو رہی ہیں۔

☆☆☆

Marfat.com

بے نظیر بھٹو کی شہادت

محترمہ بے نظیر بھٹو نے 27 دسمبر کو راولپنڈی کے لیاقت باغ میں ایک بڑے جلسہ عام سے خطاب کرنا تھا اس سے پہلے انہوں نے افغانستان کے صدر حامد کرزئی سے ملاقات کی۔ ملاقات کے بعد صحافیوں سے بات چیت کرتے ہوئے بینظیر بھٹو نے کہا:

''گذشتہ حکومت کو دس ارب ڈالر کی امداد ملی جو انہوں نے غائب کر دی، انہیں کوئی نہیں پوچھتا جس چیف جسٹس نے سٹیل ملز کی نجکاری کا پول کھولا اسے ہٹا دیا گیا مگر کرپٹ آزاد پھر رہے ہیں، دھاندلی کے لئے اینٹلی جنس ایجنسیاں بھی متحرک ہیں۔ مجھ پر کراچی میں خودکش حملہ کرایا گیا تاکہ پیپلز پارٹی کی قیادت کو ختم کر دیا جائے مگر میرے سینکڑوں بھائیوں نے اپنی جانیں قربان کر کے مجھے بچا لیا، ان کی عظمت کو بے نظیر کی نسلیں بھی سلام کرتی رہیں گی۔ بم دھماکے اور دھمکیاں میرے راستے کی دیوار نہیں بن سکتیں میں بھٹو کی بیٹی ہوں

بکنا اور جھکنا میرے لئے گناہ کبیرہ ہے۔''

راولپنڈی میں لیاقت باغ میں ایک بڑے عوامی جلسے سے اپنے خطاب میں محترمہ بے نظیر بھٹو نے کہا:

ان سیاسی یتیموں کا دور ختم ہو چکا ہے جو الیکشن ملتوی کرانے کے لئے کبھی ایمرجنسی لگواتے ہیں کبھی پرویز مشرف کے مزید 5 سال آرمی چیف رہنے کا دعویٰ کرتے تھے۔ میری اور نواز شریف کی واپسی سے ان کی سازش ناکام ہو گئی ہے۔ میں راولپنڈی کو اپنا دوسرا گھر سمجھتی ہوں، یہ بہادروں اور جانثاروں کا علاقہ ہے، میں نے یہاں بہت خوشیاں اور دکھ دیکھے ہیں

Marfat.com

۔اسی شہر کے لوگوں نے یحییٰ خان کو مستعفی ہونے پر مجبور کیا۔انہوں نے مزید کہا کہ ذوالفقار علی بھٹو نے غریب عوام کے لئے پیپلز پارٹی قائم کی تھی اورانہیں یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے پاکستان کے دفاع کو ناقابل تسخیر بنادیا۔قائداعظم نے پاکستان بنایا اور قائد عوام ذوالفقار علی بھٹو نے اس ملک کو آئین دیا۔ہمارے کارکنوں نے آمریت میں بھی کوڑے کھا کر اصولوں پر سودے بازی نہیں کی۔ہم نے اپنے سابقہ دور میں ملک کو ایٹمی ٹیکنالوجی کے ساتھ ساتھ میزائل ٹیکنالوجی سے بھی لیس کیا۔

عوام پارٹی کا ساتھ دیں اور انتخابات میں پیپلز پارٹی کو کامیاب کر کے جمہوریت کے قیام کے لئے اپنا کردار ادا کریں۔پاکستان اس وقت شدید خطرات سے دوچار ہے،آمریت ملک کی جڑوں کو اکھاڑ رہی ہے،بلوچستان میں فوجی اپریشن کے نتیجے میں مایوسی پھیل رہی ہے، سرحدوں پر صورت حال تشویش ناک ہے،باجوڑ،شمالی وزیرستان اور سوات میں عید کے روز بھی فساد میں بے گناہ اور معصوم لوگوں کا قتل عام کیا جاتا رہا۔مسلمان مسلمان کو ماررہا ہے،آپ کو یہ ملک بچانا ہوگا،ہم سب مرجائیں گے لیکن ملک بچائیں گے۔حکومت دہشت گردی روکنے میں ناکام ہوگئی، مجھے عوام پر اعتماد ہے جس کی طاقت سے یہ ملک بچ سکتا ہے۔پاکستان پیپلز پارٹی کی تاریخ قربانیوں سے بھری پڑی ہے۔قائد عوام ذوالفقار علی بھٹو کو اسی شہر میں شہید کیا گیا میرے دو بھائیوں کو مروایا گیا،والدہ کے سر پر لاٹھیاں برسائی گئیں۔

یہ سال انتہائی اہمیت کا سال ہے،جس میں چیف جسٹس کو دومرتبہ نکالا گیا،ججز کو گرفتار کیا گیا،لال مسجد کے واقعے میں 100 سے زائد افراد مارے گئے،لوگ الیکشن کے ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں سوچتے تھے مگر میں نے تبدیلی لانے اور ملک کو آمریت سے جمہوریت کی طرف لے جانے کے لئے جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے یہاں آنے کا فیصلہ کیا لیکن جب پاکستان آئی تو کراچی میں بم دھماکے کے ذریعے مجھے ختم کرنے کی سازش کی گئی تاکہ غیر قانونی حکومت کو طوالت دی جاسکے،مگر مارنے والے سے بچانے والا بڑا ہے،جو بھی محب وطن ہے وہ ملک سے نہیں بھاگے گا،عوام کو سلام پیش کرتی ہوں جنہوں نے سیاسی یتیموں کو ناکام بنادیا اور نہ تو الیکشن ملتوی ہوسکے اور نہ ہی ان کی یونیفارم والی بات پوری ہوسکی۔اب ہم دھاندلی بھی نہیں ہونے دیں گے،عوام نے

Marfat.com

خیبر سے کراچی تک فیصلہ سنا دیا ہے۔انہوں نے کہا کہ صرف عوام کی طاقت سے دہشت گردی اور انتہا پسندی کو ختم کیا جا سکتا ہے۔پاکستان آج ایک بار پھر خطرے میں ہے پرویز مشرف پاکستان کو توڑنے کے لئے جنرل یحییٰ، جنرل ایوب اور جنرل ضیاء سے بھی آگے جا چکے ہیں۔

بے نظیر بھٹو 27 دسمبر کی شام لیاقت باغ راولپنڈی میں ایک جلسہ عام سے خطاب کے بعد جونہی لیاقت باغ کے مین گیٹ سے اپنی گاڑی پر سوار ہو کر گیٹ سے باہر نکلیں تو گیٹ کی بائیں طرف سے ان پر نامعلوم حملہ آور نے فائرنگ کر دی جس کے بعد ایک زبردست دھماکہ ہوا جو پاکستان اور دنیائے اسلام کی پہلی خاتون حکمران کا اعزاز پانے والی رہنما بے نظیر بھٹو کی موت کا سبب بن گئی۔ایک گولی بے نظیر بھٹو کی گردن پر لگی اور سر میں بھی چوٹیں آئیں انہیں فوری طور پر جنرل ہسپتال پہنچایا گیا مگر ڈاکٹروں کی ایک ٹیم کی ایک گھنٹہ تک جدوجہد کے باوجود بھی وہ جانبر نہ ہو سکیں اور سانس کی نالی کٹ جانے کے باعث وہ شہید ہو گئیں۔وہ بہادر باپ کی بہادر بیٹی تھیں۔ وہ پاکستان کو حقیقی جمہوریہ بنانے کے لئے کوشاں تھیں بے نظیر بھٹو کی موت بھٹو خاندان کی قربانیوں کی تاریخ میں ایک اور قربانی کا اضافہ کر گئی۔

لیاقت باغ کے باہر ہونے والا دھماکہ اس قدر شدید اور خوفناک تھا کہ اس کی آواز دور دور تک سنی گئی ہر طرف لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔دھماکے کے بعد لیاقت باغ گیٹ کے چوک میں انسانی اعضاء دور دور تک بکھر گئے اور بعض اعضاء خلاء میں اڑتے ہوئے دور دور جا گرے۔ بے نظیر بھٹو کو گولی لگتے ہی ان کا ڈرائیور گاڑی بھگا لے گیا اور انہیں ہسپتال پہنچایا۔حادثہ کے بعد بم ڈسپوزل سکواڈ، حساس اداروں کی ٹیمیں بھی موقع پر پہنچ گئیں اور انہوں نے جائے وقوعہ کو حصار میں لے کر بند کر دیا۔اس واقعہ کے رونما ہوتے ہی کارکنوں نے دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دیا اور سینہ کوبی کرتے رہے۔بے نظیر بھٹو کے انتقال کی خبر پورے ملک میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور ہزاروں لوگ اور میڈیا ٹیمیں ہسپتال پہنچ گئیں۔اس دوران ملک بھر میں ہنگامے شروع ہو گئے متعدد سرکاری عمارات اور گاڑیوں کو آگ لگا دی گئی۔

سابق وزیراعظم بے نظیر بھٹو شہید کو ان کے آبائی گاؤں گڑھی خدا بخش میں ان کے والد ذوالفقار علی بھٹو شہید کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ان کی نماز جنازہ میں پارٹی کی مرکزی اور

Marfat.com

چاروں صوبوں کی قیادت سمیت ہزاروں کارکن اور رہنما بھی شریک ہوئے۔ غنویٰ بھٹو، فاطمہ بھٹو اور ذوالفقار جونیئر سمیت دیگر رشتہ داروں نے جنازہ میں شرکت کی۔ سابق وزیر اعظم کی بہن صنم بھٹو کو جنازے میں شرکت کے لئے خصوصی طیارے کے ذریعے لاڑکانہ پہنچایا گیا۔ بے نظیر بھٹو کی میت پیپلز پارٹی کے پرچم میں لپٹی ہوئی تھی جسے ان کے شوہر آصف علی زرداری، بیٹے بلاول زرداری، نادر مگسی اور رحمٰن ملک نے لحد میں اتارا۔ اس موقع پر انتہائی رقعت انگیز مناظر دیکھنے میں آئے اور لوگ دھاڑیں مار مار کر روتے رہے۔ کئی افراد نے مزار کی دیواروں سے ٹکریں مار مار کر خود کو لہولہان کر لیا۔

بے نظیر بھٹو شہید نے پاکستان آنے سے پہلے اور پاکستان آنے کے بعد متعدد مرتبہ خدشہ ظاہر کر چکی تھیں کہ انہیں جان کا خطرہ ہے بعض قوتیں انہیں قتل کروانا چاہتی ہیں۔ ایک امریکی جریدے ''پریڈ'' کو انٹرویو دیتے ہوئے انہوں نے کہا:

> میں طویل عرصے سے دہشت گردوں کا ہدف ہوں اور جانتی ہوں کہ مجھے کسی وقت بھی قتل کیا جا سکتا ہے دہشت گرد جس چیز سے سب سے زیادہ خوفزدہ ہیں وہ میں ہوں۔

بے نظیر بھٹو کی شہادت کے بعد حکومت نے موقف اختیار کیا کہ ہمارے انٹیلی جنس ادارے واقعہ کی تحقیقات کریں گے اور اس سلسلے میں متعدد ممالک نے تحقیقات میں مدد کرنے کی بھی پیش کش کی جن میں خاص طور پر امریکہ اور برطانیہ شامل ہیں۔ امریکی ایوان نمائندگان کی سپیکر نینسی پلوسی نے پاکستانی حکومت کے بارے میں سخت موقف اختیار کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ امریکہ تحقیقات عمل سے متعلق پاکستان سے پوچھ گچھ کرے۔ اسی طرح امریکی کانگریس کے بارہ ارکان نے بھی خبردار کیا کہ وائٹ ہاؤس محترمہ بے نظیر بھٹو کے قتل کی تحقیقات اقوام متحدہ سے کرانے پر زور دے ورنہ امریکہ پاکستان کو دی جانے والی امریکی امداد پر پابندیاں زیادہ سخت کرے۔ صدر جنرل پرویز مشرف نے محترمہ بے نظیر بھٹو کی شہادت کی تحقیقات میں اسکاٹ لینڈ یارڈ سے مدد لینے کا اعلان کیا اور کہا کہ محترمہ کے قتل میں فوج اور ایجنسیاں ملوث نہیں ہیں اور وہ محترمہ کے قتل کے حوالے سے گہرائی میں جا کر اصل وجہ معلوم کرنے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ جنرل

Marfat.com

پرویز مشرف کے اعلان کے مطابق اسکارٹ لینڈ یارڈ کی ٹیم تحقیقات کرنے کی غرض سے پاکستان آئی اور لیاقت باغ میں جائے وقوعہ کا معائنہ کیا اور سانحے کی فرضی عکس بندی بھی کی اور تحقیق کے دوران مقامی تحقیق کاروں سے تکنیکی نوعیت کے سوالات پوچھے اور اپنی تحقیقات مکمل کر کے واپس چلی گئی۔ عام خیال یہ ہے کہ چونکہ بے نظیر بھٹو کی شہادت کے تمام ثبوت دھو کر معاملے کو پیچیدہ بنا دیا گیا ہے لہٰذا قتل کی تحقیقات سے کچھ حاصل نہیں ہوگا اور میر شاہنواز بھٹو، میر مرتضیٰ بھٹو کی طرح بے نظیر بھٹو کے قاتلوں کو بھی بے نقاب نہیں کیا جا سکے گا۔

محترمہ بے نظیر بھٹو نے اپنی خودنوشت ''مفاہمت اسلام، جمہوریت اور مغرب'' جس کے بعض حصے برطانوی اخبار سنڈے ٹائمز میں شائع ہوئے ہیں میں لکھا ہے کہ:

مجھے خبردار کیا گیا تھا کہ مجھے قتل کرنے کے لئے خودکش حملہ آوروں کے چار سکواڈ تشکیل دیئے گئے ہیں جن میں سے ایک سکواڈ اسامہ بن لادن کے سولہ سالہ بیٹے حمزہ نے تشکیل دیا ہے۔ وہی لوگ جنہوں نے اس سے قبل کی فوجی حکومت سے ایکا کر کے میرے والد کا عدالتی قتل کروایا اب دوبارہ وہی لوگ مشرف دور حکومت اور انٹیلی جنس اداروں میں قوت پکڑ چکے ہیں۔ مشرف نے مجھے نجی ملاقاتوں اور بات چیت کے دوران کہا تھا کہ میں الیکشن کے بعد واپس آؤں جب میں نے انکار کیا تو انہوں نے پیغام بھیجا کہ میں عوامی ریلیوں اور مظاہروں سے دور رہوں۔ مشرف کے پیغامات میں بتایا گیا کہ صوبہ سرحد اور فاٹا سے ممکنہ طور پر خودکش حملہ آوروں کے سکواڈ پہنچ گئے ہیں۔ ایک ہمدرد مسلمان ملک نے ان کے اہداف کے سیل نمبرز اور نام تک سے آگاہ کیا۔ مشرف حکومت کو یہ سب پتہ تھا تاہم اس حوالے سے بہت کم اقدامات اٹھائے گئے۔ میں نے مشرف سے کہا تھا کہ اگر مجھے عسکریت پسندوں نے نشانہ بنایا تو یہ ان کی حکومت میں شامل ان کے ہم خیالوں کے باعث ہوگا جن پر مجھے شک ہے کہ وہ مجھے راستے سے ہٹانا چاہتے ہیں اور وہ اس خطرے کو ہٹانا چاہتے ہیں جو ان کی حکمرانی کو لاحق ہے۔ اس سے قطع نظر کہ پاکستان میں

Marfat.com

شدت پسندی کی ذمہ دار فوج ہے یا نہیں یہ ضیاء کی آمریت کے دور میں شروع ہوئی اور اب مشرف کی آمریت عسکریت پسند گروپوں کی بڑھوتری کی سرپرستی کر رہی ہے۔

مجھے صدر پرویز مشرف اور ایک اسلامی ملک کی حکومت کی طرف سے اطلاع ملی تھی کہ خودکش حملہ آوروں کے یہ سکواڈ ان کی قتل کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ مجھے بتایا گیا کہ حمزہ بن لادن کے علاوہ یہ سکواڈ بیت اللہ محسود، لال مسجد کے عسکریت پسندوں اور کراچی میں قائم ایک گروپ نے تشکیل دیئے ہیں۔ اکتوبر 2007ء کو جب میں وطن واپس آئی تو اس وقت کراچی میں ان کے قافلے پر حملے کے موقع پر ممکنہ طور پر ایک بچے کو استعمال کیا گیا اور ایک شخص نے ایک بچہ پولیس کے حوالے کرنے سے پہلے مجھے پکڑانے کی کوشش کی تھی جس کے لباس میں دھماکہ خیز مواد چھپا ہوا تھا جس کے تھوڑی دیر بعد دھماکہ ہو گیا۔

برطانوی اخبار نے محترمہ بے نظیر بھٹو کی کتاب کے حوالے سے مزید لکھا ہے کہ:

بھارت کا علاقائی و عالمی طاقت کے طور پر ابھرنا اس کی مڈل کلاس کی معاشی و سیاسی قوت کے باعث ہے۔ مستحکم اور فروغ پذیر مڈل کلاس کے بغیر جمہوریت کو برقرار رکھنا ناممکن ہے۔ پاکستان میں سالانہ 4.5 ارب ڈالر فوج پر خرچ ہو رہے ہیں جو کہ کل تعلیمی بجٹ سے 1400 فیصد زائد ہے۔ عسکریت پسندوں کے مدارس یہاں نشوونما نہیں پا سکتے کیوں کہ پاکستانی شہری مذہب کے حوالے سے حادثاتی اور تاریخی طور پر پہلے کی نسبت زیادہ رجعت پسند ہوتے ہیں۔ عسکریت پسند کم آمدنی والے ایسے والدین سے فائدہ اٹھاتے ہیں جو اپنے بچوں کے لئے بہترین زندگی کے طالب ہوتے ہیں۔ اگر والدین اتنے غریب ہوں کہ وہ اپنے بچوں کو بہتر تعلیم، گھر، لباس اور خوراک اور صحت کی سہولتیں فراہم کرنے کی سکت نہ رکھتے ہوں اور حکومت بھی یہ بنیادی سہولتیں فراہم کرنے میں ناکام ہو تو پھر والدین متبادل راستہ تلاش کرتے ہیں اور اس حوالے سے پاکستان میں عسکریت پسند مدارس لاکھوں پاکستانیوں کے لئے حکومت کا متبادل بن جاتے ہیں۔ یہ

Marfat.com

سیاسی اور عسکری تربیت کے کیمپ پرائمری تعلیم میں بہت کم وقت اور وسائل کا استعمال کرتے ہیں جہاں نہ صرف بچوں کو باقاعدہ فوج کا سپاہی بننے کے لئے مذہبی برین واش کیا جاتا ہے بلکہ انہیں نفرت تشدد کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ یہاں سے سیاستدانوں کے بجائے دہشت گرد پیدا ہوتے ہیں وہ قومی شناخت اور قانون کی حکمرانی کے نظریہ کو رد کرتے ہیں۔ میں نے اپنے دور حکومت میں ان سیاسی عسکریت پسند مدارس کو روکنے کے لئے بے پناہ وسائل بروئے کار لائے تاہم بدقسمتی سے جب سے میری وزارت عظمیٰ ختم ہوئی ہے بیس ہزار نئے مدارس پاکستان میں قائم ہو چکے ہیں۔ انتہا پسند اسلامی عقائد کو مغرب کے خلاف جہاد کا جواز بنا کر پیش کرتے ہیں۔ دیگر سیاسی خواتین کی طرح میں میں اطمینان کو برقرار رکھنے کے معاملے میں خصوصی طور پر حساس ہوں۔ پچھلے سال 18 اکتوبر کو آٹھ سالہ جلاوطنی کے بعد اپنے وطن میں کراچی کے قائداعظم ایئرپورٹ پر اتری تو جذبات پر قابو نہ رکھ سکی اور میری آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے محسوس کیا کہ انتہائی بھاری بوجھ میرے کاندھوں سے اتر گیا، یہ آزادی کا احساس تھا۔ صرف میری واپسی کے لئے آصف اور میرا فیصلہ بہت نپا تلا اور مشکل تھا۔ ہمیں میری واپسی کے خطرناک پہلوؤں کا احساس تھا، ہم اس بات کو یقینی بنانا چاہتے تھے کہ ہمارے بچوں کو احساس نہ ہو کہ ان کی حفاظت کے لئے والدین نہیں۔ میرے بچوں کو بھی علم تھا کہ میرے لئے پاکستان کے لوگ زیادہ اہم ہیں۔ میں نے اپنے بچوں کو بتایا کہ فکر نہ کریں کچھ نہیں ہوگا اللہ میرا حامی و ناصر ہے۔ جب تک میری زندگی ہے مجھے کچھ نہیں ہوگا۔ جب میں پاکستان پہنچی تو اپنی زندگی اور موت کا علم نہیں تھا۔

☆☆☆

Marfat.com

بے نظیر بھٹو کی نئی اور آخری کتاب

محترمہ بے نظیر بھٹو نے اپنی شہادت سے ایک روز قبل ہی اپنی کتاب ''مفاہمت، اسلام، جمہوریت اور مغرب'' مکمل کی تھی جس میں انہوں نے اپنی پاکستان واپسی کے قبل اور بعد میں پیش آنے والے واقعات پر روشنی ڈالنے کے علاوہ پاکستان کی مختصر تاریخ اور مغرب اور اسلام کے مابین تعلقات کار پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ محترمہ بے نظیر بھٹو نے اپنی کتاب میں صدر جنرل پرویز مشرف کے ساتھ ہونے والی ملاقات اور مفاہمتی عمل کی تاریخ پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے انہوں نے لکھا ہے کہ ان کی صدر جنرل پرویز مشرف کے ساتھ ملاقات خوشگوار ماحول میں ہوئی جس پر وہ شک میں مبتلا ہو گئیں اور انہوں نے جنرل پرویز مشرف سے سمجھوتے کے لئے مرحلہ وار شیڈول کا مطالبہ کر دیا۔ ان کی پہلی ملاقات جنوری 2007ء میں ابوظہبی میں ہوئی اور مجھے لینے کے لئے ایک ہیلی کاپٹر بھیجا گیا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ: ''مجھے مخالفین سے لمبی بحث کرنے کی عادت تھی اس لئے جب صدر مشرف نے نسبتاً آسانی سے ان کے تمام اہم مطالبات تسلیم کر لئے تو میں حیران رہ گئی اور مجھے فکر تھی کہ اگرچہ آرمی چیف کا عہدہ چھوڑنے اور دو دفعہ سے زائد وزیراعظم منتخب ہونے پر پابندی ہٹانے سمیت ہمارے تمام اہم مطالبات تسلیم کر لئے گئے تھے لیکن آخر میں اگر جنرل اور ان کی ٹیم الیکشن میں دھاندلی کر کے ہمیں ہاتھ جھاڑتا چھوڑ گئی تو ہم کیا کریں گے؟ اس لئے میں نے فوراً صدر مشرف سے سمجھوتہ کرنے کے بجائے اس بات پر اصرار کیا کہ ان کی شرائط مرحلہ وار تسلیم کی جائیں اور ہر مرحلے پر کچھ ٹھوس اقدامات پر عمل کیا جائے۔ اس کے بعد جولائی 2007ء میں صدر جنرل پرویز مشرف کے ایماء پر ہونے والی ملاقات میں دونوں رہنماؤں میں اتفاق نہ ہو سکا۔

اس وقت پاکستان میں لال مسجد کے اپریشن کے بعد حکومت کو دباؤ کا سامنا تھا۔ صدر

Marfat.com

مشرف اعلیٰ عدلیہ کے ججوں کی ریٹائرمنٹ کی عمر میں کمی چاہتے تھے اوراس کے لئے انہیں بے نظیر بھٹو کی مدد کی ضرورت تھی بے نظیر بھٹو نے لکھا ہے کہ:"میں یہ نہیں مان سکتی تھی کیوں کہ اس طرح عدلیہ کے ساتھ کشمکش کے ایک نئے دور کا آغاز ہو جاتا۔" بے نظیر بھٹو شہید نے لکھا ہے کہ:"پہلی بار صدر پرویز مشرف نے انہیں اگست 2006ء میں فون کیا جس کے بعد بے صدر مشرف کی ایک ٹیم نے مجھ سے ملاقات کی جس میں اس وقت کے ڈائریکٹر جنرل آئی ایس آئی جنرل اشفاق پرویز کیانی اور قومی سلامتی کے مشیر طارق عزیز شامل تھے، میں نے براہ راست صدر اور اس وقت کے آرمی چیف مشرف سے ملاقات کا مطالبہ کیا۔ مذاکرات کے ان تمام ادوار میں لندن واشنگٹن اور پی پی پی کے چند رہنماؤں کو معاملات سے آگاہ رکھا گیا۔"

محترمہ بے نظیر بھٹو نے جو مطالبات صدر پرویز مشرف کے سامنے رکھے ان کی تفصیل میں وہ لکھتی ہیں:"میں نے کہا کہ یہ انتہائی ضروری ہے کہ وہ آرمی چیف کی وردی اتاریں، آزادانہ، منصفانہ اور شفاف انتخابات ہونے چاہئیں جن کی عالمی سطح پر نگرانی کی جائے اور ایک نیا، غیر جانبدار الیکشن کمشن بنانا چاہئے، تمام پارٹیوں اور ان کے رہنماؤں کو الیکشن میں حصہ لینے کا حق ہونا چاہئے اور اس امر کے لئے کوئی انتظام کرنا چاہئے کہ نہ صرف ووٹنگ آزادانہ ہو بلکہ ووٹوں کی گنتی کے وقت بھی دھاندلی نہ ہو۔ میں نے کہا کہ وزیر اعظم کے دو دفعہ سے زیادہ انتخاب پر پابندی ہٹانا ہوگی۔ حقیقی مفاہمت کے لئے ضروری ہے کہ مشرف کے اقتدار میں آنے کے وقت سے اب تک تمام سیاسی جماعتوں کے ارکان پارلیمان کے خلاف ایسے الزامات جو ابھی تک ثابت نہیں ہوئے وہ واپس لے لئے جائیں۔ بے نظیر بھٹو شہید نے لکھا ہے کہ صدر مشرف نے اعتراف کیا کہ ان کے اور ان کے خاندان پر لگائے جانے والے الزامات بے بنیاد ہیں اور ان کی سیاسی ساکھ کو تباہ کرنے کے لئے لگائے گئے ہیں۔ اس ملاقات میں نہ صرف صدر مشرف نے آرمی چیف کا عہدہ چھوڑنے کا وعدہ کیا بلکہ انہیں اعتماد میں لے کر یہ بھی بتایا کہ وہ صدارتی انتخابات سے پہلے اکتوبر 2007ء میں یونیفارم اتار دیں گے۔ یہ بھی طے کیا گیا کہ بے نظیر بھٹو کی وطن واپسی 31 دسمبر سے پہلے ہو جائے گی بلکہ صدر مشرف نے بے نظیر بھٹو سے یہ تک کہا کہ اگر وہ 31 دسمبر کو انہیں دعوت دیں گی تو وہ نیا سال منانے بلاول ہاؤس بھی آئیں گے۔ ملاقات کے اختتام پر میرے کہے بغیر صدر مشرف

Marfat.com

نے بتایا کہ وہ اعتماد سازی کی غرض سے ان کے خلاف تمام مقدمات ختم کر دیں گے۔"

اگست میں صدر مشرف نے ایک مرتبہ پھر ایک ٹیم ایک نئے آئینی پیکج کے ساتھ مذاکرات کے لئے بھیجی۔ اس نئے پیکج کے لئے محترمہ بے نظیر بھٹو نے سیاسی قیمت بڑھادی جس پر وہ ٹیم واپس لوٹ گئیں۔ اس طرح کئی مہینوں کی بات چیت اور بہت سی راتوں میں کی گئی فون کالوں کے بعد آخر قومی مفاہمتی آرڈر کا اعلان ہوا جس کے جواب میں پیپلز پارٹی نے اسمبلی سے استعفے نہیں دیئے۔ محترمہ بے نظیر بھٹو نے صدر مشرف پر الزام لگایا ہے کہ انہوں نے اپنے وعدے وفا نہ کئے اور بار بار یقین دہانی کے باوجود مرحلہ وار ٹھوس اقدامات یا شرائط پر کوئی عمل درآمد نہ ہوا حتیٰ کہ 3 نومبر 2007ء کو ملک میں مارشل لاء لگا دیا گیا۔ انہوں نے یہ سوال بھی اٹھایا ہے کہ کیا جنرل پرویز مشرف اپنی طاقت جمع کرنے کے لئے صرف وقت حاصل کرنا چاہتے تھے؟

"2000ء میں صدر مشرف نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ دس سال کے لئے سیاست چھوڑ دیں تو آصف زرداری کو جیل سے رہا کر دیا جائے گا لیکن میں نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد 2002ء میں یہی مطالبہ دہرانے کے لئے جیل سے ان کے شوہر آصف علی زرداری سے فون کرایا گیا، فون کرتے وقت آئی ایس آئی کے کئی اعلیٰ اہلکار زرداری کے ساتھ بیٹھے تھے لیکن 2004ء میں کچھ دوستوں کی دخل اندازی کی وجہ سے بغیر کسی معاہدے کے آصف زرداری کی رہائی عمل میں آگئی۔" کراچی میں خودکش حملے کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ: "میں صدر مشرف کو بتا دیا تھا کہ اگر مجھے انتہا پسندوں نے ہلاک کیا تو اس کی وجہ ان کی انتظامیہ میں انتہا پسندوں کے بیس حامی ہوں گے۔" انہوں نے کتاب میں لاہور میں ہونے والی ایک میٹنگ کا بھی ذکر کیا ہے جس میں بے نظیر بھٹو پر حملوں کی منصوبہ بندی کی گئی اور ایک مخالف سیاسی دھڑے کے تین افراد کو پانچ لاکھ ڈالر کے عوض یہ ذمہ داری سونپی گئی۔ ان کے نام اعجاز اور سجاد بتائے گئے ہیں جبکہ تیسرا نام انہیں یاد نہیں رہا۔ اس کے علاوہ بم بنانے کے لئے قاری سیف اللہ اختر کی خدمات حاصل کی گئیں جو متحدہ عرب امارات سے گرفتار ہوئے تھے اور کراچی سینٹرل جیل میں بند تھے، بعد میں انہیں رہا کر دیا گیا۔

☆☆☆

Marfat.com

قاتل کون؟

القائدہ کے مبینہ لیڈر اور وزیرستان میں طالبان تحریک کے کمانڈر بیت اللہ محسود کے ترجمان نے ان کی تنظیم کے پاکستان پیپلز پارٹی کی چیئر پرسن بے نظیر بھٹو کے قتل میں ملوث ہونے کے حکومتی دعویٰ کی تردید کی اور کہا کہ ایسے الزامات حکومت، فوج اور انٹیلی جنس ایجنسیوں کی سازش ہیں۔ بیت اللہ محسود کے ترجمان مولانا عمر نے ٹیلی فون پر فرانسیسی خبر رساں ایجنسی اور بی بی سی کو بتایا کہ ان کی بے نظیر بھٹو سے کوئی لڑائی نہیں تھی۔ بے نظیر کا قتل ایک سیاسی معاملہ ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ اس میں حکومت یا اس کی ایجنسیاں ملوث ہوں۔ بھٹو خاندان کے ساتھ کافی عرصہ سے یہ سلسلہ جاری ہے پہلے اس خاندان کے تین افراد ذوالفقار علی بھٹو، شاہنواز بھٹو اور مرتضیٰ بھٹو کو قتل کیا گیا اور اب بے نظیر بھٹو کو قتل کیا گیا ہے تو یہ پرانی دشمنی کا تسلسل ہے جو سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔ انہوں نے اس سانحے کو ملک کے لئے ایک بڑا سانحہ قرار دیا اور لوگوں سے اپیل کی کہ مصیبت کی اس گھڑی میں صبر و تحمل سے کام لیں۔ انہوں نے کہا کہ عورت پر حملہ کرنا قبائلی روایات اور اقدار کے منافی ہے۔ حکومت نے بیت اللہ محسود کی جو ٹیلی فون کال پکڑنے کا جو دعویٰ کیا ہے وہ ڈرامہ ہے۔ بے نظیر بھٹو نہ صرف پاکستان کی لیڈر تھیں بلکہ انہیں عالمی سطح پر ایک مقام حاصل تھا۔ ان کی موت پر ہمیں بھی دکھ اور افسوس ہوا ہے۔ مولانا عمر کے مطابق حکومت قبائلیوں کے لئے مشکلات پیدا کرنے اور انہیں کچلنے کے لئے اس قسم کے الزامات لگا رہی ہے۔ پہلے بھی حکومت نے الزام لگایا کہ اسامہ بن لادن باجوڑ میں ہیں اور اب یہ الزام عائد کیا گیا ہے تو ان سب باتوں کا مقصد قبائلیوں کو بدنام کرنا ہے۔

قبائلی عمائدین نے حکومت کے اس موقف پر برہمی کا اظہار کیا اور شمالی وزیرستان میں سابق وفاقی وزیر ملک اجمل خان کی صدارت میں ایک گرینڈ جرگہ منعقد کیا اور اس واقعہ کو

Marfat.com

وزیرستان سے جوڑنے اور وزیرستان کے ٹرکوں، پٹرول پمپوں اور وزیرستان کے قبائلیوں کو نقصان پہنچانا نہایت ہی بزدلانہ اقدام ہے۔انہوں نے کہا کہ وزیرستان کے قبائل نے ہمیشہ پاکستان کی سرحدوں کی حفاظت بغیر تنخواہ کے کی ہے جب بھی پاکستان کے کسی حصے میں کوئی واقعہ پیش آتا ہے تو ان کو وزیرستان سے جوڑ دیا جاتا ہے۔انہوں نے کہا کہ حکومت فوری طور پر وزیرستان کے ان قبائل کو معاوضہ ادا کرے جن کا نقصان ہوا ہے اور مزید نقصان سے بچانے کے لئے اقدامات کئے جائیں۔

بے نظیر بھٹو کی شہادت کے بعد بہت سے ایسے سوالات ابھر کر سامنے آئے جن کا جواب کسی کے پاس نہیں یا جن کے پاس ہے وہ دینا نہیں چاہتے۔بی بی سی کے مطابق حکومت کے رویہ پر بہت سی انگلیاں اٹھائی گئی ہیں لیکن سوال صرف حکومت کے رویہ تک محدود نہیں جب تک ان پہلوؤں پر روشنی نہیں ڈالی جائے گی یہ گتھی نہیں سلجھے گی۔بنیادی سوال تو یہی ہے کہ حملہ آور کون تھے اور کیا بے نظیر بھٹو کی موت کو ٹالا جا سکتا تھا؟ جلسے کی ویڈیو فلموں سے لگتا ہے کہ بے نظیر اوپن ٹارگٹ تھیں ان کو نشانہ بنانا بظاہر مشکل نہیں تھا۔تو کیا ان کی سیکورٹی کے لئے اس سطح کے انتظامات کئے گئے تھے جو کراچی کے حملے کے بعد کئے جانے چاہئیں تھے؟ خود پیپلز پارٹی نے بھی بے نظیر بھٹو کی سیکورٹی پر غور کیا ہوگا ان کے اس انداز میں گولوں میں گھلنے ملنے کے ممکنہ خطرات کیا پارٹی فوروں میں زیر بحث آئے تھے؟ جس جگہ خودکش حملہ آور نے دھماکہ کیا وہ جلسہ گاہ سے باہر تھی اور وہاں بے نظیر بھٹو کو رکنا بھی نہیں تھا۔وہ کون لوگ تھے جن کے نعروں کا جواب دینے کے لئے بے نظیر بھٹو اپنی گاڑی کی سن روف سے باہر نکلیں؟ حملہ آور دو تھے یا ایک؟ اور کیا وہ صاف چانس لے رہے تھے؟ اگر بے نظیر بھٹو سن روف سے باہر نہ نکلتیں تو کیا وہ کسی اور موقع کی تلاش میں فی الحال حملے کا ارادہ ترک کر دیتے؟ سابق وزیر اعظم کی موت کیسے ہوئی، انہیں گولی لگی، بم کا ٹکڑا یا پھر سن روف کا کنڈا جیسا کہ حکومت کا دعویٰ ہے؟ لاش کا پوسٹ مارٹم نہ کئے جانے کی درخواست کس نے کی یا کسی نے بھی نہیں کی اور حکومت کی جانب سے یہ فیصلہ کس نے کیا کہ پوسٹ مارٹم نہیں کیا جائے گا؟ پوسٹ مارٹم نہ کرانے کے پیچھے کیا مقاصد کار فرما تھے؟ اگر معاملہ کبھی عدالت میں پہنچتا ہے تو موت کے سبب کا تعین کیسے ہوگا اور اس سے استغاثہ کا مقدمہ کتنا کمزور ہوگا؟ محترمہ بے نظیر

Marfat.com

بھٹو کی موت کی وجہ کے بارے میں حکومت متضاد بیانات کیوں دے رہی ہے؟ حملے کے چند ہی گھنٹوں بعد جائے وقوعہ کو کیوں دھویا گیا؟ یہ فیصلہ کس کا تھا؟ انٹیلی جنس ایجنسیاں اتنی جلدی بیت اللہ محسود اور ان کے ایک ساتھی کی بات چیت ریکارڈ کرنے میں کیسے کامیاب ہو گئیں؟ اگر ایجنسیاں بیت اللہ محسود کی بات چیت میں ان کی اس کوشش کا ذکر آیا تھا؟ بیت اللہ محسود کی بات چیت سے کہیں یہ واضح طور پر پتہ نہیں چلتا کہ وہ بے نظیر بھٹو پر حملے کا ذکر کر رہے ہیں۔ کیا یہ ریکارڈنگ پرانی نہیں ہو سکتی؟ بے نظیر بھٹو نے کراچی حملے کی بین الاقوامی تفتیش کا مطالبہ کیا تھا اب حکومت کیوں بیرونی اداروں کی مدد نہیں لیتی تاکہ اس کی ساکھ بحال ہو سکے جب تک ان بنیادی سوالوں کا جواب نہیں مل جاتا یہ گتھی الجھتی ہی رہے گی۔ تاہم ایڈیشنل آئی جی سی آئی ڈی پنجاب چوہدری عبدالمجید کی سربراہی میں قائم تحقیقاتی ٹیم نے فوری طور پر بے نظیر بھٹو کی شہادت کی تحقیقات شروع کر دی تھیں۔ بعض سیکورٹی ماہرین کے مطابق اگر دھماکے کی شدت کے باعث یہ لیور بے نظیر کو لگتا تو سر کی بجائے گردن کے نیچے یا جسم کے کسی دوسرے حصے پر لگنا چاہئے تھا۔ دھماکے سے گاڑی کے پچھلے حصہ کو نقصان پہنچا اور اس کا ایک ٹائر بھی پنکچر ہو گیا تھا۔ دوسری جانب تفتیشی افسروں کے مطابق جائے وقوعہ سے دو پستول بھی برآمد ہوئے ہیں جن میں سے خیال ہے کہ ایک خودکش حملہ آور کا ہے جبکہ دوسرے کے بارے میں تفتیش شروع کر دی گئی کہ وہ کسی پولیس آفیسر یا بے نظیر بھٹو کے کسی محافظ کا تھا۔ تفتیشی ٹیم کے مطابق خودکش حملہ آور کے چہرے کی سرجری مکمل کر کے نادرہ کے حوالے کر دیا گیا تاکہ نادرا خودکش حملہ آور کے چہرے کی مماثلت چیک کرے۔ ساتھ ہی بیت اللہ محسود کی انٹرسیپٹ کی گئی کال میں لئے گئے تین ناموں اکرام اللہ، سعید اور بلال کے حوالے سے بھی چیک کیا گیا کہ خودکش حملہ آور کون تھا اور اگر ایک تھا تو باقی دو کہاں ہیں ساتھ ہی یہ بھی چیک کیا گیا کہ ان تین افراد میں سے کسی کا تعلق کسی کالعدم تنظیم سے تھا یا نہیں۔ اس تفتیشی ٹیم میں شامل ایک افسر نے بی بی سی کو بتایا کہ پولیس کو جائے وقوعہ سے ایک گولی کا خول بھی ملا ہے۔ ابھی تک جو شواہد ملے ہیں ان میں خودکش حملہ آور ایک ہی تھا۔

حالیہ مہینوں میں ہونے والے خودکش بم دھماکوں کی تحقیقات میں کوئی واضح پیش رفت نہیں ہو سکی لیکن ستائیس دسمبر کو ہونے والے حملے کے بارے میں حکومتی بیانات نے صورت حال کو

Marfat.com

تحقیقات شروع ہونے سے پہلے ہی الجھا دیا۔ بےنظیر بھٹو کی شہادت کے کچھ ہی دیر بعد ہسپتال کے ڈاکٹروں کی طرف سے بیان آیا کہ ان کی موت سر اور گردن میں گولی لگنے سے ہوئی ہے پھر اسی روز رات کو نگران وزیر داخلہ نے کہا کہ پیپلز پارٹی کی رہنما بےنظیر بھٹو سر پر بم کا تیز دھار ٹکڑا لگنے کی وجہ سے شہید ہوئی ہیں۔ ابھی اس واقعہ کو رونما ہوئے چوبیس گھنٹے بھی نہیں گزرے تھے کہ راولپنڈی جنرل ہسپتال کے ڈاکٹر مصدق حسین نے پریس کانفرنس میں بتایا کہ بےنظیر بھٹو کی موت سر میں چوٹ لگنے کی وجہ سے ہوئی۔ ایسا بہت کم دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک ڈاکٹر کو اپنے بیان کی وضاحت کرنے کے لئے پریس کانفرنس کرنا پڑی ہو اور عام تاثر یہی ہے کہ انہیں ایسا کرنے پر مجبور کیا گیا۔ ابھی پیپلز پارٹی کی چیئر پرسن کی قبر کی مٹی خشک بھی نہیں ہوئی تھی کہ وزارت داخلہ کے ترجمان نے ایک پریس کانفرنس کر ڈالی جس میں کہا گیا کہ بےنظیر بھٹو کی شہادت گاڑی کے سن روف کا ہنڈل لگنے کی وجہ سے ہوئی۔ پریس کانفرنس میں دعویٰ کیا گیا کہ اس واقعہ کے ذمہ دار بیت اللہ محسود ہیں۔ وزارت داخلہ کے ترجمان نے کہا کہ پاکستان کی انٹیلی جنس ایجنسیوں نے وہ بات چیت بھی ریکارڈ کر لی ہے جس میں بقول حکومت بیت اللہ محسود اور ان کا ایک ساتھی ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے تھے۔ قابل ذکر امر یہ ہے کہ جب تک بےنظیر بھٹو کی تدفین نہیں ہوئی تھی اس وقت تک حکومت کی طرف سے کوئی بیان نہیں آیا تھا لیکن پھر اچانک حکومت نے یہ بات چیت بھی ٹریس کر لی اور اس دھماکے کی ذمہ داری کا بھی تعین کر دیا گیا۔ بیت اللہ محسود کے ترجمان نے پاکستانی حکومت کے اس الزام کو مسترد کر دیا اور پیپلز پارٹی نے بھی حکومتی موقف کو تسلیم نہیں کیا اور پیپلز پارٹی کے ترجمان فرحت اللہ بابر نے کہا کہ حکومت اصل چہروں کو چھپانے کی کوشش کر رہی ہے۔ دنیا کے ترقی یافتہ ملکوں میں کسی بھی واقعہ کی تحقیقات کے سلسلے میں وقت درکار ہوتا ہے اور تحقیقاتی ادارے واقعہ کی چھان بین کر کے اصل چہروں کو بےنقاب کرتے ہیں۔ لیکن یہاں پولیس نے چند گھنٹوں میں اس سانحہ کا سراغ لگا لیا جبکہ اس کے برعکس اٹھارہ اکتوبر کو کراچی میں پیپلز پارٹی کے استقبالیہ جلوس پر ہونے والے بم دھماکے اور خودکش حملوں کا سراغ ابھی تک نہیں لگایا جا سکا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

بھٹو اور نہرو خاندان میں مماثلت

پاکستان اور بھارت کی سیاست میں دو ایسے خاندان ہیں جن کا اپنے اپنے ملک کی سیاست میں بہت اہم کردار رہا ہے۔ جیسے کانگریس کے لئے نہرو خاندان ناگزیر ہے اسی طرح پی پی کے لئے بھٹو خاندان بھی ناگزیر ہے۔ پاکستان میں بھٹو خاندان اور بھارت میں نہرو خاندان نے اپنے مشن کی راہ میں زندگیوں کی قربانیاں دی ہیں۔ بھٹو اور نہرو نے اپنی بیٹیوں کی سیاسی تربیت بڑی دانشمندی سے کی۔ نہرو کو جب جیل میں ڈالا گیا تو انہوں نے اندرا گاندھی کی سیاسی تربیت اپنے خطوط کے ذریعے کی۔ اسی طرح جب بھٹو شہید جیل میں ڈال دیئے گئے تو وہ بھی وقتاً فوقتاً اپنی بیٹی بے نظیر بھٹو کو خطوط لکھا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے ایک خط میں بے نظیر کو لکھا کہ میں تم کو نہرو کی طرح جیل میں بیٹھا خط لکھ رہا ہوں لیکن میری اور نہرو کی قید کی زندگی میں زمین آسمان کا فرق ہے وہ انگریزوں کی قید میں تھے اس کے باوجود ان کو جیل میں لائبریری کے علاوہ تمام سہولتیں میسر تھیں لیکن میں اپنے ہی ملک کی فوج کی جیل میں قید ہوں لیکن کسی بھی قسم کی کوئی سہولت میسر نہیں ہے۔ میں جیل کی کوٹھری میں بند ہوں اور مجھے آسمان دیکھے کئی ہفتے گزر چکے ہیں۔ میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ پاکستان ایسا ملک ہے جہاں صرف ہوس زدہ لوگ ہی اقتدار میں رہ سکتے ہیں یہاں نیک نیت لوگوں کی صلاحیتوں کو بری طرح کچلا جاتا ہے۔ یہ خطوط بعد ازاں ''ڈاٹر آف دی ایسٹ'' میں بھی شائع ہوئے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی زندگی عوام کی خدمت میں صرف کی انہوں نے سیاسی کیریئر بڑی کامیابی سے شروع کیا، ان کے روٹی کپڑا اور مکان کے انتخابی نعرے نے غریب عوام کے دل جیت لئے لیکن یہ سب کچھ زیادہ عرصہ جاری نہ رہ سکا اور 1977ء میں چیف آف آرمی سٹاف جنرل ضیاء الحق نے بھٹو حکومت کا تختہ الٹ کر انہیں جیل میں ڈال دیا۔ بھٹو شہید نے جیل میں رہتے ہوئے اپنی بیٹی بے نظیر بھٹو کو خط لکھے اور ان میں ان کی سیاسی تربیت کرنے کی کوشش کی۔ اس وقت محترمہ صرف بائیس یا تیئس برس کی تھیں۔ بھٹو شہید کی پھانسی کے بعد ان کی جانشینی کا بوجھ ان کے نوجوان کندھوں پر آن پڑا تاہم انہوں نے مختصر مدت میں دانش مندی، حوصلہ اور جرأت سے پارٹی کے تمام امور سنبھال لئے۔ ضیاء دور میں بھٹو خواتین کو کونے

Marfat.com

سے لگانے کے لئے بارہا کوششیں کی گئیں۔ پارٹی کو توڑنے اور اس کی قیادت کو کسی اور فرد کے حوالے کرنے کے لئے بھی کوششیں کی گئیں اور یہی مشق صدر جنرل پرویز مشرف کے دور میں بھی دہرائی گئی لیکن یہ تمام کوششیں ناکام ہو گئیں۔

جس طرح جواہر لال نہرو نے اپنی جانشین کے طور پر اندرا گاندھی کو تیار کیا تھا اسی طرح شہید ذوالفقار علی بھٹو نے بے نظیر بھٹو شہید کو تیار کرنے کی کوشش کی یہ الگ بات ہے کہ بھٹو شہید کو اتنا وقت نہیں مل سکا جتنا نہرو کو ملا تھا۔ نہرو خاندان میں اندرا گاندھی اپنے چھوٹے بیٹے سنجے گاندھی کو سیاست میں لانا چاہتی تھیں لیکن وہ ایک ہوائی حادثے میں ہلاک ہو گیا۔ اندرا گاندھی کے قتل کے بعد راجیو گاندھی جن کی سیاست میں کوئی دلچسپی نہیں تھی ان کو کانگریس میدان میں لے آئی۔ راجیو گاندھی کی ایک خودکش حملے میں ہلاکت کے بعد ان کی بیوہ سونیا گاندھی نے کانگریس کی باگ ڈور سنبھال لی اور آگے چل کر اس نے یہ ذمہ داری راجیو گاندھی کے بیٹے راہول گاندھی کے حوالے کر دی۔ ایسی ہی کہانی بھٹو خاندان کی بھی ہے۔ بھٹو خاندان کے شاہنواز بھٹو جو بے نظیر بھٹو کے بھائی تھے، کو پیرس میں شہید کر دیا گیا اور میر مرتضیٰ بھٹو جس نے بیرون ملک ''الذوالفقار'' نامی تنظیم قائم کی جس نے جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء کے خلاف کام کیا تاہم مرتضیٰ بھٹو کو ان کی بہن کے دور حکومت میں کراچی میں بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔ محترمہ بے نظیر بھٹو دو مرتبہ وزارت عظمیٰ کے عہدے پر فائز رہیں، انہوں نے پاکستانی سیاست سے دلبرداشتہ ہو کر 1998ء میں خودساختہ جلا وطنی اختیار کر لی۔ انہوں نے تقریباً ساڑھے نو سالہ جلاوطنی کے بعد اپنے وطن کی سرزمین پر قدم رکھا تو ان کا والہانہ استقبال کیا گیا۔ ایئر پورٹ پر اترتے ہی ان کی آنکھیں بھر آئیں اور انہوں نے دونوں ہاتھ بلند کر کے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ پاکستان پہنچتے ہی ان پر پہلا قاتلانہ حملہ کیا گیا لیکن وہ بال بال بچ گئیں تاہم 27 دسمبر 2007ء ان کی زندگی کا آخری دن ثابت ہوا۔

جس طرح سونیا گاندھی نے کانگریس کی باگ ڈور راہول گاندھی کے حوالے کر دی ہے اسی طرح بے نظیر بھٹو کی شہادت کے بعد پاکستان پیپلز پارٹی کی بھاگ ڈور بے نظیر بھٹو کے بیٹے بلاول بھٹو زرداری کے سپرد کر دی گئی ہے۔ اندرا گاندھی اور بے نظیر بھٹو دونوں عالمی اہمیت کی حامل سیاست دان رہیں۔ دونوں دو دو مرتبہ وزیر اعظم منتخب ہوئیں اور دونوں کو ہی گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔

☆☆☆

Marfat.com

بے نظیر بھٹو کے اعزازات

بے نظیر بھٹو کی شہادت کے بعد ان کی شخصیت اور کردار پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور آئندہ بھی بہت کچھ لکھا جاتا رہے گا کیوں کہ وہ نہ صرف پاکستان بلکہ مغرب ایشیا امریکہ اور یورپ سمیت دیگر تمام ممالک میں یکساں مقبولیت کی حامل لیڈر تھیں۔ بے نظیر بھٹو شہید کی زندگی میں اصل سیاسی انقلاب اس وقت پیدا ہوا جب جنرل ضیاء الحق دور میں ذوالفقار علی بھٹو کو گرفتار کر کے ایک متنازعہ مقدمے میں جیل بھجوا دیا گیا۔ یہ وہ دن تھے جب پنکی نے عملی طور پر گھر سے باہر قدم رکھا اور اپنے شہید بابا کی رہائی کے لئے آواز اٹھائی۔ اس سلسلے میں انہوں نے قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں ان حالات میں ان کے ساتھ صرف ایک مخلص ہستی ان کی والدہ تھیں جو ان کا حوصلہ بڑھا رہی تھیں حالانکہ وہ خود بھی حکومت کے خلاف فوجی ٹولے کی سازش، جناب بھٹو کی قید اور پھانسی جیسے زخموں سے چور چور تھیں۔ بے نظیر بھٹو کے دو بھائی پہلے ضیاء الحق کے ظلم وتشدد کے نتیجے میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے۔

سیاسی تجزیہ نگاروں کے مطابق 1977ء میں بھٹو کی پھانسی، محترمہ بے نظیر بھٹو کو والدہ سمیت گھر میں قید اور جلاوطن کرنے کا وہ نازک اور مشکل وقت تھا جب بے نظیر بھٹو نے بھٹو کے غریب عوام کو مضبوط کرنے کے نظریہ اور مشن کو پورا کرنے کے لئے عملی طور پر سیاسی میدان میں قدم رکھا اور عالمی سطح پر اپنے رابطے شروع کیے جس میں انہیں بہت پذیرائی ملی اور عالمی قوتوں نے بھٹو شہید کی اس بیٹی کو وہ عزت ومقام دیا جو آج تک کسی لیڈر کی بیٹی یا بیٹے کو نصیب نہیں ہوا۔

برطانیہ میں اپنے قیام کے دوران تعلیم تربیت، بھٹو کی سیاسی تربیت اور ان کے تعلقات کو موثر طریقے سے آئندہ سیاست کے لئے بے نظیر بھٹو نے انتہائی خوبصورتی سے اپنے سیاسی داؤ پیچ میں استعمال کیا اور 1986ء میں اپنی کامیاب واپسی اور فقید المثال استقبال سے

Marfat.com

ثابت کر دیا کہ ’’بھٹو زندہ ہے‘‘ اس کے نظریات مرے نہیں بلکہ متنازعہ پھانسی سے ان کو نئی جلا ملی جس کا ثبوت 86ء کے استقبال میں ٹھاٹھیں مارتا ہوا عوامی سمندر تھا اور پھر 88ء میں پیپلز پارٹی کی حکومت کا بننا تھا۔

مغرب میں اپنے قیام کے دوران انہوں نے پیپلز پارٹی کو دوبارہ از سر نو منظم کرنے کا جو کارنامہ انجام دیا اس حقیقت کو فراموش نہیں کیا جا سکتا اور یہ ان کی سیاسی بصیرت کا اعلیٰ ترین ثبوت تھا کہ انہوں نے یورپ میں اپنے قیام سے شاہی خاندان، لیبر، ڈیموکریٹ پارلیمنٹیرین تعلقات کی بنا دنیا کے نقشے میں یہ بات ثابت کر دی کہ پاکستان جو دنیا کے نقشے میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے وہاں جمہوریت کو شدید خطرات لاحق ہیں جس کی وجہ سے جنرل ضیاء الحق کو 1985ء میں انتخابات کرانے پڑے تاہم یہ بات الگ ہے کہ یہ انتخابات پیپلز پارٹی کو ختم کرنے کی سازش کی ایک کڑی کے طور پر ’’غیر جماعتی بنیادوں پر‘‘ کرائے گئے لیکن یہ کریڈٹ محترمہ بے نظیر بھٹو کو ہی جاتا ہے کہ انہوں نے مغرب میں بیٹھ کر یہاں کی حکومت کو انتخابات کرانے پر مجبور کر دیا جو ان کی کامیاب ڈپلومیسی کا ثبوت تھا۔

محترمہ بے نظیر بھٹو نے مجموعی طور پر اپنی جلا وطنی اور مختلف سرکاری و غیر سرکاری دوروں کے دوران دنیا میں شہرت حاصل کی اس کا اندازہ ان کو مختلف ممالک کی جانب سے ملنے والے اعلیٰ اعزازات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جن کی ایک طویل فہرست پیش کی جا رہی ہے تا کہ عوام اس بات کو جان سکیں کہ سانحہ راولپنڈی کی صورت میں ملک دشمن قوتوں نے قوم سے ایک ’’رہبر‘‘ چھین لی اور پاکستان کو ایک اعلیٰ قیادت سے محروم کر دیا جنہوں نے دنیا بھر میں پاکستان کا وقار بلند کیا۔

AWARD AND HONORARY DEGREES

☆ 1988ء بروٹو کریکی ایوارڈ میرٹ ان ہیومن رائٹس

☆ 1989ء ہاورڈ یونیورسٹی ایوارڈ PHIBETA KAPPA

Marfat.com

☆ مراکش کا اعلیٰ ترین اعزاز گرنیڈ گورڈن WISSAMALAVI

☆ 1989ء فرانس کا اعلیٰ ترین ایوارڈ "LEGION HONNEUR"

☆ 1990ء NOEL فاؤنڈیشن ایوارڈ (UNIFEM)

☆ 1990' اعزازی ڈگری FRCP ایڈبرگ (یوکے)

☆ 1996ء GAKUSHUIN اعزازی ایوارڈ (ٹوکیو)

☆ 1996ء بوسنیا کے صدر سے اعلیٰ اعزاز گولڈ میڈل ڈربکن آف بوسنیا

☆ امریکہ میں میئر آف لاس اینجلس سے "KEY TO THE CITY" حاصل کی۔

☆ 1995ء PAUL NIT2E سکول آف ایڈوانس انٹرنیشنل سائنس کا صدارتی ایوارڈ

☆ 1995ء یونیورسٹی آف کیلی فورنیا سے میڈل حاصل کیا۔

☆ 1989ء ہاورڈ یونیورسٹی سے L.L.D کی ڈاکٹریٹ آف لاء کی ڈگری حاصل کی۔

☆ 1989ء آکسفورڈ یونیورسٹی سے اعزازی فیلوشپ

☆ 1989ء سینٹ کیتھرین کالج یونیورسٹی آف آکسفورڈ یونیورسٹی سے اعزازی فیلو شپ حاصل کی۔

☆ 1994ء یونیورسٹی آف سندھ سے قانون کی اعزازی ڈگری

☆ 1995ء فلپائن کی یونیورسٹی سے اعزازی ڈگری

☆ 1995ء پشاور یونیورسٹی سے قانون کی اعزازی ڈگری

☆ 1995ء میں کرغزستان نیشنل یونیورسٹی سے اعزازی پروفیسر کی ڈگری حاصل کی۔

☆ 1995ء کرغز اور ترکش انٹرنیشنل لینگوئج میں اعزازی پروفیسر کا اعزاز حاصل کیا۔

☆ 1996ء ٹوکیو یونیورسٹی سے اکنامکس کی اعزازی ڈگری

☆ 1998ء میں امریکین بائیوگرافیکل انسٹی ٹیوٹ میلینیم 2000 کا اعزازی میڈل حاصل کیا۔

☆ 2005ء میں ورلڈ ٹولرینس (TOLERANCE) ایوارڈ حاصل کیا۔

Marfat.com

☆ 2006ء میں انٹرنیشنل ویمن آف دی ورلڈ کا ایمرینس ویمن ایوارڈ حاصل کیا۔

☆ 2007ء 6 مئی کو ناروے (اوسلو) میں مسلم ویمن برائے ہیومن رائٹس وڈیمو کریسی کانفرنس کی صدارت کی جو نہایت بڑا اعزاز ہے۔

KEY NOTE ADDRESSES

☆ 1989ء میں امریکی کانفرنس سے مشترکہ اجلاس سے تاریخی خطاب

☆ 1993ء میں ری پبلک آف آئرلینڈ کی پارلیمنٹ سے خطاب

☆ 1994ء میں سوئزرلینڈ میں ورلڈ اکنامک فورم سے خطاب

☆ 1994ء میں قاہرہ میں ہونے والے پاپولیشن پلاننگ کے موضوع پر کانفرنس سے خطاب کیا۔

☆ 1994ء میں جنیوا میں اقوام متحدہ کے ہیومن رائٹس کمشن سے خطاب

☆ 1995ء میں سنگاپور میں فاریون گلوبل فورم سے خطاب

☆ 1995ء میں پرنسٹن یونیورسٹی امریکہ میں خطاب

☆ 1995ء میں سکول آف ایڈوانس انٹرنیشنل سٹڈیز جان ہوپ کنز یونیورسٹی سے خطاب

☆ 1995ء میں بیجنگ میں ویمن کانفرنس سے تاریخی خطاب کیا۔

اس کے علاوہ دنیا بھر کے تعلیمی اداروں اور دیگر عالمی تنظیموں کی درخواست پر لیکچرز دیئے جن کو عالمی میڈیا میں خاص کوریج دی گئی۔ محترمہ بے نظیر بھٹو کے لیکچرز سے ان کے انٹرنیشنل ریلیشن میں منفرد گرفت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ جہاں تک عالمی سطح پر ان کی عالمی رہنماؤں سے ملاقات کا تعلق ہے تو یہ سلسلہ ان کے والد محترم ذوالفقار علی بھٹو شہید کے دور اقتدار سے ہی شروع ہو گیا تھا جو ان کی شہادت کے روز تک جاری رہا اور انہوں نے سانحہ راولپنڈی سے چند گھنٹے قبل افغان صدر حامد کرزئی سے تفصیلی ملاقات کی جس میں انہوں نے ملکی اور غیر ملکی سیاست اور دہشت گردی کے خلاف جاری کوششوں کے بارے میں بات چیت کی۔

Marfat.com

بے نظیر بھٹو کی وصیت

بے نظیر بھٹو شہید نے اٹھارہ سالہ طویل جلاوطنی کے بعد پاکستان روانگی سے دو روز پہلے یعنی 16 اکتوبر کو ایک وصیت تحریر کی۔ کیوں کہ وطن واپسی سے پہلے ایک خیال یہ تھا کہ انہیں گرفتار کر لیا جائے گا لیکن چونکہ وہ ایک سیاسی مفاہمت کے نتیجے میں اپنی جلاوطنی کو ختم کر رہی تھیں اس لئے گرفتاری کا امکان نہیں تھا۔ دوسرا پختہ خیال یہ تھا کہ چونکہ انہیں دھمکیاں دی گئی تھیں اس لئے اس بات کا قوی امکان تھا کہ انہیں قتل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ ان دھمکیوں کے پیش نظر وہ سمجھتی تھیں کہ انہیں کسی بھی قسم کے حالات کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے اور وہ اس کے لئے تیار بھی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے وطن روانگی سے پہلے ایک طویل وصیت لکھی جو دو حصوں پر مشتمل ہے ایک حصہ میں ملک کی سیاسی صورت حال اور پارٹی کے حوالے سے ضروری ہدایات ہیں اور دوسرا حصہ خاندانی معاملات پر مشتمل ہے۔

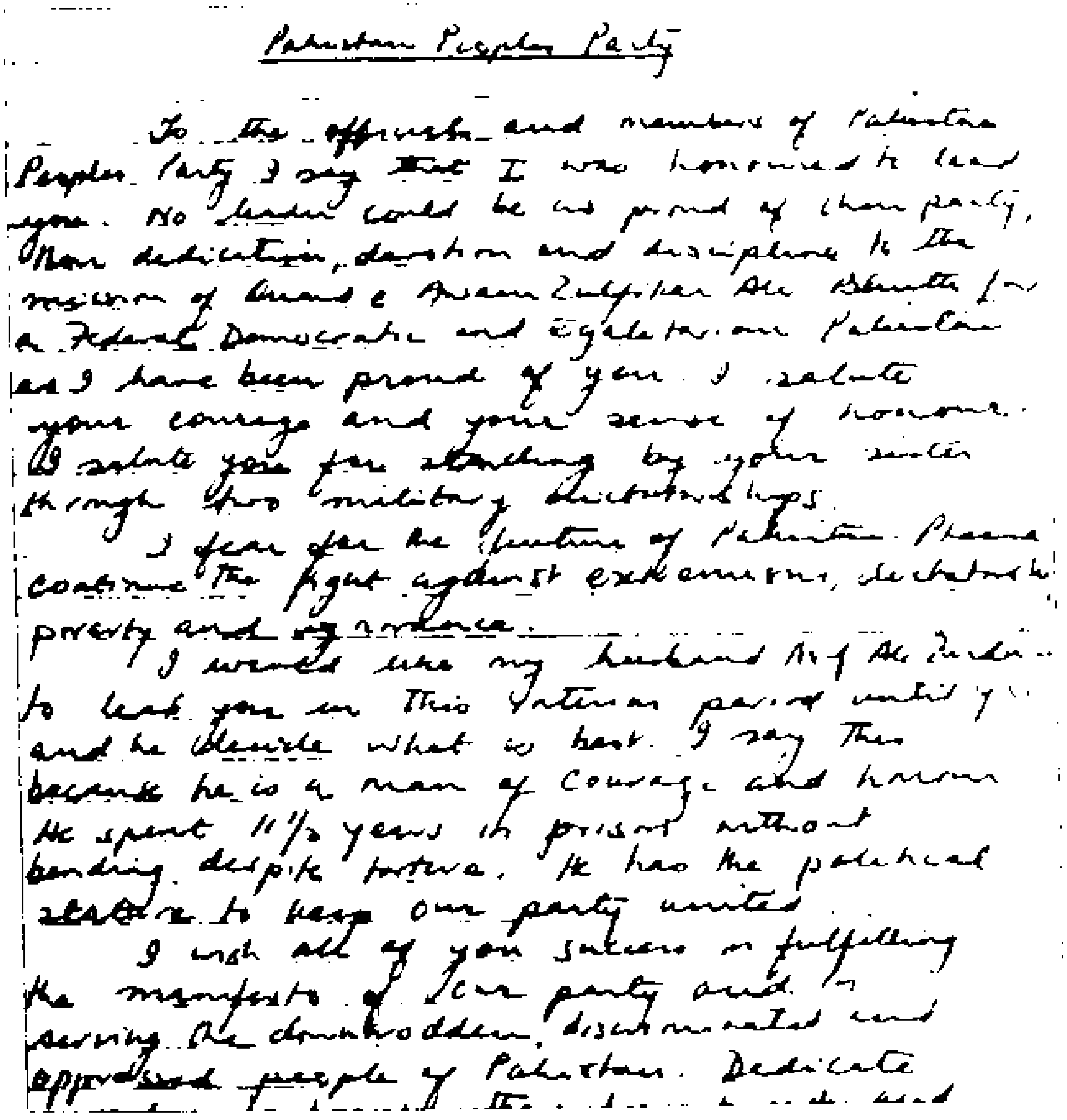
Pakistan Peoples Party

To the officials and members of Pakistan Peoples Party I say that I was honoured to lead you. No leader could be as proud of their party, their dedication, devotion and discipline to the mission of Quaid e Awam Zulfikar Ali Bhutto for a Federal Democratic and Egalitarian Pakistan as I have been proud of you. I salute your courage and your sense of honour. I salute you for standing by your sister through two military dictatorships.

I fear for the future of Pakistan. Please continue the fight against extremism, dictatorship, poverty and ignorance.

I would like my husband Asif Ali Zardari to lead you in this interim period until you and he decide what is best. I say this because he is a man of courage and honour. He spent 11½ years in prison without bending despite torture. He has the political stature to keep our party united.

I wish all of you success in fulfilling the manifesto of our party and in serving the downtrodden, discriminated and oppressed people of Pakistan. Dedicate

بے نظیر کی وصیت کا عکس

Marfat.com

یہ وصیت سینٹرل ایگزیکٹو کمیٹی کی میٹنگ کے اندر نوڈیرو میں پڑھ کر سنائی اور باقی ارکان نے بھی اسے دیکھا۔ محترمہ بے نظیر بھٹو شہید کے رسم قل کے بعد پارٹی کی کمیٹی، کارکنوں اور صحافیوں کو اس وصیت کا پیپلز پارٹی سے متعلقہ حصہ بے نظیر بھٹو شہید کے فرزند بلاول بھٹو زرداری نے پڑھ کر سنایا جس میں آصف علی زرداری کو پیپلز پارٹی کا چیئر مین مقرر کیا گیا ہے تاہم آصف علی زرداری نے پاکستان پیپلز پارٹی کی مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاس میں اپنے بیٹے بلاول بھٹو زرداری کو چیئر مین اور خود کو شریک چیئر مین مقرر کیا اور مرکزی مجلس عاملہ نے اسے منظور کیا۔

محترمہ بے نظیر بھٹو نے اپنی وصیت میں لکھا ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی کے کارکن ماضی کی طرح آئندہ بھی غربت، جہالت، مہنگائی، آمریت اور پسماندگی کے خلاف اپنے آپ کو وقف کر دیں۔ انہوں نے وصیت میں کارکنوں اور پاکستانی عوام کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے دو آمروں کے خلاف جنگ میں میرا ساتھ دیا۔ وصیت میں بے نظیر بھٹو نے کہا کہ مجھے پاکستان کے مستقبل کے بارے میں تشویش ہے۔ میری درخواست ہے کہ کارکن انتہا پسندی اور جہالت کے خلاف جدوجہد جاری رکھیں۔ بے نظیر بھٹو شہید نے مزید لکھا ہے کہ:

> ''پاکستا پیپلز پارٹی کے عہدیداران و کارکنان مجھے آپ کی قیادت کا اعزاز ملا، آپ نے ایک وفاقی، جمہوری اور مساوات پر مبنی پاکستان کے لئے قائد اعظم ذوالفقار علی بھٹو کے مشن کی خاطر جس بے لوث محنت اور نظم و ضبط کا مظاہرہ کیا اس پر میں جتنا بھی فخر کروں کم ہے۔ میں آپ کی جرأت و حرمت کو سلام کرتی ہوں۔ دو فوجی آمریتوں کے دوران آپ جس طرح اپنی بہن کے شانہ بشانہ رہے، میں اس پر بھی سلام پیش کرتی ہوں۔ میں پاکستان کے مستقبل کے بارے میں فکر مند ہوں، آپ انتہا پسندی، آمریت، غربت اور جہالت کے خلاف جدوجہد جاری رکھئے۔ میری خواہش ہے کہ میرے شوہر آصف علی زرداری اس عبوری دور میں آپ کی قیادت کریں تاوقتیکہ آپ اور وہ مل کر فیصلہ کرلیں کہ بہترین راستہ کیا ہے۔ یہ میں اس لئے کہہ رہی ہوں کیوں کہ وہ ایک جرأت مند اور خوددار شخص ہیں، انہوں نے بغیر جھکے ساڑھے گیا...

Marfat.com

سال قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ان کا سیاسی مقام ایسا ہے کہ وہ پارٹی کو متحد رکھ سکیں۔میں غریب، پسماندہ اور کچلے ہوئے عوام کی خدمت کے لئے پارٹی منشور کی تکمیل کی راہ میں آپ کی کامیابی کی دعا کرتی ہوں۔آپ عوام کو غربت اور پسماندگی سے نجات دلانے کے لئے خود کو ماضی کی طرح وقف کر دیجئے۔"

16 اکتوبر 2007ء کو لکھی گئی اس وصیت کی تصدیق محترمہ بے نظیر بھٹو کے ایک دیرینہ رفیق مارک سیگل نے بھی تصدیق کی اور کہا کہ یہ ان کا ہینڈ رائٹنگ ہے۔محترمہ بے نظیر بھٹو کی وصیت کا اردو، سندھی اور مختلف زبانوں میں ترجمہ کروایا گیا ہے اور ان کی آخری کتاب "اسلام، جمہوریت اور مغرب" میں بھی شامل کی گئی ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

سکاٹ لینڈ یارڈ کی رپورٹ

پاکستان پیپلز پارٹی کی سربراہ عالم اسلام کی پہلی منتخب وزیر اعظم محترمہ بے نظیر بھٹو کی شہادت کے فوراً بعد پاکستانی تحقیقاتی ایجنسیوں نے سانحہ کی تحقیقات کا آغاز کر دیا تھا لیکن پیپلز پارٹی کو پاکستانی ایجنسیوں کی تحقیقات پر اعتماد نہیں تھا ان کا مطالبہ تھا کہ اس عظیم سانحہ کی تحقیقات لبنان کے مقتول رہنما رفیق الحریری کی طرح اقوام متحدہ کی ٹیم سے کرائی جائے۔حکومت نے پیپلز پارٹی کے مطالبہ پر اقوام متحدہ سے تو تحقیقات نہیں کرائی لیکن سکاٹ لینڈ یارٹ کی ٹیم پاکستانی حکومت کی درخواست پر تحقیقات کی غرض سے پاکستان آئی اور اس نے اپنے انداز میں تحقیقات کا آغاز کیا۔سکاٹ لینڈ یارٹ کی ٹیم نے جائے وقوعہ کا جائزہ لیا، واقعہ کی بعینہٖ اسی طرح ریہرسل دوہرائی، ہسپتال کے ڈاکٹروں کی ٹیم سے تکنیکی نوعیت کے سوالات کئے، واقعہ کے چشم دید گواہوں کے بیانات لئے اور اپنے ملک روانہ ہو گئی۔

سکاٹ لینڈ یارٹ کی ٹیم نے 8 فروری کو اپنی رپورٹ جاری کی جس میں کہا گیا تھا کہ سابق وزیر اعظم اور پاکستان پیپلز پارٹی کی شہید چیئر پرسن بے نظیر بھٹو کی موت بم دھماکے کے نتیجے میں سر میں ہونے والے گہرے زخم کے باعث ہوئی۔یو کے کے ہوم آفس کے پیتھالوجسٹ ڈاکٹر نیتھنیل کیری کے دستخطوں کے ساتھ تین صفحات کی رپورٹ جاری کی گئی۔یہ رپورٹ سکاٹ لینڈ یارڈ کی تین رکنی ٹیم نے نگران وزیر داخلہ، سیکرٹری داخلہ، نیشنل کرائسز مینجمنٹ سیل کے سربراہ سمیت دیگر پولیس حکام سے ملاقات کر کے باضابطہ طور پر ان کے حوالے کی۔

ایڈیشنل آئی جی سی آئی ڈی پنجاب چوہدری عبدالمجید نے صحافیوں کو بریفنگ دیتے ہوئے رپورٹ پڑھ کر سنائی۔رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ بے نظیر بھٹو کی موت کا بڑا سبب ان کے سر کے دائیں حصے میں آنے والا زخم ہے۔رپورٹ کے مطابق محدود ایکسرے میٹریل، پوسٹ مارٹم

Marfat.com

اور سٹی سکین کی غیر موجودگی کی وجہ سے گردن اور سر کے درمیان گولی لگنے کے امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ نتیجہ محترمہ کی بلٹ پروف گاڑی ہسپتال کے عملے اور بے نظیر کی میت کو غسل دینے والی ان کی خاندانی خاتون کے بیانات کی بنیاد پر بھی اخذ کیا گیا ہے۔ پیتھالوجسٹ ڈاکٹر نیتھنیل کیری کی رپورٹ کے مطابق گردن یا سر کے نیچے والے حصے میں آنے والے زخم میں گولی کے امکان کو رد کرنا ممکن نہیں۔ تاہم بے نظیر بھٹو کی میت کو قریب سے دیکھنے والے اور دستیاب شواہد بتاتے ہیں کہ ان کا زخم گولی لگنے کا نتیجہ نہیں۔ ڈاکٹر نیتھنیل کیری کے بیان کے مطابق بے نظیر بھٹو کی موت کا سبب ان کے سر کا زخم ہے، یہ زخم بم دھماکے کی شدت کے باعث ان کا سر گاڑی کی چھت میں لگے ٹھوس کنارے کے ساتھ ٹکرانے کے باعث آیا۔ ڈاکٹر نیتھنیل کیری کے الفاظ اس طرح ہیں: ''میرے خیال میں بے نظیر بھٹو کی موت ان کے سر میں آنے والے زخم سے ہوئی اور یہ زخم بم دھماکے کی شدت کے باعث ان کا سر گاڑی کی چھت کے ساتھ ٹکرانے سے آیا۔''

رپورٹ میں محترمہ بے نظیر بھٹو کی موت کے دیگر اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا گیا ہے کہ بم دھماکے میں انتہائی شدت امیز دھماکہ خیز مواد استعمال کیا گیا تھا۔ دھماکے کے وقت اس کی ولاسٹی 600 سے 900 میٹر فی سیکنڈ تھی جبکہ حملہ آور بے نظیر کی گاڑی سے صرف 2 میٹر کے فاصلے پر موجود تھا لہٰذا اس بارے میں خیال کیا جا سکتا ہے کہ دھماکہ خیز مواد کی شدت اور بے نظیر اور حملہ آور کے درمیان کم فاصلہ بھی ان کا سر گاڑی کی چھت کے ساتھ ٹکرانے کا سبب بن سکتا ہے۔ ڈاکٹر نیتھنیل کیری نے مزید کہا کہ بے نظیر کی گاڑی کی بناوٹ پر تبصرہ کرنا انتہائی ضروری ہے یہ گاڑی بیس سکس گریٹر آرمور کے ساتھ بنائی گئی اور بلٹ پروف تھی۔ انہوں نے کہا کہ یہ بدقسمتی ہے کہ گاڑی کی چھت والی حفاظت کی جگہ کو اس کیس میں سن روف کا نام دیا گیا ہے ایسا بالکل نہیں، یہ اس کا ڈیزائن ہے اور یہ عام طور پر حفاظت کے لئے استعمال کی جاتی ہے اور اس کا ٹھوس کنارہ 9 سینٹی میٹر گہرائی کے ساتھ بنایا گیا ہے۔ لہٰذا بے نظیر کو آنے والا زخم گاڑی کے اسکیپ ہیچ پر ان کا سر ٹکرانے کی وجہ سے آیا۔ انہوں نے کہا کہ میڈیا سے حاصل ہونے والے فوٹیج کو بھی شواہد میں شامل کیا گیا ہے۔ رپورٹ میں بے نظیر بھٹو پر حملہ آور افراد کی تعداد کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ بے نظیر پر حملہ کرنے والے دو نہیں بلکہ صرف ایک شخص تھا جس نے پہلے بے نظیر پر فائرنگ کی اور

Marfat.com

بعد میں خود کو دھماکے سے اڑا دیا۔

رپورٹ کے مطابق ایک ہی ایسا شخص ملا ہے جس کی نعش کے ٹکڑوں کی تا حال شناخت نہیں ہو سکی اور یہ بات ہمیں ٹھوس شواہد پیش کرتی ہے کہ حملہ آور صرف ایک شخص تھا۔ میڈیا کے فوٹیج سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک ہی شخص نے پہلے فائرنگ کی اور بعد میں خود کو دھماکے سے اڑا دیا۔ ان فوٹیج میں کسی اور حملہ آور کو نہیں دکھایا گیا۔ ایڈیشنل آئی جی پنجاب چوہدری عبدالمجید نے پریس بریفنگ کے دوران بتایا کہ فرانزک رپورٹ اور کیمیکل ایگزامینر کی رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ گولی فائر ہوئی تاہم یہ گولی بے نظیر کو نہیں لگی۔ انہوں نے کہا کہ تحقیقاتی ٹیم نے میڈیا، ڈاکٹروں، عینی شاہدین، انٹیلی جنس اداروں اور دیگر ذرائع سے بھی معلومات حاصل کی تھیں اور انہیں اس حوالے سے حکومت نے فری ہینڈ دیا تھا جس کی وجہ سے ان کی تحقیقات میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی گئی۔ تحقیقاتی ٹیم نے بے نظیر بھٹو کے سیکورٹی انچارج میجر امتیاز سے بھی رابطہ کیا تاکہ انہیں مخدوم امین فہیم، سینیٹر صفدر عباسی، ناہید خان اور خالد کے ساتھ رابطے کی اجازت دی جائے مگر انہوں نے شیری رحمٰن اور فاروق نائیک سے ملوایا۔ انہوں نے بتایا کہ جوائنٹ انویسٹی گیشن ٹیم نے جائے وقوعہ سے بائیس اشیاء اپنی تحویل میں لی تھیں جن میں سے پندرہ ٹیم کے حوالے کی گئیں۔ انہوں نے کہا کہ میرا اپنا بھی تجزیہ ہے کہ بے نظیر بھٹو کی موت سر میں لگنے والی ضرب سے ہوئی۔ سانحہ لیاقت باغ کی ویڈیو فلم کے دوران معلوم ہوا کہ دھماکے کے بعد 0.6 سیکنڈ تک بے نظیر بھٹو کا سر گاڑی کے سن روف کے نیچے نہیں جا سکا۔ انہوں نے بتایا کہ انٹیلی جنس اداروں کے اشتراک سے ہم نے دو افراد اعتزاز شاہ اور شیر زمان کو ڈی جی خان سے کچھ روز قبل گرفتار کیا جبکہ مزید دو افراد حسنین اور رفاقت کو گذشتہ روز راولپنڈی سے گرفتار کر کے ان کا جسمانی ریمانڈ حاصل کیا ہے۔ ان سب سے تفتیش جاری ہے۔ انہوں نے بتایا کہ تحقیقاتی ٹیم اپنی یہ رپورٹ صدر مشرف، آصف علی زرداری اور شہید کے بیٹے بلاول بھٹو زرداری کو بھی پیش کرے گی۔

امریکی اخبار "نیویارک ٹائمز" نے رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ رپورٹ میں یہ واضح نہیں کیا گیا کہ تحقیقاتی ٹیم پوسٹ مارٹم کے بغیر اور موقع سے تمام شواہد ضائع کئے جانے کے باوجود اس نتیجے پر کیسے پہنچی۔

Marfat.com

پاکستان پیپلز پارٹی نے محترمہ بے نظیر بھٹو کی شہادت کے حوالے سے سکاٹ لینڈ یارڈ کی رپورٹ مسترد کر دی۔ پیپلز پارٹی کی سیکرٹری اطلاعات شیری رحمن نے فرانسیسی خبر رساں ادارے سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ ان کی جماعت سکاٹ لینڈ یارڈ کی رپورٹ کو تسلیم نہیں کرتی اس رپورٹ کے آنے سے بے نظیر بھٹو کے قتل کی تحقیقات اقوام متحدہ سے کرانا ناگزیر ہو گیا ہے کیوں کہ یہ جاننا ضروری ہے کہ ویڈیو فوٹیج میں گولی چلانے والے ہاتھ کے پیچھے کون ہے۔ پیپلز پارٹی کے ترجمان فرحت اللہ بابر نے کہا کہ اس رپورٹ پر بنیادی سوال کا جواب موجود نہیں کہ بے نظیر کے قتل میں کس کا ہاتھ تھا۔ انہوں نے کہا کہ حکومت پاکستان نے سکاٹ لینڈ یارڈ کی ٹیم کا مینڈیٹ محدود کر دیا تھا اور انہیں اس پہلو سے تحقیقات کی اجازت نہیں دی گئی کہ اس واقعے کی منصوبہ بندی اور مالی وسائل فراہم کرنے والے کون تھے۔

13 فروری 2008ء کو بے نظیر بھٹو کے قتل میں ملوث حضرو سے تعلق رکھنے والے ملزموں رفاقت حسین اور حسنین گل نے مجسٹریٹ کے روبرو بے نظیر بھٹو پر قاتلانہ حملے میں معاونت فراہم کرنے کا اعتراف لیا اور بتایا کہ بے نظیر پر حملے کے وقت وہ موقع پر موجود تھے۔ ملزموں کے مطابق حسنین گل کا بھائی لال مسجد اپریشن میں جاں بحق ہو گیا تھا جس کا بدلہ لینے کے لئے حضرو کے مدرسے میں ان کے استاد ولی محمد نے خودکش حملوں کی تربیت دی۔ ملزموں کے مطابق انہوں نے بے نظیر بھٹو کو شہید کرنے کی منصوبہ بندی نومبر 2007ء میں کی۔ رفاقت اور حسنین نے خودکش حملہ آوروں کو راولپنڈی لانے اور خودکش جیکٹس گولہ بارود کی خریداری کے لئے حضرو کے ایک بینک میں ڈکیتی کی۔ ملزموں نے بتایا کہ بلال اور اکرام اللہ 25 دسمبر کو راولپنڈی آئے اور دو روز تک لیاقت باغ کی نگرانی کرتے رہے جس کے بعد 27 دسمبر کی صبح ساڑھے آٹھ بجے بلال اور اکرام اللہ کو موٹر سائیکلوں کے ذریعے لیاقت باغ پہنچایا۔ بلال کی ڈیوٹی گیٹ نمبر ایک پر اور اکرام اللہ خارجی دروازے پر موجود تھا۔ اگر بلال ناکام ہوتا تو اکرام اللہ نے خودکش حملہ کرنا تھا لیکن بلال اپنی کوشش میں کامیاب رہا اور اکرام اللہ قائد اعظم کالونی میں ایک رات گزارنے کے بعد وزیرستان روانہ ہو گیا۔

☆☆☆

Marfat.com

Marfat.com

مصنف: مرتضیٰ انجم اپنی کتاب ''بے نظیر بھٹو شہید'' جناب جہانگیر بدر کو پیش کرتے ہوئے

دارالشعور

37۔ مزنگ روڈ، بک سٹریٹ، لاہور، پاکستان
فون: 042-7239138-8460196
Email: m_d7868@yahoo.com

Marfat.com